فتاوی رشیدیہ (کامل)

افادات

قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد
گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ

جلد دوم

جدید مطول حاشیہ

بندہ محمد خالد البلوشی الحنفی

فاضل جامع مطلع العلوم کوئٹہ بلوچستان پاکستان

کتاب کا نام: فتاوی رشیدیہ رجلد دوم

مصنف: فقیہ النفس حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ

تحقیق وتخریج بندہ محمد خالد حنفی

صفحات: ۵۱۹

ناشر:

سن اشاعت:

تعداد:

کمپوزر: بندہ محمد خالد حنفی

رابطہ

Gmail: khalidhanfi11@gmail.com

03379735574

03185110565

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (حنفی)

فہرست مضامین

کتاب البدعات

کتاب الجنائز

جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان

ملفوظات

مسائل منثورہ

کتاب الطہارت

طہارت کے مسائل

اس پانی کا بیان جس سے وضو اور غسل جائز ہے

باب کنوئیں کے احکام ومسائل

ملفوظات

باب نجاستوں اور اس کو پاک کرنے کے مسائل

ملفوظات

کتاب الصلوٰۃ

نماز کے مسائل

باب نماز کے وقتوں کا بیان

ملفوظات

اذان اور اقامت کا بیان

باب نماز کی کیفیت کا بیان

قرأت اور تجوید کا بیان

ملفوظ

باب کن امور سے نماز میں کراہت آتی ہے اور کن سے نہیں

کن امور سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کن سے نہیں

باب نماز میں وضو ٹوٹ جانے کا بیان

باب فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے کا بیان

باب امامت اور جماعت کا بیان

ملفوظات

باب سنتوں اور نفلوں کا بیان

ملفوظات

باب تراویح کا بیان

ملفوظات

باب بھول کے سجدوں کا بیان

باب وتر کا بیان

باب الجمعہ والعیدین

ملفوظ

باب جنازہ کی نماز بیان

باب سجدہ تلاوت کا بیان

باب بیمار کی نماز کا مسئلہ

مسافر کے احکام کا بیان

ملفوظ

شہید کا بیان

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کے مسائل کا بیان

ملفوظ

باب عشر وصدقہ وزکوٰۃ کن کن کو دیا جائے اس کا بیان

ملفوظ

باب صدقہ فطر کا بیان

ملفوظ

باب عشر وخراج کے احکام کا بیان

ملفوظ

کتاب البدعات

مجلس میلاد کی ابتداء

﴿سوال﴾:

محفل میلاد شریف وقیام وعود لوبان سلگانے فرش وچوکی بچھانے وتاریخ معین کرنے وغیرہ بہ ہیئت مشہورہ ومروجہ اس زمانہ میں آیا اس طریقہ سے محفل میلاد جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس دلیل سے دلیل ادلہ اربعہ سے ہو بینوا توجروا؟

﴿جواب﴾:

یہ محفل چونکہ زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں اور زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور زمانہ تابعین اور تبع تابعین اور زمانہ مجتہدین علیہ الرحمۃ میں نہیں ہوئی اس کا ایجاد بعد چھ سال کے ایک بادشاہ نے کیا (۱) اس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں لہٰذا یہ مجلس بدعت ضلالہ ہے اس کے عدم جواز میں صاحب مدخل وغیرہ علماء پہلے بھی لکھ چکے ہیں (۲) اور اب بھی بہت رسائل فتاویٰ طبع ہو چکے ہیں زیادہ دلیل کی حاجت نہیں عدم جواز کے واسطے یہ

---

(۱): فی معارف السنن: قال الشیخ: ولہ کتاب ”التنویر فی مولد البشیر النذیر“ أثبت فیہ طریقۃ محفل المیلاد الرائج الیوم فی البلاد، ولم یکن یلیق بالمحدث أن یؤلف فی مثل ہذہ البدعۃ، وانما أحدثہا صوفی فی عہد الملک ”اربل“ سنۃ ستمائۃ ولم یکن لہ أصل فی الدین. (معارف السنن شرح جامع الترمذی، ج: ۴، ص: ۴۳۷، ط، ایجو کیشنل بریس کراتشی)

(۲): فی المدخل: ومن جملۃ ما أحدثوہ من البدع مع أعتقادہم أن ذلک من أکبر العبادات واظہار الشعائر مایفعلونہ فی شہرربیع الاول من المولد وقد احتوی علی بدع ومحرمات جملۃ...الخ. (المدخل لابن الحاج، فصل فی المولد، ج: ۲، ص: ۲، ط، مکتبۃ دار التراث، القاہرۃ)

دلیل بس ہے کہ کسی قرون خیر میں اس کونہیں کیا زیادہ مفاسد اس کے دیکھنے ہوں تو مطولات فتاویٰ کو دیکھ لیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ رشید احمد ۱۳۰۱۔ الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ خلیل احمد

مجلس مولود مجلس خیر و برکت ہے درصورتیکہ ان قیودات مذکورہ سے خالی ہو فقط بلاقید وقت معین و بلا قیام و بغیر روایت موضوع مجلس خیر و برکت ہے صورت موجودہ جو مروج ہے بالکل خلاف شرع ہے اور بدعت ضلالۃ ہے هكذا سمعت من ابی مولانا الحاج المحدث السهارنفوری المولوی احمد علی برد الله مضجعه وبهذا افتى مولانا المرحوم محمد خليل الرحمٰن مدرس مدرسه اسلاميه سهارنفور. محمد خليل الرحمٰن مجلس میلاد شریف بہیئت معلومہ مروجہ لاریب

سئل نفع الله به: عن حكم الموالد والأذكار التى يفعلها كثير من الناس فى هذا الزمان هل هى سنة أم فضيلة أم بدعة؟....فأجاب بقوله: الموالد والأذكار التى تفعل عندنا اكثرها مشتمل على خير كصدقة وذكر وصلوة وسلام على رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ومدحه، وعلى شربل شرور لولم يكن منها الا رؤية النساء للرجال الأجانب، وبعضها ليس فى شر لكنه قليل نادر، ولاشك أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح، فمن علم وقوع شىء من الشر فيما يفعله من ذلك فهو عاص آثم وبفرض أنه عمل فى ذلك خيراً، فربما خيره لايساوى شره...الخ. (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثمىؒ، مطلب الاجتماع للموالد والأذكار وصلاة التراويح مطلوب مالم يترتب عليه شر والا فيمنع منه، ص: ۱۱۲)

قال العلامة الفقيه عزيزالرحمٰن العثمانى رحمه الله تعالٰى: والاحتفال بذكر الولادة الشريفة ان كان خاليا من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر اذكاره ﷺ. (امداد الفتاوى، كتاب العقائد والكلام، ج:٦، ص: ۳۱۲، ط، مكتبه دارالعلوم كراچى)

بدعت وممنوع فقط۔

بندہ عزیز الرحمٰن دیوبندی عفی عنہ　توکل علی العزیز الرحمٰن　الجواب صحیح

بندہ احمد عفی عنہ خلف مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم　اسمہ احمد　اصاب المجیب محمد حسن

عفی عنہ محمد حسن لاشک ان انعقاد هذا المجلس المخترع ضلالة ویذم جاعلها بذم البدعات.

فقیر محمد حسین دہلوی　محمد اسماعیل ۱۳۰۴ سید محمد ابو الحسن　یقال لہ ابراہیم　سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۳۹۹

الجواب صحیح نبیرہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی۔

جواب صحیح ہے اور یہ مولود مروجہ بدعت ہے چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں عبارتہ ہکذا اگر فرضاً حضرت ایشان درین آوان در دنیا زندہ بودے واین مجلس واجتماع کہ منعقد میشد آیا این امر راضی میشدند واین اجتماع رامے پسندیدند یا نہ یقین فقیر آن ست کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودہ ند بلکہ انکار می نمودند مقصد فقیر اعلام بود قبول کنید یا نہ کنید فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



مروجہ مجلس میلاد

﴿سوال﴾:

مروجہ مجلس میلاد بدعت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

مجلس مولود مروجہ بدعت ہے(۳) اور بسبب خلط امور مکروہہ کے مکروہ تحریمہ ہے اور

(۳): فی المدخل: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع أعتقادهم أن ذلک من أکبر العبادات واظهار الشعائر مایفعلونه فی شهر ربیع الاول من المولد وقد

قیام بھی بوجہ خصوصیت کے بدعت ہے اور امرد لڑکوں کا پڑھنا راگ میں بہ سبب اندیشہ وہیجان فتنہ کے مکروہ ہے اور فاتحہ مروجہ بھی بدعت ہے (۴) معہذا مشابہ بفعل ہنود ہے اور تشبہ غیر قوم کے ساتھ منع ہے (۵) ایصال ثواب بدون اس ہیئت درست ہے (۶) اور جس

احتوی علی بدع ومحرمات جملة...الخ. (المدخل لابن الحاج، فصل فی المولد، ج: ۲، ص: ۲، ط، مکتبة دار التراث، القاهرة)

لا أعلم لهٰذا المولد أصلاً فی کتاب ولاسنة ولاینقل عمله عن أحد من العلماء الأئمة الذین هم القدوة فی الدین المتمسکون بآثار المتقدمین، بل هو بدعة أحدثها البطالون شهوة نفس اعتنی بها الأکلون. (الجنة لأهل السنةدهلی ۱۰۲، یحواله کتاب الوازل، ج: ۱، ص: ۵۵۴، ط، المرکز العلمی لال باغ مراد آباد، هند)

(۴): فی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث. وبعد الأسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الاخلاص. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت، ج: ۳، ص: ۱۴۸، ط، دار عالم الکتب، ریاض). انتهٰی.

(۵): عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، ص: ۵۶۹، رقم: ۴۰۳۱، ط، دارالسلام، ریاض).

(۶): فی مراقی الفلاح: فللانسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة صلاة کان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراء ة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلک من انواع البر ویصل الی المیت.

وقال الشیخ احمد الطحطاوی رحمه الله تعالٰی تحته: (فللانسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة) سواء کان المجعول له حیاً، أو میتاً من غیر أن ینقص من أجره شیء. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ۶۲۱،

ضیافت میں امور غیر مشروع ہوں وہاں جانا بھی ناجائز ہے(۷) اور جس کا مال حرام ہے خواہ فاحشہ ہو یا مرد مسلم اس کے ہاتھ بیع کرنا اس مال حرام کے عوض حرام ہے(۸) کہ کل کو حرام کردیتا ہے اگر اچھے مال سے خرید کرلے درست ہے فقط والسلام۔



۶۲۲،ط، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان)

(۷)وعن سفینة: أن رجلاً ضاف علیؓ ابن أبی طالب، فصنع له طعاماً فقالت فاطمةؓ: لو دعونا رسول اللّٰهﷺ فأکل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع یدیه علی عضادتی الباب، فرأی القرام قد ضرب فی ناحیة البیت، فرجع. فقالت فاطمةؓ: فتبعته، فقلت: یا رسول اللّٰهﷺ ما ردک؟ قال: انه لیس لی أولنبی أن یدخل بیتاً مزوقاً. رواه احمد وابن ماجه. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: وفیه تصریح بأنه لایجاب دعوة فیها منکراً اهـ. (مرقات المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب الولیمة، الفصل الثانی، ج: ۶، ص: ۳۴۳، رقم: ۳۲۲۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الهندیة:ومن دعی الی ولیمة فوجد ثمة لعبا أو غناء فلابأس أن یقعد ویأکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر یصبر وهذا اذا لم یکن مقتدی به أما اذا کان ولم یقدر علی منعهم فانه یخرج ولایقعد ولو کان ذلک علی المائدة لاینبغی أن یقعد وان لم یکن مقتدی به وهذا کله بعد الحضور و أما اذا علم قبل الحضور فلایحضر. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، ج: ۵، ص: ۳۴۳)

(۸):فی الدرالمختار: الحرام ینتقل، فلو دخل بأمان وأخذ مال حربی بلارضاه و أخرجه الینا، ملکه، وصح بیعه، لکن لایطیب له ولا للمشتری منه..... وفی حظر الأشباه: الحرمة تتعدد مع العلم.

وفی الشامیة تحته: قوله: (الحرمة تتعدد الخ) نقل الحموی عن سیدی عبدالوهاب الشعرانی أنه قال فی کتابه المنن: وما نقل عن بعض الحنفیة من أن

مجلس مولود وعرس جس میں خلاف شرع امور نہ ہوں

﴿سوال﴾:

مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود اور عرس کرتے تھے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

عقد مجلس مولود اگر چہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام وتداعی اس میں بھی موجود ہے لہٰذا اس زمانہ میں درست نہیں وعلی ہذا عرس کا جواب ہے بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے(۹)۔



الحرام لایتعدی ذمتین.سألت عنه الشهاب بن الشلبی، فقال: هو محمول علی ما اذا لم یعلم بذلک، أما لو رای المکاس مثلاً یأخذ من أحد شیئاً من المکس، ثم یعطیه آخر، ثم یأخذ من ذلک الآخر آخر، فهو حرام. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: الحرمة تتعدد، ج: ۷، ص: ۳۳۰، ۳۰۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۹):سئل نفع اللّٰه به: عن حکم الموالد والأذکار التی یفعلها کثیر من الناس فی هذا الزمان هل هی سنة أم فضیلة أم بدعة؟....فأجاب بقوله: الموالد والأذکار التی تفعل عندنا اکثرها مشتمل علی خیر کصدقة وذکر وصلوة وسلام علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ومدحه، وعلی شربل شرور لولم یکن منها الا رؤیة النساء للرجال الأجانب، وبعضها لیس فی شر لکنه قلیل نادر، ولاشک أن القسم الأول ممنوع للقاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم علی جلب المصالح، فمن علم وقوع شیء من الشر فیما یفعله من ذلک فهو عاص آثم

بدون تجدید نعمت حقیقی کے سرور وفرحت کا اعادہ

﴿سوال﴾:

اعادہ کرنا سرور فرحت کا بدون تجدید نعمت حقیقی کے آیا جائز ہے یا نہیں اور یہ دلائل جو مجوزین مولود زمانہ پیش کرتے ہیں مثل صوم عاشورہ کہ شکریہ وموافقت حضرت موسیٰ علیہ

وبفرض أنه عمل في ذلك خيراً، فربما خيره لايساوي شره...الخ. (الفتاوى الحديثية لابن حجر الهيثميؒ، مطلب الاجتماع للموالد والأذكار وصلاة التراويح مطلوب مالم يترتب عليه شر والا فيمنع منه، ص: ۱۱۲)

لايجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد عليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرساً. (تفسير مظهرى، سورة آل عمران تحت آيت: ۶۴، ج: ۲، ص: ۶۵، ط، ندوة المصنفين)

فيجب أن يحذر مما يفعلون على رأس السنة من موته، ويسمونه حولاً ،فيدعون الأكابر والأصاغر، وبعدون ذلك قربة، وهى بدعة ضلالة، لأن التصدق لم يختص بيوم دون يوم، ولاتصح الا على الفقراء والمحتاجين، وقد زاد بعضهم فى جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم الا جمع حطام الدنيا، لأنهم يجمعون بعض أحوال الميت فى كتاب ويسمونه مناقب، ثم اذا حضرالناس المدعوون، جىء برجل حسن الصوت فهو يأخذ تلك النسخة فى يده ويقرأها قرأةً مثل قرأةالمولود، وقد ورد النهى عن مثل هذا صراحةً، ثم يختمون القرآن ويمد لهم سماط، وليس هذا الا بدعة ضلالة لم يفعلها رسول اللهﷺ ولا أصحابه من بعده ولا أتباعهم من بعدهم بل لم يوجد لذلك أثر الى القرن الثامن كما يظهر من تتبع القوم، وهذا خصوصات المشايخ، فانهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله وبذكره تنزل الرحمة، ولوسلم أنه من أولياء الله، فهل ذكر اولى بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة ؟حاشا؛فان الرحمة، لاتنزل الاباتباع السنة السنية، فان

السلام میں رکھا گیا تھا اور اب تک جاری ہے صوم دوشنبہ کو بوجہ یوم ولادت و یوم نزول قرآن شریف میں رکھا گیا تھا اور اب تک جاری اور مثل اعادہ عقیقہ کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت کے کیا تھا حالانکہ آپ کے کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کا عقیقہ کر چکے تھے، لہٰذا روایات مذکور سے اثبات اعادہ سرور ہوتا ہے یا نہیں اور نیز روایت عقیقہ صحیح ہے یا ضعیف ارقام فرماویں؟

﴿جواب﴾:

اس کا جواب مفصل جدید مستقل رسالہ بنتا ہے اس کی تحقیق اور جواب براہین قاطعہ میں دیکھو فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



البدع فهى تنزل الغضب والنقمة.عافانا الله واياكم من غضبه وسخطه. ولو كان هذه الخرافات نزل بها الرحمات لما غفل عنه أكابر المتقدمين من الأئمة الأعلام، وليس غرض هؤلاء المتصوفة الا طلب الشهرة والافتخار بابائهم وأجدادهم أنهم كانوا على هذه المراتب، وأن لهم كرامات عظيمة وكذا وكذا، حتى أن السامع يعتقد فيهم فيدخل فى سلكهم، ومتى دخل فى طريقهم أفقروه فأصبح ممن خسر الدنيا والآخرة. وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، وماعرفت له أصلاً، فان العرس انما يكون فى الزواج، ومع ذلک فهذه الأحوال والأعراس لاتكاد تخلو من ارتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فان أهل الهند لهم اليد الطولٰى فى ذلک. قاتلهم اللّٰه. فانهم يطوفون بقبر الولى الذين يعتقدون فيه ويظنون أنه هو المتصرف فى الكون، وأن الانسان اذا تمسک بهذه، فلاحاجة له بالصلوٰة والصيام، وأكثر ما غلوا فى ذلک أتباع سيدنا عبدالقادر الجيلانى رحمه الله تعالٰى ونفعنا ببركاته، فانه. معاذ الله. أنى يرضٰى بتلک الكفريات اللتى يعتقدونها.(تبليغ الحق،ص: ۸۹۷،بحواله فتاوى محموديه، ج: ۳، ص: ۲۲۴، ۲۲۵)

مکہ معظّمہ میں مجلس میلاد

سوال:

فیوض الحرمین میں شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔وکنت قبل ذٰلک بمکة المعظمة فی مولد النبی ﷺ فی یوم ولادته والناس یصلون علی النبی ﷺ یذکرون ارھاصاته التی ظھر فی ولادته ومشاھده قبل بعثته فرأیت انواراً سطعت دفعةً واحدة لااقول انی ادرکتھا ببصر الجسد ولااقول ادرکتھا ببصر الروح فقط واللّٰہ اعلم کیف کان الامر بین ھذا وذاک فتاملت تلک الانوار فوجدتھا من قبل الملائکة الموکلین بامثال ھذه المشاھد وبامثال ھذه المجالس ورأیت یخالط انوار الملائکة انوار الرحمة.

عبارت مذکورہ میں جواز استحسان شرکت مجلس یوم ولادت وذکر وقائع ولادت ومشاہدہ انوار ملائکہ ثابت ہوتا ہے اوراس سے جواز مولود زمانہ پر حجت لائی جاتی ہے لہٰذا یہ حجت لانا ان کا درست ہے یا نہیں مع مطلب عبارت مذکورہ کے ارقام فرماویں؟

جواب:

فیوض الحرمین میں حاضری مولد النبی ہیں کہ مکان ولادت آپ علیہ السلام کا ہے لکھا ہے وہاں ہر روز زیارت کے واسطے لوگ جاتے ہیں یوم ولادت میں بھی لوگ جمع تھے اور صلوٰۃ وذکر کرتے تھے نہ وہاں تداعی سے اہتمام طلب کے تھے نہ کوئی مجلس تھی بلکہ وہاں لوگ خود بخود جمع ہوکر کوئی درود پڑھتا تھا کوئی ذکر معجزات کرتا تھا نہ کوئی شیرینی نہ چراغ نہ کچھ اور نفس ذکر کو کوئی منع نہیں کرتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مجلس میلاد

﴿سوال﴾:

بلامقرر کیئے دن کے میلاد مبارک پڑھنا اور بلا راگ یا راگنی کے نظم پڑھنا جس میں مزامیر نہ ہووے اور اس نظم میں سوائے تعریف سچی کے اور کوئی کلمہ یا صنم یا کنھیا وغیرہ کا نہ ہووے اور تعظیم وقت ولادت کے کھڑا ہونا اس خیال سے کہ وقت پیدا ہونے نبی ﷺ کے ملائکہ مقربین کھڑے ہوئے تھے اور ستارے جھک گئے تھے اور ایام شیر خوارگی میں چاند آپ سے باتیں کرتا تھا اور پیدا ہوتے وقت بعض دریا خشک اور بعض جاری ہو گئے تھے اور دیوان خانہ نوشیرواں بادشاہ کا جس کے کنگورے گر گئے تھے دہشت سے اور شیاطین خوف سے پہاڑوں میں جا چھپے تھے اور طرح طرح کی کرامتیں ظاہر ہوئی تھیں جس کی روایتیں معتبر موجود ہیں۔ اگر کھڑا ہو جاوے تو کیسا ہے اور بایں خیال کہ ذرا سے حاکم کو دیکھ کر سب آدمی کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہفتہ میں دو مرتبہ حضرت کو خبر پہنچتی ہے کہ فلاں امتی نے ایسا کیا۔ آپ کو حیات النبی جان کر تعظیم کرنا پیدائش کے ذکر پر جائز ہے یا نہیں؟ اور سنا ہے کہ آپ کے پیر صاحب حاجی امداد اللہ صاحب بھی مولود سنتے ہیں جواب تفصیل سے فرمایئے۔

﴿جواب﴾:

مجلس مولود کا ذکر براہین قاطعہ میں دیکھو اور حجت قول وفعل مشائخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول وفعل شارع علیہ السلام سے اور اقوال مجتہدین رحمھم اللہ سے ہوتی ہے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں جب ان کے سلطان پیر نظام الدین قدس سرہٗ کے فعل کی حجت کوئی لاتا کہ وہ ایسا کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے تو فرماتے کہ فعل مشائخ حجۃ نباشد۔ اور اس جواب کو حضرت سلطان الاولیاء بھی پسند فرماتے تھے لہذا جناب حاجی صاحب سلمہ اللہ کا ذکر کرنا سوالات شرعیہ میں بیجا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



مجلس میلاد کو جائز جاننا

﴿سوال﴾:

جو شخص مجالس غیر مشروعہ میں شریک ہووے اور مال خرچ کرے اور اس کو مستحسن اور حلال جانے کہ جن کی حرمت نص صریحہ سے ثابت ہے مثل ناچ و مزامیر و مجالس عرس و روشنی وغیرہ منکرات کثیرہ تو ایسا شخص فاسق ہوگا یا کافر؟ کیونکہ افعال ممنوعہ حرام کو حلال جانتا ہے۔

﴿جواب﴾:

ایسا شخص فاسق ہے کافر کہنے سے زبان بند رکھنا چاہیے اور فعل مسلم کی تاویل کرکے اسلام سے خارج نہ کرے جہاں تک ہوسکے۔ **ولانکفر احدا من اهل القبلة** ائمہ مجتہدین فرما گئے ہیں (۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



رسالہ مأتہ مسائل سے میلاد شریف کی اباحت

﴿سوال﴾:

اس عبارت مأتہ مسائل سے انعقاد مجلس مولود کا اثبات کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ وقیاس عرس بر مولود غیر صحیح ست۔ زیرا کہ در مولود ذکر ولادت خیر البشر ست وآن موجب فرحت وسرور ست ودر شرع اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از منکرات وبدعات باشد آمدہ الخ۔

﴿جواب﴾:

اس عبارت سے نفس ذکر ولادت کی اباحت وسرور کا جواز معلوم ہوتا ہے نفس ذکر ولادت مندوب ہے (۱۱) اس میں کراہت قیود کے سبب آئی ہے۔ خلاف عرس مروج کے

---

(۱۰): (شرح فقه الاكبر للملا علی القاریؒ، مسئلة استحلال المعصية ولو صغيرة كفر، ص: ۱۴۱، ط، دار الكتب العربية الكبرى، مصر)

(۱۱): قال العلامة الفقيه عزيز الرحمٰن العثماني رحمه الله تعالىٰ: والاحتفال

کہ وہ قیود کا ہی نام ہے اگر اس وقت میں مجلس مولود ایسے حال پر ہوتی جیسے اب ہوتی ہے تو آپ مثل عرس کے اس کو بھی حرام لکھتے۔اس وقت میں یہ مجلس نہیں ہوتی تھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔معہذا وہ خود بدعت لکھتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



مجلس میلاد میں حضور کا تشریف لانا

﴿سوال﴾:

زید دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت ﷺ مجلس مولود شریف میں تشریف لے گئے اور آپ نے اجازت دی۔اور آپ کے زمانہ میں یہ مجلس ہوئی۔اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے دودھ اور چھوارے پر فاتحہ اپنے فرزند ابراہیم کی دی اور عمرو کہتا ہے کہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔کسی کتاب حدیث اور فقہ معتبر سے ثابت نہیں۔اللہ کی لعنت ہے جھوٹوں پر اگر یہ بات ثابت ہو جاوے تو میں اپنے کہنے اور اعتقاد سے توبہ کرونگا۔اور زید بھی یہی کہتا ہے کہ اگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو میں اپنے عقیدہ اور قول سے توبہ کرونگا اس واسطے علمائے دین سے سوال ہے کہ جو کچھ حق ہو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر کتب معتبرہ سے اس کا جواب لکھیں۔

﴿جواب﴾:

زید جھوٹا ہے اور یہ بات کسی معتبر کتاب میں نہیں لکھی زید کو چاہیے کہ ایسی بات سے توبہ کرے اور اگر کسی عالم بے دین سے ایسی بات سنی ہو تو اس کی صحبت میں نہ بیٹھے اور دوسری بات جو زید نے کہی وہ بھی جھوٹ ہے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افتراء مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے بے دین کو سمجھا دیں اور اگر پھر بھی توبہ نہ کرے تو اس کی ملاقات سے پرہیز

بذكر الولادة الشريفة ان كان خاليا من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر اذكاره ﷺ. (امداد الفتاوی، کتاب العقائد والکلام، ج:٦، ص: ٣١٢، ط، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

کریں اور کسی کتاب سے کہ قابل اعتبار ہو یہ بات ثابت نہیں اور عمرو دونوں مسئلوں میں سچا ہے۔اوراس کی بات بھی ٹھیک ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین حفیظ اللہ بس حسبنا اللہ خواجہ فقیر ضیاء الدین منصور ہست از احمد قول المجیب حق احق بالاتباع فقیر محمد حسن، سید امیر حسین ۱۲۸۴ سید امیر احمد نقوی ۱۲۸۳

جواب صحیح ست ومہر این وقت دیگر جابودہ لہٰذا بردستخط اکتفا نمودہ شد الراقم محمد اسد علی۔

الجواب صحیح الراقم عنایت علی الجواب صحیح احمد علی عفی عنہ محدث سہارنپوری شاگرد مولانا محمد اسحٰق صاحب

مسعود محمد ذلک کذلک الجواب الجواب اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب۔

امام مسجد فتحپوری عبدالباری عفی عنہ محمد تراب علی من غلب ہواہ عقلہ افتضح ملا سیف اللہ ولایتی

من اجاب اجاد الجواب صحیح

محمد اسحٰق محمد عبداللہ سید سبط احمد حافظ عبداللہ محمد یوسف حنیدی محمد اکبر

الجواب صحیح بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔رشید احمد ۱۳۰۱۔



مجلس میلاد کا حکم

سوال:

مجلس مولود خوانی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بایں ہیئت کہ روشنی ہائے کثیرہ زائد از حاجت وامردان خوش الحان وراگ خوانندہ اشعار وغیرہ وغیرہ قیودات بالخصوص قیام اسی ذکر مولد اوراسی محفل میں ثابت اور جائز ہے یانہیں اور شریک ہونا مفتیان کا ایسی مجالس میں جائز ہے یانہیں ونیز عیدین وپنج شنبہ وغیرہ میں آب وطعام سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر

ایصال ثواب موتی کرنا ثابت وجائز ہے یانہیں ونیز خاص بروز سویم میت کے جمع ہوکر بالخصوص کلمہ طیبہ وختم قرآن مجید مع پنج آیت چنے وغیرہ تقسیم کرنا ثابت وجائز ہے یانہیں ونیز دہم وبستم وچہلم وغیرہ کا کرنا ثابت وجائز ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

مجلس مروجہ مولود کہ جس کو سائل نے لکھا ہے بدعت ومکروہ ہے(۱۲) اگرچہ نفس ذکر ولادت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی کہ قاعدہ فقہ کا ہے کہ مرکب حلال وحرام سے حرام ہوجاتا ہے پس اس ہیئت مجموعہ مجلس مولود میں بکثرت وزائد از حد ضرورت چراغ جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے کہ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین الآیۃ(۱۳). حکم ناطق قرآن شریف کا ہے علی ہذا مردان خوش الحان کا نظم۔اشعار پڑھنا موجب ہیجان فتنہ کا ہے اور کراہیت سے خالی نہیں اور قیام بالخصوص اس ہی ذکر اور اسی محفل میں ہونا بدعت ہے پس حضور ایسی محفل کا بسبب ان امور بدعت ومکروہ تحریمہ کے مکروہ تحریمہ اور بدعت ہوگا۔خواہ عالم لوگ جاویں یا مفتی

---

(۱۲):فی الفیض: واعلم أن القیام عند ذکر میلاد النبی ﷺ بدعة لا أصل له فی الشرع وأحدثه ملک الاربل کما فی تاریخ ابن خلکان: أنه کان یعقد له مجالس، ویصرف علیها أموالا. وقد ألف ابن دحیة المغربی کتاباً فی المیلاد. (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال، ج: ۲، ص: ۴۰۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی معارف السنن: قال الشیخ: وله کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" أثبت فیه طریقة محفل المیلاد الرائج الیوم فی البلاد، ولم یکن یلیق بالمحدث أن یؤلف فی مثل هذه البدعة، وانما أحدثها صوفی فی عهد الملک "اربل" سنة ستمائة ولم یکن له أصل فی الدین.(معارف السنن شرح جامع الترمذی، ج:۴،ص: ۴۳۷،ط، ایجو کیشنل بریس کراتشی)

(۱۳):(سورة بنیٓ اسرآءیل: ۲۷)

جاوے بلکہ مفتی کو زیادہ موجب فساد کا ہے کہ وہ عالم ہے اور ایسے فعل سے گمراہ کنندہ خلق کثیر کا ہوتا ہے اور فاتحہ میں ہاتھ اٹھا کر پڑھنا طعام وشراب روبرو رکھ کر مشابہت فعل ہنود سے ہے اور یہ امر شرع میں ایصال ثواب کے واسطے کہیں ثابت نہیں اور من تشبہ بقوم فھو منھم الحدیث (۱۴). حکم ناطق حرمت مشابہت کا ہے لہٰذا یہ صنع بھی حرام ہوگا اور سوئم ودہم وچہلم جملہ رسوم ہنود کی ہیں اس تخصیص ایام میں مشابہت بھی ہوئی اور تخصیص ایام کی بدعت بھی ہے یہ سب بسبب ان تخصیصات کے بدعت ومکروہ تحریمہ ہیں (۱۵)۔ اگرچہ اصل ایصال ثواب بدوں کسی تخصیص ومشابہت کے درست ہے (۱۶) اور تفصیل ان جملہ

---

(۱۴):(اخرجه أبو داؤد في سننه في كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ص: ۵۶۹، رقم: ۴۰۳۱، ط، دار السلام، رياض)

(۱۵):في البزازية: ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث. وبعد الأسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الاخلاص.(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة،مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ج:۳، ص: ۱۴۸،ط، دار عالم الكتب، رياض)

قال ابن نجيم: ولأن ذكر الله تعالىٰ اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت أو بشيء دون شيء لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لأنه خلاف المشروع. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ج: ۲،ص: ۲۷۹،ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة، والتزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام، ج: ۱، ص: ۴۶، ط، مكتبة التوحيد)

(۱۶):في مراقي الفلاح: فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراء ة للقرآن أو الأذكار أو

مسائل کی بسط کیساتھ براہین قاطعہ میں ہے اس میں ملاحظہ کرلیویں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب حق وماذا بعد الحق الا الضلال. احقر محمد حسن غفرلہ مدرس مدرسۃ الغرباء بادشاہی مسجد مرادآباد۔

ذلک حق حقیق بالاتباع. احقر الزمن محمود حسن غفرلہ مدرس مدرسۃ الغرباء مراد آباد۔

الجواب صحیح۔خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔

قد صح الجواب۔محمد حسن عفی عنہ مرادآبادی۔الجواب صحیح۔عبدالصمد عفی عنہ۔

المجیب المصیب۔محمد عبداللہ عفی عنہ۔الجواب حق۔عبدالحق عفی عنہ۔

الحمدللہ کہ حضرت مجیب لبیب دامت فیوضہم نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے بلاشک صحیح ہے۔کسی کو جائے مقال نہیں کیونکہ وہ مخدوم العلماء اور راسخ فی العلم ہیں۔البتہ بوجہ مزید اطمینان عوام چند عبارات کتب محققین سے تائیداً نقل کرتا ہوں۔ فی الواقع نفس ذکر ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منکر نہیں ہوسکتا بلکہ وہ مندوب اور مستحسن ہے مگر بوجہ الحاق امور نامشروعہ جیسا کہ مروجہ زمانہ حال ہے۔بدعت وحرام ہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیجئے۔مگر جیسا کہ قرون ثلثہ میں تھا کہ نہ مجلس مولود منعقد ہوئی تھی نہ ذکر ولادت پر قیام ہوتا تھا۔ہم سب مامور کئے گئے ہیں اتباع سلف صالحین پر نہ کہ اتباع خلف پر امام علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بڑے اکابرین ومستندین سے ہیں مدخل میں فرماتے

غير ذلك من انواع البر ويصل الى الميت.

وقال الشيخ احمد الطحطاوى رحمه الله تعالىٰ تحته: (فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة) سواء كان المجعول له حياً، أو ميتاً من غير أن ينقص من أجره شيء.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

ہیں (۱۷)۔ومن جملة ما احدثوه من البدع من اعتقادهم ان ذٰلک من اکبر العبادات واظهار الشعائر ما یفعلونه فی شهر الربیع الاول من المولد وقد احتوی ذٰلک علی بدع ومحرمات الیٰ ان قال وهذه المفاسد مترتبة علی فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلا منه وعمل طعام فقط ونوی به المولد ودعی علیه الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکره فهو بدعة بنفس نیة فقط لان ذلک زیادة فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولی ولم ینقل من احد منهم انه نوی المولد ونحن نتبع السلف فیسعنا ماوسعهم انتهٰی اورمولانا عبدالرحمٰن المغربی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں ان عمل المولد بدعة لم یقل به ولم یفعله رسول اللّٰه ﷺ والخلفاء والائمة انتهٰی اور کذا فی الشرعة الالهیة. اورمولانا نصیر الدین الاودی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بجواب سائل لایفعل لانه لم ینقل عن السلف الصالح وانما حدث بعد القرون الثلثة فی الزمان الطالح ونحن لانتبع الخلف فی ما اهمل السلف لانه یکفی بهم الاتباع فای حاجة الی الابتداع انتهٰی. اورشیخ الحنابلہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان ما یعمل بعض الامراء فی کل سنة احتفالاً لمولده ﷺ فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة احدثهٗ من یتبع هواه ولایعلم ما امره ﷺ صاحب الشریعة ونهاه انتهیٰ کذا فی القول المعتمد. اورقاضی شہاب الدین دولت آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ تحفۃ القضاۃ میں فرماتے ہیں (سئل القاضی عن مجلس المولد الشریف) قال لاینعقد لانه محدث وکل محدث ضلالة وکل ضلالة فی النار ومایفعلون من الجهال علی راس کل حول فی شهر ربیع

(۱۷):(المدخل لابن الحاج، فصل فی المولد، ج: ۲، ص: ۲، ط، مکتبة دار التراث، القاهرة)

الاول لیس بشیء ویقومون عند ذکر مولدہ ﷺ ویزعمون ان روحہ ﷺ یجئی وحاضر فزعمهم باطل بل هذا الاعتقاد شرک وقد منع الائمة عن مثل هذا انتهٰی. اورصاحب سیرت شامی فرماتے ہیں جرت عادة کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ ﷺ ان یقوموا تعظیما له ﷺ وهذا القیام بدعة لا اصل لہ. اورمولانا فضل اللہ جونپوری رحمۃ اللہ علیہ بہجۃ العشاق میں فرماتے ہیں مایفعل العوام فی القیام عند ذکر وضع خیر الانام علیه التحیة والسلام لیس بشیء بل هو مکروہ اورقاضی نصیرالدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ طریقۃ السلف میں فرماتے ہیں۔ وقد احدث بعض جهال المشائخ امورا کثیرة لانجد لها اثر اولا رسما فی کتاب ولافی سنة منها القیام عند ذکر ولادة سید الانام علی التحیة والسلام. اورحضرت محبوب سبحانی قطب ربانی سیداحمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں فرماتے ہیں بنظر انصاف بہ بنید اگرحضرت ایشان فرضاً درین زمان موجودہ بودندودردنیا زندہ می بودندواین مجالس واجتماع کہ معقد می شد آیابا این می شدندواین اجتماع رامی پسندیدند یانہ یقین فقیرآنست کہ ہرگز این معنی راتجویزنمی فرمودہ بلکہ انکارے نمودند مقصود فقیر اعلام بودقبول کنند یا نکنند ہیچ مضائقہ نیست وگنجائش مشاجرہ نہ اگرمخدوم زادہاویاران آنجابرہمان وضع مستقیم باشند نافقیران راازصحبت ایشان غیر ازحرمان چارہ نیست انتہی زیادہ چہ تصدیعہ دہدوالسلام۔اورشرکت جملہ مجالس غیرمشروعہ کی نہ عام لوگوں کودرست ہے نہ مفتیوں کوقال اللّٰہ تعالٰی وقد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللّٰہ یکفربها ویستهزاء بها فلاتقعدوا معهم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلهم الخ (۱۸). امام محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ معالم التنزیل میں آیت مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں وقال الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنه دخل فی هذه الآیة محدث فی الدین وکل مبتدع الی

(۱۸):(سورة النساء: ۱۴۰)

یوم القیمة (١٩). اور اسی تفسیر کو قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں کہ ایسا ہی ایصال ثواب بہتر مگر رسوم غیر جائز و بدعت کو ان کے ساتھ شریک کر لینا اور ثواب کو کھو دینا اور گناہ کا مرتکب ہونا ہے۔قرون ثلثہ میں ایصال ثواب بھی کیا جاتا تھا مگر نہ کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھی جاتی تھی نہ رسوم سوئم دوہم بستم چہلم کی کچھ تعین تھی۔ ایصال ثواب الی الاموات کیجئے مگر بلا قید جیسا کہ بزرگان سلف کا طریقہ تھا نہ طریق اختراع وابتداع خلف فتاویٰ سمرقندیہ میں مرقوم ہے قراء ۃ الفاتحة والاخلاص والکافرون علی الطعام بدعة اورکبیری شرح منیہ المصلی میں ہے واتخاذ الطعام عند قراء ۃ القرآن یکرہ (٢٠). اورنصاب الاحتساب میں ہے ان معرفا یقوم فی صف النعال ویقرأ بعد الختم اٰیة من الاخلاص ثلثا ومن الفاتحة مرة وهو قائم والناس قعود انه بدعة ولم ینقل هذا الصنع من السلف. اورسنن ابن ماجۃ میں حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ فرمایا کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة (٢١) چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔ واتخاذ الضیافة من اهل المیت وهی بدعة مستقبحة لما روی ابن ماجة والامام احمد باسناده صحیح (٢٢). اورملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں قال الطیبی من اصر علی امر مندوب وجعل عزما ولم

(١٩):(تفسیر معالم التنزیل، ج: ٢، ص: ١٣٠١، ط، دار طیبة، ریاض)

(٢٠):(حلبی کبیر، قبیل فصل فی احکام المسجد، ص: ٦٠٩)

(٢١): (اخرجه ابن ماجه فی سننه، فی کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النهی عن الاجتماع الی أهل المیت وصنعة الطعام، ص: ١١٦، ط، قدیمی کتب خانه کراچی)

(٢٢):(فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل فی الدفن، ج:٢،ص: ١٥١،ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فیکف من اصر علی بدعة اومنکر هذا محل تذکر الدین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونه ارجح من الحضور للجماعة ونحوه (۲۳)اورفتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے یکره اتخاذ اطعام الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع نقل الطعام القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقراءة سورة الانعام والاخلاص انتھیٰ (۲۴). اورشرح منہاج امام نووی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة. اورحضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ شرح سفرالسعادت ومدارج میں فرماتے ہیں این اجتماع مخصوص بروزسوم وارتکاب تکلفات دیگروصرف اموال بے وصیت ازحق یتامیٰ بدعت است وحرام انتہیٰ ۔اورحضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وصیت نامہ میں فرماتے ہیں دیگرازعادات شنیعہ مامردم اسراف است درماتمہاوچہلم وفاتحہ سالیانہ این ہمہ رادرعرب اول وجودنبود مصلحت آنست کہ غیرتعزیت وارثان میت تاسہ روز وطعام ایشان یک شبانہ روزرسمے بناشدانتہیٰ ۔حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ بھی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں وبعدمردن من رسوم دینوی مثل دہم بستم وچہلم وششماہی وفاتحہ سالیانہ ہیچ نکنندانتہیٰ اللّٰهم ارنا الحق حقا والباطل باطلا فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم

---

(۲۳):(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الاول، ج:۳،ص: ۲۶، رقم: ۹۴۶،ط، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان)

(۲۴): (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة قبیل الفصل السادس والعشرون فی حکم المسجد، ج: ۴،ص: ۸۱)

بالصواب وعندہ علم الحق والکتاب. الجواب صحیح ابوسعید محمد حسین۔
ھوالصحیح لقد اصاب المجیب اللبیب جواب نہایت صحیح اور درست ہے ابوسعید محمد حسین۔

بندہ حبیب	مولوی احمد شاہ	حررہ دین محمد	محدث بٹالوی
عفی عنہ	حسن پوری	عفااللہ عنہ	

اصاب من اجاب، الجواب صحیح عبدہ المسکین وہاج الدین غفرلہ ہذا الجواب صحیح عبدہ الجمیل

ابوالخیر سعدالدین غفرلہ　　　　محمد عبدالجمیل۔

صح الجواب واقعی مولود رسمی اور فاتحہ سوم دہم چہلم مروجہ بدعت ہے اورنا جائز ہے حررہ خلیل احمد عفااللہ عنہ۔

کلہا صحیح بندہ محمود عفی عنہ۔ الجواب صحیح خاکسار محمد صدیق مرادآبادی۔ خلیل احمد انبیٹھوی۔

محمود حسن ۱۳۰۳ دیوبندی محی الدین خان احمد ۱۲۶۰۔ محی الدین عفی عنہ مرادآبادی۔

الجواب صحیح عبدالرحمٰن کان اللہ لہ عبدالرحمٰن بن عنایت اللہ۔

لقد سعی المجیب اللبیب سعیاً موفوراً وکان سعیہ سعیاً مشکوراً محمد حسین مرادآبادی ۱۳۰۵۔

فی الحقیقت محفل میلاد شریف جو خالی منہیات وبدعات شرح سے ہووے تو ادب ومستحب ہے ورنہ حرام وممنوع ہے اور طریقہ ایصال ثواب مندرجہ سوال بدعت ہے۔ مولانا محمد عالم علی۔

کما حررہ المجیب المصیب فقط محمد قاسم علی عفی عنہ مفتی شہر مرادآباد محمد قاسم علی خلف۔

المجیب مصیب احمد حسن دیوبندی۔ الجواب صحیح بندہ ہیچمدان محمد حشمت علی عفی عنہ۔

محمد حشمت علی خان مرادآبادی۔

احمد حسن صاحب امروہی ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ

فانتھوا.

المجیب مصیب محمد حسن عفی عنہ۔ محمد حسن مراد آبادی ۱۲۸۰ھ ھوالصحیح عبدالحق مولانا مولوی اسمہ احمد ۱۲۹۷ھ۔

اصاب من اجاب الجواب حق الحق احق بالاتباع۔

سید محمد عبدالرشید عفی عنہ عبدالحکیم عفی عنہ۔

الجواب صحیح المجیب شاب والجواب صواب لقد صح الجواب اصاب من اجاب۔

حسینی شریف عفی عنہ بنگلوری عاصی محمد عبدالحق مراد آبادی احقر بشیر احمد عفی عنہ محمد جان علی محدث مقیم مراد آباد

مدراسی درباغ قاضی صاحب

اگر ذکر میلاد جناب سرور کائنات بطور وعظ متضمن روایات صحیحہ خالی بدعات سے ہوتو مستحسن ہے اور بالفعل رسمی مولد میں کہ بیشتر امور خلاف سنت واشعار خلاف ادب بلکہ کفر والحاد تک مذکور ہوتے ہیں قابل حذر وزجر ہیں اور فاتحہ غیر مسنون جو بطرز مسنون التزاماً واجتماع مردم وطعام میت جو رسمی طور پر تقسیم ہوا کرتا ہے خالی کراہت وبدعت سے نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب نقمہ المذنب الاواہ محمد لطف اللہ عفی مفتی ریاست رامپور بے شک مجیب نے نہایت درست تحریر کیا ہے فماذا بعد الحق الا الضلال فقط براہ محمد رضائے خدا۔

محمد رضا خان ۱۲۵۸ ولد محمد عمر خان الحق یوخذ بالنواجذ کتبہ العبد المتمسک باللہ محمد سلیم محمد سلیم اللہ ۱۲۹۲ الجواب صحیح عبدالقادر خادم شریعت رسول اللہ مفتی محمد لطف اللہ ۱۲۵۸۔

الحق احق بالاتباع حررہ عبدالخیف محمد علی رضا مدرس مدرسہ اسلامیہ رامپور۔ ابوالخیر محمد رضا ۱۳۰۴ علی۔

جواب الجواب اصح اور حق یہی ہے اور ماعدا اس کا باطل ہے عبدالوہاب خاں عفی عنہ۔

بلا ریب محفل میلاد کہ جو فی زماننا ہذا معمول بہ ہے وہ محض خلاف شرع اور منہی عنہ

ہے اور ایصال ثواب بلا تقیید تعین اوقات کے موتی کی نسبت ثابت ہے اور ہیئت کذائی فاتحہ مذکورہ اور سوئم و دہم و بستم و چہلم و برسی وغیرہ سارے کے سارے افعال کو جو مسلمانوں نے ہنود و دیگر مذہب والوں سے اخذ کئے ہیں۔ شرعاً ناروا و ناجائز ہیں۔ چنانچہ فقیر نے اپنے بعض بعض رسائل مطبوعہ سابق میں بھی بطور بسط اس کو لکھا ہے۔ فقط اور سب جواب مجیب کے صحیح ہیں واللہ اعلم وعلمہ احکم واتم مسکین محمد اسماعیل بیگ غفرلہ مدرس عربی مدرسہ امدادیہ المرقوم ۱۸ شہر ذی قعدہ ۱۳۰۷ھ قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب۔ محمد دائم علی عفی عنہ صانہ محمد اسماعیل الخلیل مرادآبادی ۱۲۹۶۔

واقعی نفس میلاد بطریق وعظ کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مندوب مگر بہیئت مروج خالی از حرمت و بدعت نہیں۔ اور ایصال ثواب اس طریقہ پر بدعت فقط حررہ محمد عبد الغنی عفی عنہ سہنسپوری بلا ریب طریقہ ایصال ثواب مندرجہ سوال زمانہ خیر القرون میں نہ پایا جاتا ہے اور ایسے ہی محفل میلاد شریف بھی۔

الجواب صحیح محمد ہدایت العلی عفی عنہ محمد ہدایت العلی لکھنوی مقیم مرادآباد۔

بلاشک یہ طریقہ ایصال ثواب اور یہ محفل میلاد بہیئت کذائی عند اہل الشرعیہ بدلائل مذکورہ بالا و نیز بادلۃ کثیرہ مما سواہا نامشروع و بدعت ہے کذا فی الکتاب الشرعیہ فقط۔ محمد زکریا عفی عنہ ۱۳۰۹ مظفر پوری۔

الجواب صحیح سید محمد حسن بغدادی۔

ہر دو جواب مرقومہ بالا شک صحیح ہستند محفل میلاد بہیئت کذائی بدعت است و فاتحہ رسمی و سویم و دہم و چہلم جملہ از رسوم ہنود ہستند واللہ اعلم کتبہ عبد ربہ القوی محمد نعمت اللہ البردوانی انگلسنوی الجواب صحیح ابو الفضل محمد نصیر الدین عفی عنہ۔ ابو الفضل محمد نصیر الدین ۱۳۰۶۔

جوابات صحیح اور حق ہیں۔ عنایت الٰہی عفا اللہ عنہ سہارنپوری عبد المنان محمد عبد الرحمٰن ۱۳۰۱ سراج گنجی ثم شاہ بازپوری۔

جوابات صحیح ہیں اس لئے امور مذکورہ سوال حق متلقی عن الرسول کے خلاف ہیں جو

اموراس کے خلاف ہیں وہ بدعت ہیں۔ سخاوت علی عفی عنہ مدرسہ اسلامیہ انبیٹھ سخاوت علی۔

صح الجواب من غیر شک ولا ارتیاب فاعتبر وایا ولی الالباب فقیر محمد حسین الدہلوی۔

الجواب صحیح ہر چیزے کہ از عبادات باشد وثبوتش من خیر القرون نباشد آن بلا ریب بدعت است وتجاوز از حدود شرعیہ ہست۔

المسکین خادم العلماء خلیل ڈہوڈیالوی ثم انبالوی۔ مولوی خلیل اللہ واعظ۔

امور مندرجہ سوال محض محظور اور ممنوع ہیں۔ حاضر ہونا ایسے مواضع میں کام مبتدعین اور ناخدا ترسوں کا ہے نفس محفل کو مندوب اور مستحب سمجھنا کام ناواقف کا ہے۔ قواعد اصول اور تصریحات علمائے فحول سے ذکر جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا البتہ مندوبات شرعیہ سے ہے محفل اور جملہ تقیدات بلاشبہ بدعت ومکروہ ہیں واللہ اعلم بالصواب کتبہ العبد المعتصم سراج احمد عفا اللہ عنہ۔

من اجاب فقد اصاب الجواب صحیح الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔

جمیل احمد اسرائیلی سنبھلی العبد محمد حسین محمد حسین تمنا جان ۱۲۸۲۔ توکل علی العزیز الرحمٰن دیوبندی

المجیب مصیب انعقاد جلسہ محافل مولود مروجہ جلسہ فاسقانہ ہے۔ فاعل عامل کل بدعۃ ضلالۃ مرتکب حدیث بدعت ہیں۔ خادم العلماء بل من تراب اقدامہم محمد اللہ یار عفی عنہ واعظ بریلوی۔

الجواب صحیح العبد فتح محمد تھانوی الجواب حق بلا ارتیاب محمد سعد الدین الکشمیری عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح بندہ محمد امین الدین عفی عنہ اورنگ آبادی۔ لاشک فیہ محمد امین ست ۱۳۰۳۔

الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند محمد منفعت علی ۱۳۰۲۔

الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ امید رضا عفی عنہ امیر رضا ۱۳۱۰۔الجواب صحیح محمد اسحٰق امرتسری۔

التزام مالا یلزم ان سب امور میں موجود ہے اور یہ التزام عبادات ہوں یا عادات ہوں اس امر میں یہ حصہ شیطانی ہے۔حسب حدیث انصراف کے نماز سے جوکہ یہ سب امر خیر القرون میں نہیں تھے تو ان کا عدم خیر القرون میں واسطے ممانعت کے کافی ہے مجوز کرنا چاہئے کہ کوئی حدیث یا آیت دلیل جواز کی پیش کرے عدم قدیم ہمارے واسطے دلیل کافی ہے اور ذکر خیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح موجب خیر و برکت کا ہے امور ممنوعہ اس کے ساتھ مل کے اس کو بھی اپنے جیسا کر لیتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب العبد محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ بقلم عبدالسلام بن انصاری ۲۴۔ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ از پانی پت۔محمد عبدالرحمٰن شاگرد مولانا اسحٰق صاحب۔

یہ سب امور بدعات سیئہ سے ہیں ان امورات کا التزام نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ خلفائے راشدین سے ہے۔قرآن کی مجلسوں میں تو کوئی حاضر ہوتا نہیں ہے جیسے مولود خوش الحانوں کے پڑھنے پڑھانے میں عوام کالانعام جمع ہوتے ہیں اور سوم ودہم وغیرہ کل بدعات ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب صح الجواب سید مصطفیٰ ابن محمد مفتی مدنیہ خاص الجواب صحیح الحق احق ان یتبع العبد المسکین راجی رحمۃ اللہ العالمین۔بخشندہ ست عاصیان رحیم۔

قول صحیح من غیر شک وشبہۃ ومن شک فیہ فقد کفر،محمد عبدالجبار عفی عنہ،محمد یٰسین راجی رحمۃ ارحم الرحمین شیر کوٹی۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح مدرس مدرسہ رڑکی محمد یٰسین عفی عنہ۔

الجواب صحیح کتبہ عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی الحق لا یتجاوز عما فی ہذا الجواب

وانا ابوعبیداللہ احمد اللہ عفا اللہ محدث امرتسری کتبہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی

ہذا الجواب صحیح عبدالرحمٰن ابن مولوی غلام العلیٰ المرحوم اشاعۃ القرآن۔

الجواب صحیح ابوالحق محمد الدین عفی عنہ احمد بن عبداللہ الغزنوی۔

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ جواب صحیح اور بالکل صحیح ہے محمد عبدالرحمٰن البہاری، ابواسحٰق محمد الدین۔

ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ خادم مدرسہ تائید الاسلام امرتسری ثناء اللہ محمود ہے۔

مولودخوانی مطلقاً وغیرہ رسوم عادات جہلا موت فوت میں جو اوپر مذکور ہوئے سب بدعت وضلالت اور صریح گمراہی ہیں کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار وماذا بعد الحق الا الضلال ومن لم یقبل فلیباھلنی.

اللّٰھم ارنا الحق حقا والباطل باطلا. عبدالحق الغزنوی مباہل اہل باطل۔

الجواب حق وماذا بعد الحق الا الضلال ابویعلی عبدالاعلی غزنوی۔

للہ من اجاب احقر الدھور بندہ عبدالغفور۔ عبدالغفور سنوھاری، الجواب صحیح محمد عبدالعزیز۔

ذکر ولادت اور ایصال ثواب میت کو جائز اور مستحب ہے لیکن جس طرح جہلاء زمانہ نے قیام وغیرہ متفرق قیدیں نکالی ہیں۔ وہ بدعت سیئہ ہیں اور اصرار کرنا بدعت کبیرہ ہے اور بعض وقت نوبت کفر تک پہنچتی ہے۔ حکیم محمد ضیاء الدین عفی عنہ بقلم بندہ احمد۔ حکیم محمد ضیاء الدین خلیفہ حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ۔



بدون قیام کے مجلس میلاد کا انعقاد

﴿سوال﴾:

انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے(۲۵) تداعی امر مندوب کے واسطے منع

(۲۵):لا أعلم لھذا المولد أصلاً فی کتاب ولاسنۃ ولاینقل عملہ عن أحد من

ہے(۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



مجلس میلاد وعرس وسوم وچہلم

﴿سوال﴾:

سوئم چہلم وغیرہ کی مجلس بتخصیص دن کے منع ہے یا بالکل ہی نہ کرنا چاہیے اور اس مجلس میں جانا چاہئے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

مجالس مروجہ زمانہ ہٰذا میلاد وعرس وسوئم وچہلم بالکل ہی ترک کرنا چاہیے کہ اکثر معاصی اور بدعات سے خالی نہیں ہوتی (۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



العلماء الأئمة الذين هم القدوة فى الدين المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة أحدثها البطالون شهوة نفس اعتنى بها الأكلون. (الجنة لأهل السنةدهلى ١٠٢، بحواله كتاب النوازل، ج: ١، ص: ٥٥٤، ط، المركز العلمى لال باغ مراد آباد، هند)

(٢٦): من اصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الاول، ج: ٣، ص: ٢٦، رقم: ٩٤٦، ط، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان)

(٢٧): لايجوز مايفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد عليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرساً. (تفسير مظهرى، سورة آل عمران تحت آيت: ٦٤، ج: ٢، ص: ٦٥، ط، ندوة المصنفين)

مجلس میلاد کا کرنا

سوال:

زید نے بکر سے دریافت کیا کہ مجلس میلاد مروجہ حال جائز ہے یا نہیں اور اس میں شریک ہونا کیسا ہے بکر خود بھی مجلس میلاد کرتا تھا اور آئندہ سال کو ارادہ بکر کا بھی ترک مجلس کا تھا۔ بخیال اس کے کہ خرچ زائد ہوتا تھا اور اپنے اعتقاد میں ناجائز جانتا تھا مگر منع کرنا مجلس کا بوجہ اس کے تھا کہ اس وجہ سے کوئی مجھ کو طعنہ نہ دیوے گا جبکہ میں اس مجلس کو نہ کروں گا بہانہ شرع کا ہو جاوے گا اور خود نہ شریک ہونا مجلس کا اس وجہ سے ترک کیا کہ لوگ معترض ہوں گے اول تو ان خیالات سے مانع ہوا بعدہ بہ نیت خالصاً للہ مانع ہوا لہٰذا اس سبب سے بکر کو ترک بدعت سابق وحال وانکار بدعت سے ثواب ہوگا یا نہیں اور باعث ریا تو نہیں ہے۔

جواب:

بہر حال گناہ سے محفوظ رہا جب سے قصد ترک کیا بہتر ہوا کہ بعزم ترک گناہ کا ہوا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



محفل میلاد جس میں صحیح روایات پڑھی جائیں

سوال:

محفل میلاد جس میں روایات صحیحہ پڑھی جاویں اور لاف وگزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب:

ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔



فتویٰ مولوی احمد رضا خان صاحب درباب میلاد شریف

فتویٰ:۔ درباب عدم جواز مجلس مولود مروجہ از مجموعہ فتاویٰ قلمی مولوی احمد رضا خان صاحب منقولہ از باب الحظر صفحہ ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، موصولہ از مولوی عبدالصمد صاحب رامپوری۔

﴿استفتاء﴾:

اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد حضور خیر العباد علیہ الوف تحیۃ الی یوم التناد میں جو شخص کہ مخالف شرع مطہر مثلاً تارک صلوٰۃ شارب خمر ہو ڈاڑھی کترواتا ہو یا منڈواتا ہو موچھیں بڑھاتا ہو بے وضو بے ادبی گستاخی سے بروایات موضوعہ تنہا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر مولود پڑھتا یا پڑھاتا ہو اگر کوئی مسئلہ بتائے تنبیہ کرے تو استہزاء ومزاح کرے بلکہ اپنے مقتدیوں کو حکم کرے کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں کیونکہ جیسے رخسار صاف صاف ہوتے ہیں ایسے ہی ان کے دل مثل آئینہ کے صاف وشفاف ہیں ایسے شخص سے مولود شریف پڑھوانا یا اس کو پڑھنا یا ممبر ومسند پر تعظیماً بیٹھنا ہٹھانا بانی مجلس وحاضرین وسامعین کا ایسے اشخاص کو بوجہ خوش آوازی کے چوکی پر مولود پڑھنے بٹھانا جائز ہے یا نہیں اور ایسے آدمی سے رب العزت جل مجدہ اور روح حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش ہوتی ہے یا ناخوش اور پروردگار عالم ایسی مجالس سے خوش ہو کر رحمت نازل فرماتا ہے یا غضب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان محافل میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں بانیین اور حاضرین محافل کے مستحق رحمت ہیں یا غضب؟ بینوا من الکتاب تو جروا عبد رب الارباب۔

﴿جواب﴾:

افعال مذکورہ سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق وفاجر مستحق عذاب نیران و غضب رحمٰن اور دنیا میں مستوجب ہزاران ذلت وہوان خوش آوازی خواہ کسی علت نفسانی کے باعث اسے مجرد مسند پر کہ حقیقۃً مسند حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے تعظیماً بٹھانا

اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے تبیین الحقائق (۲۸) وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی مراقی الفلاح (۲۹) وغیرہ میں ہے **فی تقدیم الفاسق تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعاً.**

روایت موضوعہ پڑھنا بھی حرام سننا بھی حرام ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کمال ناراض ہیں ایسی مجالس اور ان کا پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پا کر بھی حاضر ہونے والے سب مستحق غضب الٰہی ہیں یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال میں جدا جدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے اور اپنا گناہ خود اس پر علاوہ اور ان حاضرین وقاری سب کے برابر گناہ ایسی مجلس کے بانی پر ہے اور اپنا گناہ خود اس پر طرہ مثلاً ہزار شخص حاضرین مذکور ہوں تو ان پر ہزار گناہ اور اس کذاب قاری پر ایک ہزار ایک گناہ اور بانی پر دو ہزار دو ہزار حاضرین کے اور ایک ہزار ایک اس قاری کے اور ایک خود اپنا پھر یہ شمار ایک ہی بار نہ ہوگا بلکہ جس قدر روایات موضوعہ جس قدر کلمات نامشروعہ وہ قاری جاہل جری پڑھے گا ہر روایت ہر کلمہ پر یہ حساب وبال وعذاب تازہ ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ ایسے سو کلمات مردودہ اس مجلس میں اس نے پڑھے تو ان حاضرین میں ہر ایک پر سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ گناہ اس قاری وعلم دین سے عاری پر ایک لاکھ ایک سو گناہ اور بانی پر دو لاکھ دو سو وقس علی ھذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لاینقص ذلک من اجورهم شیئا ومن ادعی الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اثام من**

---

(۲۸): (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، باب الامامة والحدث فی الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۳۴، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

(۲۹): (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالامامة، ص: ۳۰۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

تبعه لاينقص ذلک من اثامهم شيئا رواه الائمة احمد ومسلم والاربعة عن ابی هريرة (۳۰).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاک ومنزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرماہوں البتہ وہاں ابلیس شیاطین کا ہجوم ہوگا والعیاذ باللہ رب العالمین ذکر شریف حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز اگر نیت معاذ اللہ استخفاف کی نہ ہو حدیث صحیح میں ہے۔ کان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يذكر اللّٰه تعالٰی علی كل احيانه رواه الأئمة احمد ومسلم والاربعة الا النسائی عن ام المؤمنين الصديقه رضی اللّٰه تعالٰی عنها ورواه البخاری تعليقاً (۳۱). اگر

---

(۳۰):اخرجه مسلم فی صحيحه، فی كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة، ومن دعا الی هدی أو ضلالة، ص: ۱۱۶۵، رقم: ۶۸۰۴، ط، دار السلام رياض/ واحمد فی مسنده، عن ابی هريرةؓ، ص:۶۶۷، رقم: ۹۱۴۹، ط، بيت الافكار رياض/ والترمذی فی جامعه، فی كتاب العلم، باب فيمن دعا الی هدی فاتبع أو الی ضلالة، وقال ابو عيسٰی: هٰذا حديث حسن صحيح، ص: ۶۰۶، ۶۰۷، رقم: ۲۶۷۴، ط، دار السلام رياض/ وابو داؤد فی سننه، فی كتاب السنة، باب من دعا الی السنة، ص: ۶۵۲، رقم: ۴۶۰۹، ط، دار السلام رياض/ وابن ماجة فی سننه، فی المقدمة، باب من سن سنة حسنة او سيئة، ص: ۱۹ رقم: ۲۰۶، ط، قديمی كتب خانه كراتشی/ والدارمی، فی كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سيئة، الجزء الاول، ص: ۲۰۲، رقم: ۵۲۰)

(۳۱):أخرجه مسلم فی صحيحه، فی كتاب الحيض، باب ذكر اللّٰه تعالٰی فی حال الجنابة وغيرها، ج: ۲، ص: ۲۰۴، رقم: ۸۲۶، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی/ وابوداؤد فی سننه، فی كتاب الطهارة، باب فی الرجل يذكر اللّٰه تعالٰی علی غير طهر، ص: ۱۵، رقم: ۱۸، ط، دار السلام رياض/ والترمذی فی جامعه، فی كتاب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، وقال ابو عيسٰی: هذا

عیاذاً باللہ استخفاف وتحقیر کی نیت ہوتو صریح کفر ہے یونہی مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزاء صراحۃً کفر ہے قال اللّٰہ تعالٰی قل اباللّٰہ واٰیاتہ ورسولہ کنتم تستھزء ون لاتعتذوا قد کفرتم بعد ایمانکم. یونہی وہ کلمہ ملعونہ کہ ڈاڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں الخ صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمہ کفر ہے(۳۲) والعیاذ باللّٰہ رب العالمین واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم. کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ النبی الامی صلی اللّٰہ علیہ وسلم. محمدی سنی ۱۳۰۰حنفی

عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان۔



حدیث حسن غریب، لانعرفه الا من حدیث یحیی بن زکریا بن ابی زائدة، ص: ۲۷۷، رقم: ۳۳۸۴، ط، دار السلام ریاض/ و احمد فی مسنده عن عائشةؓ، ص: ۱۸۲۸، رقم: ۲۴۹۱۴، ط، بیت الافکار ریاض/ و ابن ماجة فی سننه، فی کتاب الطهارة، باب ذکر اللّٰه عزوجل علی الخلاء والخاتم فی الخلاء، ص: ۲۶، ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

(۳۲): والحاصل انه اذا استخف بسنة أو حدیث من أحادیثه علیه السلام کفر. (الفتاوی البزازیه، علی هامش الفتاوی العالمکیریه، کتاب ألفاظ تکون اسلاماً أو کفراً، الفصل الثانی، النوع الثالث فی الأنبیاء، ج: ٦، ص: ۳۲۸)

من لم یقر ببعض الأنبیاء علیهم السلام أو عاب نبیا بشیء أو لم یرض بسنة من سنن المرسلین علیهم السلام فقد کفر. (الفتاوی التاتارخانیه، کتاب أحکام المرتدین، الفصل السابع: فیما یعود الی الأنبیاء علیهم السلام، ج:۷، ص:۳۰۵، ط، مکتبة زکریا، بدیوبند، الهند)

(وکذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ج:۲، ص: ۵۰٦، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

عرس میں شرکت

﴿سوال﴾:

جس عرس میں صرف قرآن شریف پڑھا جاوے اور تقسیم شیرینی ہو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود درست نہیں ہے(۳۳)۔



(۳۳):فيجب أن يحذر مما يفعلون على رأس السنة من موته، ويسمونه حولاً ، فيدعون الأكابر والأصاغر، ويعدون ذلك قربة، وهى بدعة ضلالة، لأن التصدق لم يختص بيوم دون يوم، ولاتصح الا على الفقراء والمحتاجين، وقد زاد بعضهم فى جهله وهم المشايخ الذين ليس لهم الا جمع حطام الدنيا، لأنهم يجمعون بعض أحوال الميت فى كتاب ويسمونه مناقب، ثم اذا حضرالناس المدعوون، جىء برجل حسن الصوت فهو يأخذ تلك النسخة فى يده ويقرأها قرأةً مثل قرأةالمولود، وقد ورد النهى عن مثل هذا صراحةً، ثم يختمون القرآن ويمد لهم سماط، وليس هذا الا بدعة ضلالة لم يفعلها رسول اللهﷺ ولا أصحابه من بعده ولا أتباعهم من بعدهم بل لم يوجد لذلك أثر الى القرن الثامن كما يظهر من تتبع القوم، وهذا خصوصات المشايخ، فانهم يعتقدون أن هذا رجل من أولياء الله وبذكره تنزل الرحمة، ولوسلم أنه من أولياء الله، فهل ذكر اولى بهذه الكيفية يستوجب نزول الرحمة ؟حاشا؛فان الرحمة، لاتنزل الاباتباع السنة السنية، فان البدع فهى تنزل الغضب والنقمة.عافانا الله واياكم من غضبه وسخطه. ولو كان هذه الخرافات نزل بها الرحمات لما غفل عنه أكابر المتقدمين من الأئمة الأعلام،

ہر سال عرس کرنا

﴿سوال﴾:
جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کا عرس گنج مرادآباد میں ہر سال معینہ پر ہوتا ہے

ولیس غرض هؤلاء المتصوفة الا طلب الشهرة والافتخار بابائهم وأجدادهم أنهم كانوا على هذه المراتب، وأن لهم كرامات عظيمة وكذا وكذا، حتى أن السامع يعتقد فيهم فيدخل فی سلكهم، ومتى دخل فی طريقهم أفقروه فأصبح ممن خسر الدنيا والآخرة. وهذا الحول يسمونه أهل الهند عرس، وماعرفت له أصلاً، فان العرس انما يكون فی الرواج، ومع ذلک فهذه الأحوال والأعراس لاتكاد تخلو من ارتكاب المحرمات فضلاً عن المكروهات، فان أهل الهند لهم اليد الطولٰى فی ذلک. قاتلهم اللّٰه. فانهم يطوفون بقبر الولی الذين يعتقدون فيه ويظنون أنه هو المتصرف فی الكون، وأن الانسان اذا تمسک بهذه، فلاحاجة له بالصلوٰة والصيام، وأكثر ما غلوا فی ذلک أتباع سيدنا عبدالقادر الجيلانی رحمه اللّٰه تعالٰى ونفعنا ببركاته، فانه. معاذ اللّٰه. أنی يرضٰى بتلک الكفريات اللتی يعتقدونها. (تبليغ الحق، ص: ٧ ٩ ٨، بحواله فتاوی محموديه، ج:٣، ص: ٢٢٤، ٢٢٥)

وفی المدخل: ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع أعتقادهم أن ذلک من أكبر العبادات واظهار الشعائر مايفعلونه فی شهرربيع الاول من المولد وقد احتوى على بدع ومحرمات جملة...الخ. (المدخل لابن الحاج، فصل فی المولد، ج: ٢، ص: ٢، ط، مكتبة دار التراث، القاهرة)

وفی الفيض: واعلم أن القيام عند ذكر ميلاد النبی ﷺ بدعة لا أصل له فی الشرع وأحدثه ملک الاربل كما فی تاريخ ابن خلكان: أنه كان يعقد له مجالس، ويصرف عليها أموالا. وقد ألف ابن دحية المغربی كتاباً فی الميلاد. (فيض الباری على صحيح البخاری، كتاب الاذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ج: ٢، ص: ٤٠٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

بذریعہ اشتہار تاریخ عرس تشہیر بھی کی جاتی ہے خاص مریدان سلسلہ کو بذریعہ خطوط اطلاع بھی دی جاتی ہے تاریخ معینہ پر لوگوں کا اجتماع ہو کر قرآن خوانی ہوتی ہے اور ایصال ثواب کیا جاتا ہے قوالی راگ سماع مزامیر و دیگر خرافات وغیرہ روشنی بھی نہیں ہوتی ہے امیدوار ہوں کہ جواب باصواب مرحمت فرماویں کہ میاں صاحب موصوف کے یہ عقائد بموجب شرع شریف جائز و درست ہیں یا باطل لغویات سے ہیں اگر ناجائز و نادرست نزد شارع علیہ السلام ہیں تو ایسے شخص اور ایسے عقیدہ رکھنے والے کی امامت درست ہے یا نہیں اور صحابہ پر طعن و مردود و ملعون کہنے والا ور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو علم الغیب جاننے والے باوجودیکہ قرآن وحدیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت کو علم غیب نہ تھا اور پھر واقف کار لوگوں کا سمجھنا اور میاں صاحب کا اصرار اپنے عقائد پر ان کو کس درجہ کا گنہگار بناتا ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سے سنت جماعت سے خارج ہووے گا یا نہیں ایسا عرس جس میں سب التزام ہو تاریخ تعین بھی ہو اجتماع بھی ہو پھر قوالی راگ مزامیر سماع و ناجائز مجمع عورتوں کا نہ ہو جائز و درست ہے یا نہیں؟

جواب:

عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے (۳۴) تعین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا گناہ ہے خواہ اور لغویات ہوں یا نہ ہوں اور جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس گناہ کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا (۳۵)۔ از بندہ محمد یحیٰ السلام علیکم علم غیب کے

---

(۳۴): لایجوز مایفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد عليها، ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرساً. (تفسیر مظهری، سورة آل عمران تحت آیت: ۶۴، ج: ۲، ص: ۶۵، ط، ندوة المصنفين)

(۳۵): في الشامية: اقول: نعم نقل في البزازية عن الخلاصة أن الرافضي اذا

متعلق دو تین رسالے میرے پاس موجود ہیں اور حضرت کی کتاب براہین قاطعہ میں یہ بحث اور بحث عرس وغیرہ خود مدلل مذکور ہے والسلام۔



عرس کا حکم

﴿سوال﴾:

اول زید پیری مریدی کا پیشہ کرتا تھا قضائے الہٰی سے فوت ہوگیا۔ مرید لوگوں نے زید کو ایک جلیل القدر بزرگ سمجھ کر وقت دفن کرنے کے قبر میں ہر چہار طرف پتھر لگا کر دفن کیا

کان یسبّ الشیخین ویلعنهما فهو کافر، وان کان یفضل علیا علیهما فهو مبتدع اهـ. وهذا لایستلزم عدم قبول التوبة علی ان الحکم علیه بالکفر مشکل لما فی الاختیار: اتفق الأئمة علی تضلیل البدع أجمع وتخطئتهم، وسب أحد من الصحابة وبغضه لایکون کفراً، لکن یضلل. الخ. (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الجهاد، باب المرتد، ج: ۶، ص:۳۷۷، ۳۷۸، ط، دار عالم الکتب، ریاض)

وفی شرح العقائد: ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر، لما ورد من الأحادیث الصحیحة فی مناقبهم، ووجوب الکف عن الطعن فیهم، کقوله علیه السلام: لاتسبوا أصحابی، فلو أن أحدکم ان أنفق مثل أحد ذهبا، ما بلغ مد أحدهم، ولانصیفه، وکقوله علیه السلام: اکرموا أصحابی فانهم خیارکم، الحدیث، وکقوله علیه السلام: اللّٰه اللّٰه فی أصحابی، لاتتخذوهم غرضاً من بعدی، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فبغضی أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللّٰه تعالی، ومن آذی اللّٰه تعالی فیوشک أن یاخذه....فسبهم والطعن فیهم ان کان مما یخالف الأدلة القطعیة فکفر، کقذف عائشةؓ، والا فبدعة وفسق. (شرح العقائد النسفیة، العقائد المتعلقة بالصحابة ومن بعدهم، ص: ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

اور پھر حسب دستور زمانہ حال زید کی قبر کی چہار دیواری پختہ بنائی۔ دوم مرید لوگ زید کی سالانہ برسی کرتے ہیں یعنی ایک تاریخ مقرر کر کے کسی دوسرے بزرگ کی خانقاہ میں سب مرید جمع ہوتے ہیں وہاں پر خلیفہ زید کا مریدان حاضرین کو توجہ دیتا ہے اور نیز ظاہر کرتا ہے کہ زید اس وقت جلسہ ہذا میں تشریف لائے بلکہ شریک جلسہ ہذا ہیں اور فلاں فلاں ارشاد فرماتے ہیں شرعاً امور مذکور الصدر درست ہیں یا خلاف اور جو شخص امور مذکورہ کا مرتکب ہو اس کا امام بنانا درست ہے یا نہیں اور وہ شخص کس درجہ میں ہے؟ فتویٰ مفصل ومشرح ارقام فرمایا جاوے۔

﴿جواب﴾:

قبر میں پتھر لگانا مکروہ ہے اور فقہاء نے صراحتہ اس کو منع لکھا ہے (۳۶) اور مولانا محمد

---

(۳۶): عن جابرؓ قال: نهى رسول اللهﷺ أن يجصص القبر، وأن يبنىٰ عليه، وأن يقعد عليه. وفى المرقاة تحت هذا الحديث: قال فى الأزهار: النهى عن تجصيص القبور للكراهة و هو يتناول البناء بذلك تجصيص وجهه والنهى فى البناء للكراهة ان كان فى ملكه وللحرمة فى المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وان كان مسجداً.....ثم قال التوربشتي: ولأنه من صنيع أهل الجاهلية أى كانوا يظللون على الميت الى سنة قال وعن ابن عمرؓ أنه رأى فسطاطاً على قبر أخيه عبدالرحمٰنؓ، فقال انزعه ياغلام وانما يظله عمله. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الاول، ج:۴،ص: ۱۵۵، ۱۵۶،ط، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى اعلاء السنن: وفى الطحطاوى على قول صاحب الدر المختار (۱:۱۰۲): فى الشرنبلالية عن البرهان: يحرم البناء عليه للزينة، ويكره للاحكام بعد الدفن الخ. وفى كتاب الآثار(۴۲) ونكره أن يجصص، أو يطين، أو يجعل عنده مسجدا، أو علما، أو يكتب عليه، وهو قول أبى حنيفة. (اعلاء السنن، كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء والكتابة والزيادة عليها، ج:

اسحٰق دہلوی مہاجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہ تمام ہندوستان کے علماء محدثین کے استاد واستاد زادہ نواسہ وشاگرد خلیفہ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کے ہیں اپنے مسائل اربعین اور مائۃ مسائل میں اس کو منع لکھتے ہیں الفاظ اربعین کے یہ ہیں پختہ ساختن قبر وتعمیر نمودن گنبد وچہار دیواری وچبوترہ نزد قبر جائز نیست۔ اور عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے کہ منع ہے اربعین میں مولانا ممدوح لکھتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست ودر تفسیر مظہری مینویسد لایجوز مایفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا انتہٰی (۳۷). اور یہ ہفوات کہ شیخ جلسہ میں حاضر ہے اور یہ امر فرماتا ہے اگرچہ بتاویل صحیح شرک نہیں مگر منجر بشرک اور باعث فساد عقیدہ عوام ہے تو یہ امر بھی بدعت وضلال وگناہ سے خالی نہیں بسبب انجام شرک کے لہٰذا یہ سب امور ممنوع وخلاف سنت ہیں اگر مرتکب ومصوب ان امور کا اصرار کرے اور ترک نہ کرے تو امام بنانا اس کو منع ہے گو اس کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے جب تک فساد عقیدہ اس کا محقق نہ ہو (۳۸) اور بندہ مولانا محمد اسحٰق مرحوم کے فتاویٰ سے یہ نقل کرتا ہے اگر کسی کو شبہ ہو دونوں رسالہ مذکورہ بالا کو

۸، ص: ۳۱۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشى)

(۳۷): (تفسير مظهرى، سورة آل عمران تحت آيت: ۶۴، ج: ۲، ص: ۶۵، ط، ندوة المصنفين)

(۳۸): وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام فى كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع. هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام فى العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

مطالعہ کرلیوے اور نصوص حدیث وفقہ کونقل نہیں کرتا کہ ان کے مطالعہ سے عوام بلکہ خواص ہمارے زمانہ کے بھی قاصر ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ۔

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب الجواب صحیح والمجیب مصیب الجواب صحیح

فخرالدین عفی عنہ گنگوہی گل محمد سرور علی شاہ عفی عنہ مدرسہ

الجواب صحیح حبیب الرحمٰن مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مظاہر العلوم سہارنپور

ہذا الجواب صحیح محمد اسماعیل مدرس مدرسہ عربی دیوبند جوابات وسوالات صحیح ہیں عنایت الٰہی عفی عنہ

جواب صحیح ہے اللہ تعالیٰ ان فضائح کے مرتکب کو اجتناب کی توفیق دے کے اتباع سنت پر قائم رکھے مشاق احمد عفی عنہ۔جواب صحیح ہے اوراس عبارت سے گریز بھی کمال درجہ گمراہی ہے۔

احمد علی عفی عنہ غوانپوری واردحال سہانپور الجواب صحیح فضل الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی

ہذا الجواب صحیح ومنکرہ فضیح

الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی یوبند محمد مراد ثناء اللہ عفی عنہ از مظفرنگر

صح الجواب المجیب مصیب محمد اسحٰق نہٹوری عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

صدیق احمد مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی، مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی، محمد علی عفی عنہ مدرس حسین بخش دہلی

الجواب صحیح الجواب صحیح جواب صحیح ہے الجواب صحیح

عبدالرزاق بندہ محمود عفا اللہ عنہ دیوبندی محمد عبدالرشید انصاری سہارنپوری بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی

الجواب صحیح الجواب صحیح اصاب من اجاب الجواب صحیح من اجاب اصاب

محمد یعقوب علی عفی عنہ　　غلام رسول عفی عنہ　محمد یٰسین عفی عنہ　حبیب الرحمٰن
محمد بشیر احمد
مدرس مدرسہ عربی دیوبند　مدرس مدرسہ عربی دیوبند　دیوبندی عفی عنہ دیوبندی عفی عنہ۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الجنائز

جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان

مردوں کو ثواب کس طرح پہنچتا ہے

﴿سوال﴾:

ایصال ثواب میں نیت سب اموات کی کرے تو سب کو برابر پہنچے گا یا تقسیم ہو کر پہنچے گا؟

﴿جواب﴾:

یہ ثواب سب پر حصہ رسد تقسیم ہوگا۔ جیسا ظاہر ہے(۱) اور سب کو ہر ہر واحد کو پورا ثواب جیسا مشہور ہے(۲) کوئی روایت صحیح اس کی بندہ کو معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم



(۱):قال الامام ابن القیم الجوزیة: ان الثواب ملک له، فله أن یهدیه جمیعه، وله أن یهدی بعضه. یوضحه: أنه لو أهداه الی أربعة مثلا یحصل لکل منهم ربعه، فاذا أهدی الربع وأبقی لنفسه الباقی جاز، کما لو أهداه الی غیره. (کتاب الروح، المسالة السادسة عشر، وهی: هل تنفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحیاء أم لا؟، ص: ۳۹۱، ۳۹۲، ط، دار عالم الفوائد، مکة المکرمة)

(۲):فی الشامیة: قلت: لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل یقسم الثواب بینهم أویصل لکل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً؟ فأجاب بأنه أفتی جمع بالثانی، وهو اللائق بسعة الفضل. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراء ة للمیت واهداء ثوابها له، ج: ۳، ص: ۱۵۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

ثواب میت کو کس طرح پہنچے گا

﴿سوال﴾:
ایک شخص کے جس وقت دل میں آتا ہے یوں کہتا ہے کہ الٰہی جس قدر مجھ سے نیکیاں تمام عمر میں ہوئی ہوں میں نے ان کا ثواب اپنے والدین کو بخشا۔ ایک شخص نے یہ بات سن کر اس سے کہا کہ یوں اموات کو ہرگز ثواب نہیں پہنچتا تاوقتیکہ کوئی چیز خاص ایصال ثواب کیواسطے نہ پڑھی جاوے تو یہ کہنا اس شخص کا صحیح ہے یا نہیں اور اس طرح سے ثواب بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
ثواب ہر طرح پہنچ جاتا ہے (٣)۔ قول مانع کا صحیح نہیں۔



ثواب پہنچنے کا طریقہ

﴿سوال﴾:
ایک شخص تین مرتبہ قل شریف پڑھ کر اپنے والدین کو بخش دیتا ہے زید نے یہ بات

---

(٣): فی مراقی الفلاح: فللانسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة صلاة کان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراءة للقرآن أو الأذکار أو غیر ذلک من انواع البر ویصل الی المیت.

وقال الشیخ احمد الطحطاوی رحمه الله تعالٰی تحته: (فللانسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة) سواء کان المجعول له حیاً، أو میتاً من غیر أن ینقص من أجره شیء. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، ص: ٦٢١، ٦٢٢، ط، دار الکتب العلمیة، بیروت لبان)

سن کراس شخص سے کہا کہ تم تین مرتبہ قل شریف پڑھ کرتمام زمانہ کے مسلمانوں کی روح کو بخش دیا کرو ہر ہر فرد بشر کوایک ایک ختم قرآن شریف کا ثواب ملے گا اورتمہارے والدین کے ثواب میں کچھ کمی نہ آئیگی اب وہ شخص یہ پوچھتا ہے کہ سب دنیا کے مسلمانوں کی میں نیت کرلیا کرونگا ورنہ مجھ کو کچھ ضرورت نہیں کہ میں اپنے والدین کا ثواب کاٹ کراورں کو دوں اس میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

﴿جواب﴾:

میرے استادوں کا یہ قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ثواب تقسیم ہوکر پہنچتا ہے(۴)۔نہ سب کو پورا پورا اوراس باب میں کوئی روایت حدیث صحیح نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



ایک قرآن مجید کا ثواب کئی کوکس طرح پہنچے گا

﴿سوال﴾:

ایک قرآن مجید کا ثواب چند مردوں کو پہنچایا تو تمام کوایک قرآن کا ثواب تقسیم ہوگا یا ہر ہر واحد کو پورے ایک ایک قرآن کا ثواب حاصل ہوگا علی ہذاالقیاس طعام وغیرہ؟

﴿جواب﴾:

تقسیم ہوکر پہنچتا ہے(۵)۔



(۴):قال الامام ابن القیم الجوزیۃ: ان الثواب ملک له، فله أن یهدیه جمیعه، وله أن یهدی بعضه. یوضحه: أنه لو أهداه الی أربعة مثلا یحصل لکل منهم ربعه، فاذا أهدی الربع وأبقی لنفسه الباقی جاز، کما لو أهداه الی غیره. (کتاب الروح، المسالة السادسة عشر، وهی: هل تنفع أرواح الموتی بشیء من سعی الأحیاء أم لا؟، ص: ۳۹۱، ۳۹۲، ط، دار عالم الفوائد، مکة المکرمة)

(۵):قال الامام ابن القیم الجوزیۃ: ان الثواب ملک له، فله أن یهدیه جمیعه،

طعام المیت یمیت القلب کا صحیح مطلب ومنشاء

﴿سوال﴾:

ایک شخص نے حسب معمول مروجہ دینار دسویں کو بیسویں کو یا برسی ششماہی کو کھانا پکایا نیت اس کی یہ ہے کہ فقراء کو کھلاؤں گا اور برادری وغیرہ کو بھی تا کہ رسم برادری بھی ادا ہوجاوے اور ثواب بھی ہو یا برادری و دوست احباب واہل وعیال نے کھایا اور فقراء مساکین نے بھی کھایا تو برادری دوست احباب نے جو کچھ کھایا تو وہ طعام میت کے حکم میں ہے یا نہیں اس پر طعام المیت یمیت القلب جاری ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جس قدر فقراء کو کھلایا بہ شرط نیت خالصہ کے ثواب پہنچے گا(٦) اور رسم کا گناہ بھی ہووے گا اور جو طعام برادری کو کھلایا اس کا کھانا مکروہ ہے اور اماتت قلب بھی اس میں حاصل

وله أن يهدى بعضه. يوضحه: أنه لو أهداه الى أربعة مثلا يحصل لكل منهم ربعه، فاذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقى جاز، كما لو أهداه الى غيره. (كتاب الروح، المسالة السادسة عشر، وهى: هل تنفع أرواح الموتى بشىء من سعى الأحياء أم لا؟، ص: ٣٩١، ٣٩٢، ط، دار عالم الفوائد، مكة المكرمة)

(٦):فى مراقى الفلاح: فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلاة كان أو صوماً أو حجاً، أو صدقة، أو قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من انواع البر ويصل الى الميت.

وقال الشيخ احمد الطحطاوى رحمه الله تعالىٰ تحته: (فللانسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة) سواء كان المجعول له حياً، أو ميتاً من غير أن ينقص من أجره شىء.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ٦٢١، ٦٢٢،ط، دار الكتب العلمية، بيروت لبان)

ہے نہ کھانا چاہیے(٧) خواہ غنی ہو یا فقیر ایسا طعام مکروہ ہے فقط۔



غنی کو کھلانے کا ثواب مردہ کو

﴿سوال﴾:

اپنے بزرگوں کی ارواح کو ایصال ثواب منظور ہے کوئی شئے اپنے یار و احباب اغنیاء کو کھلا کر ایصال ثواب کر سکتا ہے یا نہیں اور اغنیاء ایسی شئے کے کھانے سے خطاوار تو نہیں ہونگے؟

﴿جواب﴾:

غنی کو ایسا طعام صدقہ نفل کا مکروہ تنزیہہ ہے اور ثواب پہنچتا ہے مگر فقیر کے کھانے سے کم۔



(٧):فی فتاوی عزیزی: این قول که طعام المیت یمیت القلب حدیث نیست کلام بعضی از تجربه کاران ست گویند مراد از طعام میت طعامی است که چهل روز میخورانند ووجه اماتت قلب آنست که بیشتر از هنگام سنوح موت میت دهم بعد از ان خیال سر انجام این طعام وتقسیم آن فیما بین الاقربا یاسکان مساجد دامنگیر خاطر میشود کسانیکه این طعام بآنها میرسد از وقت موت متوقع وچشم دوخته برین طعام میباشند مقصود شرع آنست که از موت میت عبرت گیرند وپند یرند ودر تفکر آخرت مشغول شوند واز غفلت هوشیار شوند واین مقصود ازین صورت بالکلیه مفقود میگرد وآنچه در حدیث صحیح آمده است ودر صحاح سته موجود است همین قدر است که نهی رسول اللهﷺ عن طعام المیت. (فتاوی عزیزی، ج: ٢، ص: ١٠٦، ط، مکتبه مجتبائی دهلی)

قبرستان میں قرآن شریف کیسے پڑھے

﴿سوال﴾:

قبرستان میں قرآن شریف آواز سے ناظرہ پڑھنا درست ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

قبرستان میں قرآن شریف پکار کے اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے(۸) فقط۔



قبر پر مردے کو ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانا

﴿سوال﴾:

---

(۸):فی شرح الصدور للسیوطیؒ: وأخرج الخلال فی الجامع، عن الشعبی قال: کانت الأنصار اذا مات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرأون له القرآن. (کتاب شرح الصدور بشرح حال موتٰی والقبور، ص: ۲۹۲، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

وفی الهندیة: وکان الصدر أبو اسحق الحافظ یحکی عن استاذه أبی بکر محمد بن ابراهیم رحمه اللّٰه تعالٰی لابأس أن یقرأ علی المقابر سورة الملک سواء أخفی أوجهر. (الفتاوی العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور وقراء ة القرآن فی المقابر، ج: ۵، ص: ۳۵۰)

وفیه ایضاً: قراة القرآن عند القبور عند محمد لایکره ومشایخنا اخذوا بقوله و هل ینتفع والمختار ینتفع هکذا فی المضمرات. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی اخر، ج: ۱، ص: ۱۶۶)

قبر پر مردے کو ثواب پہنچانا ہاتھ اٹھا کر درست ہے یا نہیں؟

جواب:

ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی ہو تو قبر کی طرف پشت کر لینی چاہیے(۹)۔



قبر پر قرآن شریف پڑھنا

سوال:

میت کو دفن کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سرہانے اور پائنتیں رکھ کر دو شخص اول آخر سورۃ بقرہ پڑھتے ہیں درست ہے یا نہیں؟

جواب:

اول آخر سورہ بقرہ پڑھنا تو حدیث میں وارد ہوا ہے(۱۰) مگر خصوصیت انگلی کی

---

(۹):وفی حدیث ابن مسعود رأیت رسول اللہﷺ فی قبر عبداللہ ذی البجادین. "الحدیث وفیہ" فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه. أخرجه أبو عوانة فی صحیحه. (الفتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعا مستقبل القبلة، ج: ۱۱، ص: ۱۴۸، ۱۴۹، رقم: ۶۳۴۳)

وفی الهندیة: فاذا بلغ المقبرة یخلع نعلیه ثم یقف مستدبر القبلة لوجه المیت ویقول: السلام علیکم یا أهل القبور..... واذا أراد الدعاء یقوم مستقبل القبلة کذا فی خزانة الفتاوی. (الفتاوی العالمکیریه، کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور وقراءة القرآن فی المقابر، ج: ۵، ص: ۳۵۰)

(۱۰): وفی شعب الایمان: أخبرنا علی بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبید الصفار، حدثنا أبو شعیب الحرانی، حدثنا یحیی بن عبداللہ البابلتی حدثنا أیوب بن نهیک الحلبی مولی آل سعد بن أبی وقاص، قال سمعت عطاء بن أبی

نہیں ہے(١١)۔



مٹی ہوئی قبروں پر قرآن مجید پڑھنا

﴿سوال﴾:

ایک مکان میں چند قبریں پختہ وخام ہیں۔ اگر صاحب مکان اس جگہ قرآن شریف

رباح، سمعت عبداللّٰه بن عمر سمعت النبی ﷺ یقول: اذا مات أحدکم فلاتجسوه، وأسرعوا الی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة الکتاب، وعند رجلیه بخاتمة البقرة فی قبره.

لم نکتبه الا بهذا الاستاد فیما أعلم وقد روینا القراء ة المذکورة فیه عن ابن عمر موقوفاً علیه. (الجامع لشعب الایمان، باب فی الصلاة علی من مات من أهل القبلة، فصل فی زیارة القبور، ج: ١١، ص: ٤٧١، ٤٧٢، رقم: ٨٨٥٤، ط، مکتبة الرشد، ریاض)

قلت: وذکره الهیثمی فی "مجمع الزوائد"(٣/٤٤/ط/دار الکتاب العربی بیروت لبنان) وقال: رواه الطبرانی فی الکبیر وفیه یحیی بن عبداللّٰه البابلتی وهو ضعیف.

وفی الشامیة: وکان ابن عمرؓ یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت، ج: ٣، ص: ١٤٣، ط، دار عالم الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(١١):فی الدر المنتقٰی: ومن البدع وضع الید علی القبر. (الدر المنتقٰی شرح ملتقی الابحر، علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل باب الشهید، ج: ١، ص: ٢٧٧، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/فتاوی قاسمیة ١٠/ ١٣١)

پڑھا کر بہ نیت قرأۃ علی القبر کی جس کو فقہاء منع کرتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں اور احکام قبر بعد منہدم ہونے کی بدل جاتے ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

وہاں قرآن پڑھنا جائز ہے (۱۲) اور جب قبر مطموس ہو جاوے نام ونشان نہ رہے تو بعض احکام بدل جاتے ہیں (۱۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔



قبر پر قرآن مجید پڑھوانا

﴿سوال﴾:

قرآن کے حافظوں کو قبر پر قرآن پڑھوانا یا مکان پر یا کسی دوسری جگہ پر واسطے ثواب

---

(۱۲):فی شرح الصدور للسیوطیؒ: وأخرج الخلال فی الجامع، عن الشعبی قال: کانت الأنصار اذا مات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرأون له القرآن.(کتاب شرح الصدور بشرح حال موتیٰ والقبور، ص: ۲۹۶، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان)

قال العلامة احمد بن یونس الشلبی رحمه اللّٰه تعالیٰ: وهل قراء ة القرآن عند القبور مکروهة تکلموا فیه قال أبو حنیفة یکره وقال محمد لایکره. ومشایخنا أخذوا بقول محمد. (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۴۶، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

(۱۳):فی تبیین الحقائق: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه. (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۴۶، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی بحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاته، ج: ۲، ص: ۳۴۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۴):فی عمدة القاری: قال الخطابی: فیه دلیل علی استحباب تلاوة

میت کے کیسا ہے اور اگر بغیر مقررہ اجرت کے کچھ حافظوں کو دیا جاوے تو کیسا ہے اور چنے یا الا ئچی دانے کھانے کہ جس پر کلمہ طیبہ میت کے واسطے پڑھا ہے کیسا ہے اور تیجے دسویں میں جانا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

قبر پر قرآن پڑھوانا درست ہے اگر لوجہ اللہ تعالیٰ ہو(۱۴) اجرت کا خیال دونوں کا نہ ہو اور جو حسب قاعدہ وعرف دیا جاتا ہے وہ بھی بحکم اجرت ہے ایسے پڑھنے کا ثواب نہیں ہوتا نہ قاری کو نہ میت کو(۱۵) اور رسوم تیجہ ودسویں وغیرہما میں جانا بھی منع ہے(۱۶)۔



الكتاب العزيز على القبور، لأنه اذا كان يرجى عن الميت التخفيف بتسبيح الشجر، فتلاوة القرآن العظيم أعظم رجاء وبركة. (عمدة القارى، كتاب الوضوء، ج: ۳، ص: ۱۷۶، رقم: ۲۱۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۵):وفى الشامية: قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارى، وقال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان. فالحاصل: أن ما شاع فى زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لايجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة اعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فاذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب الى المستأجر، ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة الى جمع الدنيا. انا لله وانا اليه راجعون. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل ونحوه مما لاضرورة اليه، ج: ۹، ص: ۷۷، ط، دار عالم الكتب رياض/البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، ج: ۱۲، ص: ۲۳۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۶):وفى البزازية: ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث. وبعد

قبروں پر قرآن مجید پڑھنا

﴿سوال﴾:

قبروں پر قرآن پڑھوانے کو حافظوں کو مقرر کرنا کیسا ہے۔

﴿جواب﴾:

قبروں پر اگر قرآن لوجہ اللہ پڑھوادے تو درست ہے(۱۷) مگر اجرت پر درست نہیں نہ ایسے پڑھنے کا ثواب حافظ کو ملتا ہے نہ مردہ کو اور اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں (۱۸) فقط۔



الأسبوع ونقل الطعام الى القبر فى المواسم، واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الاخلاص.(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة،مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت، ج:۳،ص: ۱۴۸ ،ط، دار عالم الكتب، رياض)

(۱۷):فى شرح الصدور للسيوطىؒ: وأخرج الخلال فى الجامع، عن الشعبى قال: كانت الأنصار اذا مات لهم الميت اختلفوا الى قبره يقرأون له القرآن. (كتاب شرح الصدور بشرح حال موتٰى والقبور، ص: ۲۹۲، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان)

وقال العلامة احمد بن يونس الشلبى رحمه الله تعالىٰ: وهل قراء ة القرآن عند القبور مكروهة تكلموا فيه قال أبو حنيفة يكره وقال محمد لايكره. ومشايخنا أخذوا بقول محمد. (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۴۶، ط، مكتبه امداديه ملتان)

(۱۸): فى البناية: وفى الواقعات: يمنع القارئ والآخذ والمعطى آثمان. (البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، ج: ۱۲، ص: ۲۳۷، ط، دار

قبر پر خوشبو لگانا پھول رکھنا روشنی کرنا

﴿ســـــوال﴾:

قبر پر خوشبو لگانا یا روشنی کرنا یا پھول رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

قبر پر پھول وغیرہ چڑھانا نادرست ہے(۱۹) اگر آمدورفت زائرین ہو اور لوگوں کو

الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكـذا فـی رد الـمـحـتـار عـلـی الـدر المختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الـفـاسـدة، مطلب تحرير مهم فی عدم جواز الاستيجارعلی التلاوة والتهليل ونحوه مما لاضرورة اليه، ج: ۹، ص: ۷۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۹):قال العلامة السيد محمد يوسف البنوری رحمه اللّٰه تعالیٰ: قال الراقم: اتفق الخطابی والطرطوشی والقاضی عياض علی المنع، وقولهم أولی بالاتباع حيث اصبح مثل تلك الـمسـامـحات والتعللات مثاراً للبدع المنكرة والفتن السائرة، فتری الـعـامة يـلـقـون الزهور علی القبور، وبالأخص علی قبور الصلحاء والأولياء. (مـعـارف الـسـنـن، كتاب الطهارة، باب التشديد فی البول، ج: ۱، ص: ۲۶۵، ط، ايجو كيشنل بريس كراتشی)

وقـال الـعلامة العينی رحمه اللّٰه تعالیٰ: أنكر الخطابی ومن تبعه وضع الجريد اليـابـس، وكذلك ما يفعله أكثر الناس من وضع ما فيه رطوبة من الرياحين والبقول ونـحـوهـمـا عـلـی الـقـبور ليس بشیء.(عمدة القاری ، كتاب الوضوء، ج: ۳، ص: ۱۸۰، رقم: ۲۱۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكـذا فـی فيـض الـبـاری عـلـی صـحـيـح البخاری، كتاب الوضوء، باب من الـكـبـائـر ان لايستتـر مـن بـولـه، ج: ۱، ص: ۴۱۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

تکلیف پہنچتی ہو تو راستہ میں قبروں پر چراغ رکھنا درست ہے(۲۰) اور فضول روشنی ہر جگہ حرام ہے(۲۱)۔



میت کے لئے کلام اللہ پڑھنے کی اجرت

﴿سوال﴾:

جو شخص ختم کلام اللہ شریف میت کو بخشے اور اس کے وارث کوئی چیز پڑھنے والے کو بغیر مقرر کرنے کے دیویں اس کا لینا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

عرف میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ضرور دیتے ہیں اگرچہ پہلے سے باہمی اجرت پڑھنے کلام مجید کی طے نہ ہوئی ہو تو لینا جائز نہیں اور نہ ایسے

---

(۲۰): قال المحدث الكبير محمد زكريا الكاندهلوی رحمه الله تعالىٰ فی حاشية البذل: وفی "العرف الشذی" (ص: ۱۶۱): السراج على الميت لافادة الزائرين اباحه العلماء. قلت: ويؤيده ما تقدم فی : باب فی الدفن بالليل. (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب فی زيارة النساء القبور، ج: ۱۰، ص: ۵۲۶، رقم: ۳۲۳۶، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

(۲۱):فی الكوكب الدری: وأما اتخاذ السرج عليها فمع ما فيه من اسراف ماله المنهی عنه بقوله تعالىٰ: "ولا تبذر تبذيراً ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين". تشبه باليهود فانهم كانوا يسرجون المصابيح على قبور كبرائهم وتعظيم للقبور .الخ. (الكوكب الدری على جامع الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی كراهية أن يتخذ على القبر مسجداً، ج: ۱، ص: ۳۱۷، ط، ندوة العلماء لكهنو)

پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچے (۲۲) اور اگر دینا عرف کے اندر نہیں اور خالی نیت سے لوجہ اللہ اس نے پڑھا۔ پھر اگر لے لیوے تو کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



دفن کے بعد فاتحہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

بعد دفن میت کے چند قدم ہٹ کر فاتحہ وغیرہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

چند قدم ہٹنا اس کی کچھ اصل نہیں مگر بعد دفن کے اگر ایصال ثواب کے لئے کچھ بخشے تو درست ہے (۲۳) لیکن کلمات تعزیت کہنے درست نہیں (۲۴)۔



---

(۲۲):فی الشامية: قال تاج الشريعة فی شرح الهداية: ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقاری، وقال العينی فی شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان.فالحاصل: أن ما شاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز، لأن فيه الأمر بالقراء ة اعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال، فاذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب الى المستأجر، ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة الى جمع الدنيا. انا لله وانا اليه راجعون. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم فی عدم جواز الاستيجارعلى التلاوة والتهليل ونحوه مما لاضرورة اليه، ج: ۹، ص: ۷۷، ط، دار عالم الكتب رياض/البناية شرح الهداية، كتاب الكراهية، مسائل متفرقه، ج: ۱۲، ص: ۲۳۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۳):فی الدر المختار: ويقرأ يس، وفی الحديث:من قرأ الاخلاص أحد

مسئلہ تلقین میت

﴿سوال﴾:

جب سماع موتی کے حضرت امام صاحب قائل نہیں ہیں پھر فقہاء حنفیہ تلقین میت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں۔(سوال نمبر۲): صفر کو ہندی میں پیتل کہتے ہیں یا کانسی غیاث اللغات میں کانسی لکھا ہے اور غایۃ الاوطار میں پیتل لکھا ہے صحیح کس کا قول ہے۔

﴿جواب﴾:

عشر مرة، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات.

وفي الشامية تحته: قوله: (ويقرأ يس) لما ورد" من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف اللّٰه عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنات" بحر. وفي شرح اللباب: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة الى المفلحون وآية الكرسي[البقرة: ٢٢٥]. (وآمن الرسول) [البقرة: ٢٨٥] وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والاخلاص اثني عشرة مرة. أو عشراً أو سبعاً أو ثلاثاً، ثم يقول: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه الى فلان أو اليهم. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، ج: ٣، ص: ١٥١، ١٥٢، ١٥٣، ١٥٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

(٢٤):في الدر المختار: التعزية ثانياً، وعند القبر.

وفي الشامية تحته: قوله: (وعندالقبر) عزاه في الحلية الى المبتغى بالغين المعجمة، وقال: ويشهد له ما أخرج ابن شاهين عن ابراهيم: التعزية عند القبر بدعة اهـ. قلت: لعل وجهه ان المطلوب هناك القراءة والدعاء للميت بالتثبيت. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ٣، ص: ١٤٩، ١٥٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں (۲۵) اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہو پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت سی روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں۔ اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں شاذ ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔۲: قول مترجم درمختار کا صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مؤمنین کی روحوں کا شب جمعہ اپنے گھر آنا

﴿سوال﴾:

ارواح مومنین ہر جمعہ کی شب کو اپنے اہل وعیال میں آتی ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں اس طرح کا عقیدہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

ارواح مؤمنین کا شب جمعہ وغیرہ کو اپنے گھر آنا کہیں ثابت نہیں ہوا۔ یہ روایات واہیہ ہیں۔ اس پر عقیدہ کرنا ہرگز نہیں چاہیے (۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الراجی رحمۃ ربہ

---

(۲۵): وفي المرقات: قال ابن الهمام في شرح الهداية: اعلم ان أكثر مشايخ الحنفية على أن الميت لايسمع على ما صرحوا به في كتاب الايمان لو حلف لايكلمه، فكلمه ميتاً لايحنث لأنها تنعقد على ما يجيب بفهم، والميت ليس كذلك: أقول: هذا منهم مبني على أن مبنى الايمان على العرف، فلايلزم منه نفي حقيقة السماع. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الجهاد، باب حكم الأسراء، الفصل الاول، ج: ۷، ص: ۴۷۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۶): في آپ کے مسائل:

جمعرات کو رُوحوں کا آنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے..الخ۔

رشید احمد گنگوہی۔

الاجوبۃ صحیحۃ ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ دیوبند
الاجوبۃ صحیحۃ محمد یعقوب النانوتوی عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند
الاجوبۃ صحیحۃ احمد ہزاروی عفی عنہ
الاجوبۃ کلہا صحیحۃ عزیز الرحمٰن الدیوبندی کان اللہ لہٗ
وتوکل علی العزیز الرحمٰن
الاجوبۃ صحیحۃ
الاجوبۃ صحیحۃ محمد محمود عفی عنہ الٰہی عاقبت محمود گردان، الاجوبۃ کلہا صحیحۃ ابوالمکارم
عبداللہ انصاری عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند
محمد اسحٰق فرخ آبادی عفی عنہ



مردہ کی روح کا شب جمعہ گھر آنا

﴿سوال﴾:
بعض علماء کہتے ہیں کہ مردہ کی روح اپنے مکان پر شب جمعہ کو آتی ہے اور طالب خیرات وثواب ہوتی ہے اور نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے یہ امر صحیح ہے یا غلط؟

﴿جواب﴾:
یہ روایات صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



شب جمعہ مردوں کی روحوں کا اپنے مکانوں میں آنا

﴿سوال﴾:
شب جمعہ مردوں کی روحیں اپنے گھر آتی ہیں یا نہیں جیسا کہ بعض کتب میں لکھا ہے؟

(آپ کے مسائل اوران کا حل، ج:۲،ص:۴۳۰،ط: مکتبہ لدھیانوی کراچی)

﴿جواب﴾:
مردوں کی روحیں شب جمعہ میں اپنے اپنے گھر نہیں آتیں روایت غلط ہے۔



رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز

﴿سوال﴾:
رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز جو کہ اصحاب ثلاثہ کی شان میں کلمات بے ادبی کہتا ہے پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
ایسے رافضی کو اکثر علماء کافر فرماتے ہیں (۲۶)۔لہٰذا اس کی صلوۃ جنازہ پڑھنی نہ

(۲۶):فی الشامية: اقول: نعم نقل فی البزازية عن الخلاصة أن الرافضی اذا كان يسبّ الشيخين ويلعنهما فهو كافر، وان كان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع..... نعم لاشک فی تكفير من قذف السيدة عائشة رضی الله عنها، أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية فی علیؓ، أو ان جبريلؑ غلط فی الوحی، أو نحو ذلک من الكفر الصريح المخالف للقرآن.الخ. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج: ٦، ص:۳۷۷، ۳۷۸، ط، دار عالم الكتب، رياض)

وفی الهندية: الرافضی اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله فهو كافر وان كان يفضل عليا كرّم الله وجهه على أبی بكر رضی الله تعالیٰ عنه لايكون كافراً الا أنه مبتدع.....ولوقذف عائشة رضی الله عنها بالزنی كفر بالله.....من أنكر امامة أبی بكر الصديق رضی الله عنه فهو كافر وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح أنه كافر وكذلک من أنكر خلافة عمر رضی الله عنه فی الأصح الاقوال كذا فی الظهيرية. ويجب اكفارهم باكفار عثمان و علی وطلحة وزبير وعائشة رضی الله تعالیٰ عنهم ويجب اكفار الزيدية كلهم فی قولهم بانتظار

چاہیے(۲۷)۔



نبی من العجم ینسخ دین نبینا وسیدنا محمدﷺ کذا فی الوجیز للکردری. ویجب اکفار الروافض فی قولھم برجعة الاموات الی الدنیا و بتناسخ الارواح وبانتقال روح الا لہ الی الائمة وبقولھم فی خروج امام باطن وبتعطیلھم الامر والنھی الی أن یخرج الامام الباطن وبقولھم ان جبریل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمدﷺ دون علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنه وھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام وأحکامھم أحکام المرتدین کذا فی الظھیریة. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی احکام المرتدین، ج: ۲، ص: ۲۶۴)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، ج: ۵، ص: ۲۱۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب أحکام المرتدین،الفصل السابع والعشرون، فیمن یجب اکفاره من أھل البدع، ج: ۷، ص: ۳۶۴، ط، مکتبة زکریا دیوبند)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی ھامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب ألفاظ تکون اسلاما أو کفرا أو خطأ، ج: ۶، ص: ۳۱۸)

(۲۷):قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ولاتصل علی أحد منھم مات أبداً ولاتقم علی قبرہ، بانھم کفروا باللّٰہ ورسوله وماتوا وھم فاسقون. (سورةالتوبة: ۸۴)

وقال القرطبی رحمه اللّٰہ تعالیٰ: لما قال تعالیٰ: (ولاتصل علی احد منھم مات ابدا) قال علماء نا: ھذا نص فی الامتناع من الصلاة علی الکفار. (الجامع لاحکام القران، ج: ۱۰، ص: ۲۲۳، ط، موسسة الرسالة بیروت لبنان)

فی ملقتی الأبحر: الصلاة علیه فرض کفایة وشرطھا اسلام المیت.

وفی مجمع الأنھر تحته: (وشرطھا) أی شرط جواز الصلاة علیه (اسلام المیت) فلاتصح علی الکافر لقوله تعالیٰ: (ولاتصل علی أحد منھم مات أبدا)

بدعتیوں کے جنازہ کی نماز

﴿سوال﴾:

تعزیہ داروں اور مرثیہ خانوں اور بے نمازیوں کے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق کے جنازہ کی نماز واجب پس ضرور پڑھنا چاہیے (۲۸)۔



[التوبة: ۸۴]. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۶۸، ط، دار الکتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۸): عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل امير، براً كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم، براً كان أو فاجراً وان عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم، براً كان أو فاجراً وان عمل الكبائر. وفی البذل تحت هذا الحديث: (والصلاة واجبة) أی كفائيا (على كل مسلم) ميت طاهر (براً كان أو فاجراً وان عمل الكبائر) أی فی حياته. (بذل المجهود فی حل ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور، ج: ۹، ص: ۹۹، رقم: ۲۵۳۳، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

وفی شرح العقائد: الثالث: اجماع الأمة من عصر النبی ﷺ الی يومنا هذا بالصلاة على من مات من أهل القبلة من غير توبة، والدعاء، والاستغفار لهم، مع العلم بارتكابهم الكبائر، بعد الاتفاق على أن ذلك لايجوز لغير المؤمن. (شرح العقائد النسفية، الكبيرة لاتخرج عن الايمان، ص: ۲۶۷، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشی)

مردہ کو زمین میں امانت رکھنا

سوال:

بعض شخص کہتے ہیں کہ دفن کرتے وقت قبر میں زمین سے کہہ دے کہ یہ تیرے سپرد رہے تو زمین مردے کو گلاتی نہیں ویسے ہی رہتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب:

یہ بات غلط ہے اور زمین ایسے جملہ امور میں عاجز محض اور محکوم حکم الٰہی ہے۔



مرے ہوئے بچہ کے پیدا ہونے پر نام رکھنا

سوال:

مرے ہوئے بچہ پیدا ہونے یا ہوکر مر جانے یا ہوتے ہی مر جانے پر نام رکھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:

جو بچہ پورا یا اسقاط ہوا ہو اور تمام اعضاء بن گئے ہوں اس کا نام رکھ دینا بہتر ہے(۲۹)۔اور اگر مضغہ گوشت ہے تو نام رکھنے کی حاجت نہیں ہے۔



---

(۲۹):في ملقتى الأبحر: ومن استهل بعد الولادة غسل وسمى وصلى عليه و الا غسل في المختار وأدرج في خرقة ولايصلى عليه.

وفي الدر المنتقٰى تحته: (والا) يستهل (غسل) وسمى (في المختار وأدرج في خرقة) ودفن. (الدر المنتقٰى في شرح الملتقٰى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۷۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الكنز الدقائق: ومن استهل صلي عليه والا لا.

عورت کے انتقال کے بعد اس کے شوہر کا اس کے جنازہ کو ہاتھ لگانا

سوال:
کسی عورت کا انتقال ہو گیا جنازے کو اس کا خاوند ہاتھ لگاوے یا نہیں؟

جواب:
بعد فوت زوجہ کے زوج اجنبی ہو جاتا ہے جب بیگانہ لوگ ہاتھ لگاتے ہیں تو زوج کو کیوں ہاتھ لگانا منع ہو گا بلکہ جیسے اور لوگ ہیں ویسا ہی یہ بھی ہے۔



موت کے بعد میاں بیوی کا ایک دوسرے کا منہ دیکھنا

سوال:
بعد مرنے کے خاوند کو بیوی کا دیکھنا اور بیوی کو خاوند کا منہ دیکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:
خاوند بیوی دونوں منہ دیکھ سکتے ہیں (۳۰)۔



وفی النهر الفائق تحته: (والا) أی: لم یستهل صارخاً لایصلی علیه ولایرث ولایورث اتفاقاً، وکذا (لا) یغسل ولایسمی فی ظاهر الروایة، وروی الطحاوی: أنه یغسل ویسمی، قال فی الهدایة: وهو المختار وجعله فی شرح المجمع مرویاً عن الثانی: قال: وهو الأصح. (نهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فی صلاة علی المیت، ج: ۱، ص: ۳۹۷، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ۳، ص: ۱۳۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۳۰): فی الدر المختار: (ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر الیها

قبل دفن قبر میں مردہ کا منہ دیکھنا

﴿ســـوال﴾:

منہ دیکھنا میت کا قبل دفن کے گو قبر میں دیکھے درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

هـو الـمصوب. منہ دیکھنا میت کا گو قبر میں دیکھے یا قبل دفن کے دیکھے درست ہے قـال فـی الفتاویٰ عالمگیری ولابأس بان یرفع ستر المیت عن وجهه وانما یکره بعد الدفن (۳۱) انتهٰی. وفی مدارج النبوة واضح آن ست کہ علی وعباس وقثم در قبر آمدند وبود قثم آخر کسے کہ برآمد از قبر وازوی آرند کہ گفت کسیکہ روی مبارک آنحضرت را دید در قبر من بودم انتہی (۳۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ۔ محمد عبدالحی۔ الجواب

علی الأصح). منیة......(وهی لاتمنع من ذلک) ولو ذمیة بشرط بقاء الزوجیة.

وفـی الشـامیة تـحتـه: قوله: (لا من النظر الیهما علی الاصح)عزاه فی المنح الـی الـقـنیة، ونقل عن الخانیة أنه اذا کان للمحرم یممها بیده، وأما الأجنبی فبخرقة عـلـی یـده ویغـض بـصـره عـن ذراعهـا، وکـذا الـرجل فـی امـراتـه الا فـی غض البـصـر....قـوله: (وهی لاتمنع من ذلک) أی من تغسیل زوجها دخل بها أو لا کما فـی الـمعراج، ومثله فی البحر عن المجتبیٰ. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ۳، ص: ۹۰، ط، دارعالم الکتب ریاض)

(وکـذا فـی امـداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الارواح، کتاب الصلاة، بـاب أحـکـام الجنائز،مطلب فی تغسیل من لایتمکن من غسله،ص:۶۱۰،ط،مکتبه رشیدیه کوئٹه)

(۳۱):(الـفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب السادس عشر فی زیارة القبور وقراءة القرآن فی المقابر، ج: ۵، ص: ۳۵۱)

(۳۲):فـی اسـد الغابة: وکان قثم آخر الناس عهداً برسول اللهﷺ لأنه کان

صحیح بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔



جنازہ کے لئے جاءنماز نکالنا

﴿سوال﴾:

دستور اکثر بلاد میں یہ ہے کہ اہل میت کپڑا قریب گز بھر کے اپنے پاس سے دیتے ہیں اس پر امام کھڑا ہوکر نماز پڑھتا ہے امر درست ہے یا نہیں؟ اور بعض صاحب اس کو بدعت اور بوجہ اسراف فی الکفن کے حرام اور ممنوع کہتے ہیں۔

﴿جواب﴾:

صورت مسئول عنہا میں کپڑا دینا اہل میت کا اور نماز جنازہ پڑھنا امام کا کپڑے مذکورہ پر درست ہے اور یہ امر نہ بدعت سیئہ معلوم ہوتا ہے نہ اسراف فی الکفن اس لئے کہ اکثر جازمین کی پاکی اور ناپاکی کا حال معلوم نہیں ہوسکتا ہے اور چونکہ نماز جنازہ میں طہارت مکان بھی شرط ہے اس وجہ سے بھی احتیاطاً جانماز امام کے واسطے بچھا دیتے ہیں اور چونکہ نماز جنازہ ایک آدمی سے بھی کافی ہوتی ہے لہٰذا امام کے واسطے طہارت مکان واسطے صحت صلوۃ جنازہ کے کافی ہے **في الدر المختار وفي القنية الطهارة من النجاسة في ثوب وبدن ومكان وستر العورة شرط في حق الميت والامام جميعا وفي ردالمحتار على قوله: (في القنية)الخ مثله في المفتاح والمجتبىٰ امرنا الىٰ التجريد انتهىٰ (۳۳). وفي العالمگيريه اذا قام به البعض واحدا كان**

آخر من خرج من قبره ممن نزل فيه، قاله علي وابن عباس. (اسد العابة في معرفة الصحابة، ج: ۴، ص: ۳۷۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳۳):(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ۳، ص: ۱۰۳، ۱۰۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

اوجماعة ذکرا کان او انثٰی سقط عن الباقین وایضاً فیه والصلٰوة علی الجنازة تتادیٰ باداء الامام وحده (۳۴). انتھٰی.

اور چونکہ اہل میت کو غرض اس کپڑا دینے سے ہوتی ہے نماز جنازہ پڑھ کر للہ دے دیا جاوے تو اسراف بھی نہ ہونہ مطلقاً اسراف فی الکفن اس واسطے کہ کفن عرف اور شرع میں عبادت ہے ان تینوں کپڑوں سے جو میت کے ساتھ قبر میں جاتے ہیں اور کپڑا جاءنماز مذکور کفن میں شامل ہی نہیں جو اسراف فی الکفن ہو اور نیز صراح وغیرہ میں ہے کفن بفتحتین جامہ مردہ انتھٰی تو جانماز مذکور کو کفن کہنا بعض صاحب کی کم فہمی معلوم ہوتی ہے **کما لایخفی واللّٰہ اعلم الراقم محمد عبدالحی عفی عنه. محمد عبدالحی.**

اگر ضروری نہ جانے تو درست ہے ورنہ بدعت ہونے میں شک نہیں (۳۵) بس جہاں جائے پاک معلوم ہو وہاں اہل میت کا کپڑا لانا امام کے واسطے بدعت ہوگا باقی للہ دینا ثواب ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔



کفن میں سے جاءنماز بنانا

﴿سوال﴾:

کفن میں شروع سے ایک کپڑا زیادہ بنا کر اس کا نام جاءنماز رکھ کر امام کو اس پر کھڑا کر کے نماز جنازہ پڑھوانا اور ملّا صاحب کو وہ کپڑا دینا ثابت و درست ہے یا نہیں؟

---

(۳۴): (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت، ج: ۱، ص: ۱۶۲)

(۳۵): ومنها وضع الحدود والتزام الکیفیات والهیئات المعینة، والتزام العبادات المعینة فی أوقات معینة لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعة. (الاعتصام، ج: ۱، ص: ۴۶، ط، مکتبة التوحید)

﴿جواب﴾:

جاءنماز بنانا زائد ہے اگر مال یتیم سے بنائی جاتی ہے تو حرام ہے(۳۶) اور اگر مال یتیم سے نہیں ہے تو اس کو ضروری جاننا بدعت ہے(۳۷) اگر صدقہ کپڑے کا کرنا منظور ہے تو ورثہ بالغین کو کیا ضرور ہے کہ جانماز بنائی جاوے اور امام کے پاؤں کے نیچے ڈالی جاوے ویسے ہی دے دینا چاہئے مگر چونکہ مسجد کے ملانوں نے اسی بہانہ سے ایک گز کپڑا لینا ایجاد کیا ہے تو اس مکاری سے اس رسم کو جاری کیا ورنہ اس کی کچھ اصل نہیں اور نہ ائمہ مجتہدین سے کہیں ثابت اور نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



میت کو قبر میں کیسے لٹایا جاے

﴿سوال﴾:

میت کو دفن کرنا سیدھی کروٹ پر برُخ قبلہ چاہئے یا بحسب رواج چت منہ بقبلہ بثبوت روایات معتبرہ حدیث وفقہ مسلمہ حنفیہ مدلل ومفصل ارقام فرمایا جاوئے۔

﴿جواب﴾:

واللہ تعالٰی ملهم للحق والصواب: دفن کرنا میت کو داہنے پہلو پر قبلہ رُخ بالاتفاق مسنون ومتوارث ومعمول بہا بلاخلاف ہے بلکہ کلام فقہاء علیہم الرحمۃ اس کے خلاف کے منع پر مصرح موجود ہے لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ اس طریقہ کو معمول بہا اپنا ٹھہرا کر اپنے

(۳۶):وأخرج ابن أبی حاتم عن عبیداللّٰہ بن أبی جعفر قال: من أكل مال الیتیم فانه یؤخذ بمشفرة یوم القیامة، فیملأفوه جمرا، فیقال له: كل كما أكلته فی الدنیا ثم یدخل السعیر الكبرى. (الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ج: ۴، ص: ۲۵۱)

(۳۷): دیکھئے حاشیہ نمبر ۳۵۔

موتی کو بروجہ ملت وسنت سید المرسلین علیہ التحیۃ وعلی الہ وصحبہ وسلم پر دفنا دیں اور جانب پشت میت مٹی کے ڈھیلے سے تکیہ لگادیں تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے جانب پشت لوٹ نہ جاوے۔

قال فی الهداية اذا احتضر الرجل وجه الی القبلة علی شقة الایمن اعتباراً لحال الوضع فی القبر انتهٰی وقال النهاية وفی حالة اللحد فانه یوضع علی شقة الایمن وقال فی فتح القدیر واما ان السنة کونه علی شقة الایمن فقیل یکمن استدلال علیه بالحدیث النوم فی الصحیحین عن البرآء بن عازب عنه علیه الصلوٰة والسلام قال اذا اتیت مضجعک فتوضا وضوءک للصلوة ثم اضطجع علٰی شقه الایمن وقل اللّٰهم انی اسلمت نفسی الیک الی ان قال فان مت مت علی الفطرة. وفی شرح النهاية لالیاس زاده ویوجه الی القبلة ای یوضع فی القبرعلٰی جنبه الایمن مستقبل القبلة انتهٰی وقال فی البرهان شرح مواهب الرحمٰن یوجه الی القبلة علی جنبه الایمن لما روی ابوداؤد والنسائی ان رجلا قال یارسول اللّٰه ما الکبائر قال تسع فذکر منهااستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاءً واموا تاً رواه الحاکم فی المستدرک ایضا وقال قد احتج الشیخان بروایة هذا الحدیث غیر عبدالحمید بن حنان انتهٰی واخرجه ابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویه عن عمیر اللیثی ایضا واخرج علی بن الجعد فی الجعدیات عن ابن عمر مرفوعاً ایضاً وقال فی الفتاوی قاضی خان یدخل المیت القبر من قبل القبلة ویوضع فیه علی جنبه الایمن مستقبل القبلة انتهٰی. وقال فی الجوهرةالنیرة شرح القدروی بذلک امر رسول اللّٰهﷺ حین مات رجل من بنی عبدالمطلب فقال یاعلی استقبل القبلة استقبالا وقولوا جمیعا بسم اللّٰه وعلی ملة رسول اللّٰه وضعوه لجنبه ولاتکبره بوجهه ولاتلقوه علی

ظهره انتهٰی. وفی مسند البزار عن معاذ بن جبل مرفوعاً فی حدیث طویل مشتمل علی ذکر تشفیع القراٰن فی القبر ثم یضجعه الملائکة فی القبر علی شقه الایمن مستقبلة القبلة انتهٰی. وقال فی تحفة الملوک مع شرح منحة السلوک للعینی ویضجع علی شقة الایمن موجها الیها هکذا جرت السنة الیها انتهٰی. وقال فی غنیة المستملی شرح منیة المصلی یوجه المیت الی القبلة فی القبر علی جنبه الایمن ولایلقی علی ظهره قال السروجی فی شرح الهدایة ذکر فی کتب اصحاب الشافعی واحمد بن حنبل یوضع تحت راسه لبنه او حجرة ولم اقف علیه من اصحابنا انتهٰی. وقال فی المحیط وفی اللحد یضجع علی شقه الایمن ووجه الی القبلة هکذا توارثت السنة انتهٰی. وقال فی الدرالمختار ویوجه الیها وجوباً وینبغی کونه علی شقه الایمن انتهٰی وهکذا فی النهرالفائق والبحر الرائق والعالمگیریه وشرح القدوری لعبد الغنی المیدانی والسراج الوهاب والمستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق ملامسکین الهروی وطوالع الانوار حناشیة الدر المختار والتاتارخانیه واکثر العباد والبدائع وجامع الرموز وغیرها من الکتب الفقه الحنفیه کذا فی رفع الستر عن کیفیة ادخال وتوجیه الی القبلة فی القبر مستقبل القبلة انتهٰی. وایضا قال فیه ویکون نومه علی ماذکر فی الخبر علی جنبه الایمن مستقبل القبلة کما یکون فی اللحد انتهٰی. وقال فی کشف الغطاء ودرشرح منیہ گفتہ مرد باشد میت یازن نہادہ شود میت را بر پہلوئی راست او مستقبل قبلہ کذا فی الخلاصہ ودرعنایہ دراول باب الجنائز اتفاق روایات براین وضع ذکر کردہ ودرشرح منیہ گفتہ ونہادہ نہ شود بر پشت اوتکیہ دادہ شود میت راپس پشت او بخاک مانند آں تامنقلب نگردد ودرنہایۃ حدیثے ورامر باستقبال میت بسوئے قبلہ ونہی از القاء او بر پشت نقل کردہ ونہادہ شود زیر سراوخشتے کذا فی الغرائب

انتہٰی ۔وقال فی الدرر البھیہ للامام شوکانیؒ ویوضع علی جنبہ الایمن مستقبلا انتہٰی وقال فی فی الروضۃ الندیہ شرح الدرر البھیۃ وھو ممالااعلم فیہ خلافا انتہٰی وقال فی فتح القدیر شرح الھدایۃ وذلک انہ علیہ السلام فی القبر الشریف علی شقۃ الایمن مستقبلۃ القبلۃ انتہٰی فقط واللّٰہ سبحانہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم قد صح الجواب وھو المطابق للسنۃ والکتاب وخلافہ باطل من غیر شک والارتیاب العبد محمد سلامت اللّٰہ عفی عنہ.

کتبہ ابوسعید احمد عفی عنہ ابو الذکاء سراج الدین محمد سلامت اللہ ۱۹۲۶ء رامپوری شاگرد مولوی ارشاد حسین صاحب مرحوم۔

ہذا الجواب صحیح الجواب حق العبد التواب ولد حافظ محمد عمر خان

محمد جعفر علی خاں محمد جعفر علی عفی عنہ محمد عبدالوہاب خان ۱۲۸۵۔

ولد محمد اکبر علی خاں

العمل عندنا فی الحرمین الشریفین وسائر بلاد العرب علی الاضجاع علی الشق الایمن واللّٰہ الموفق محمدطیب المکی المدرس الاول فی مدرسۃ العالیۃ الرامفوریۃ محمد طیب.

روایات مذکورہ جواب مدعا مجیب پر صریح ہیں ان روایات سے مدعا مجیب بلاشبہ ثابت ہے محمد فضل حق بقلم خود مدرس دوییم مدرسہ عالیہ ریاست رامپوری۔ الجواب مطابق للسنۃ والکتاب العبد محمد ارشد علی عفی عنہ مدرس سوم مدرسہ عالیہ رامپور۔ جواب صحیح ہے۔

شرافت اللہ عفی عنہ مدرس ششم مدرسہ ریاست رامپور۔ ہذا الجواب مطابق لہذہ الروایت واللہ اعلم بالصواب محمد معز اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور۔ الجواب حق صریح بلاخوف واللہ تعالٰی اعلم بالصواب نمقہ المذنب الاواہ محمد لطف اللہ عفی عنہ امام ومفتی رامپور۔ خادم شریعت رسول اللہ مفتی محمد لطف اللہ ۱۲۹۸۔ الجواب صحیح عبدالقادر مفتی عدالت

دیوانی ریاست رامپور۔

مواہیر علماء مرادآباد:

الجواب صواب محمود حسن مدرس مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد۔لقد اصاب من اجاب محمد ہدایت العلی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی لکھنوی ثم المرادآبادی۔الجواب حق محی الدین عفی عنہ مرادآبادی قاضی ریاست بھوپال۔الجواب صحیح والرائے نجیح کذالک الجواب محمد صدیق عفی عنہ مرادآبادی۔محمد قاسم علی عفی عنہ امام ومفتی شہر مرادآباد۔مولانا محمد عالم علی ۱۲۹۶ھ محمد قاسم علی خلف۔

جواب درست است محمد گل مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد۔شگفتہ محمد گل ۱۳۰۰۔اسمہ احمد ۱۲۹۷۔

الجواب صحیح محمد حسن عفی عنہ مرادآبادی مدرس اول ریاست بھوپال الجواب صحیح مولانا احمد حسن صاحب امروہی۔کذلک الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔عبدالرحمٰن ابن مولانا عنایت اللہ قال فی مختصر الوقایۃ۔

کان اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین مرحوم مدرس حال مرادآباد لوجہ الی القبلۃ محمد ابوالفضل ۱۳۱۱۔مشہور فضل محمد امام مسجد چوکی حسن خان مرادآباد۔

تصدیق علمائے دیوبند:

الجواب حق صحیح بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی مفتی مدرسہ عالیہ۔

وتوکل علی العزیز الرحمٰن۔

الجواب صحیح بندہ مسکین محمد یٰسین خادم مدرسہ عربیہ دیوبند۔

الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند۔الٰہی عاقبت محمود گردان۔

الجواب صحیح بندہ غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔الجواب صحیح احقر الزمان گل محمد خاں مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔الجواب صحیح محمد حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔

الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ مدرس اول مدرسہ سہانپور۔ الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ تھانوی۔ ۱۶۔ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔

اشرف علی از گروہ اولیاء

مواہیر علمائے دہلی:

الجواب صحیح محمد بشیر عفی عنہ محدث سہسواتی۔ الجواب صحیح الرائے نجیح عبدہ احمد عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ حاجی علی جان مرحوم۔

تصدیق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمۃ:

در مسئلہ مذکورہ بالا۔ حافظ سید زاہد حسن صاحب سلمہ امروہوی منتظم مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد نقل فرماتے تھے کہ میں مجلس حضرت مولانا علیہ الرحمۃ میں حاضر تھا اور مسئلہ ہذا کا تذکرہ تھا۔ سو ارشاد فرمایا کہ میت کو داہنے پہلو پر رخ بقبلہ ہی لٹانا چاہیے اور یہی مسنون ہے العبد بندہ عزیز الدین عفی عنہ مراد آبادی۔



قبر میں دفن کرتے وقت بیری کی لکڑی رکھنا

سوال:

قبر میں بروقت دفن کرنے کے ایک لکڑی درخت بیری کی ضرور رکھتے ہیں۔ جائز یا نہیں؟

جواب:

اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے (۳۸) اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض

---

(۳۸): من اصر علی أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة أو منکر. (مرقاة المفاتیح شرح

ہے۔لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہیے اور اس کی کچھ اصل نہیں (۳۹) فقط۔



ولی کی اجازت کے بغیر جنازہ سے جانا

﴿سوال﴾:

اگر کوئی بغیر دریافت کئے اہل میت کے جنازہ سے چلا جائے تو کچھ خطاوار تو نہیں ہے؟

﴿جواب﴾:

بدون اذن ولی میت کے جانا مکروہ ہے (۴۰)۔



مشکاۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشھد، الفصل الاول، ج: ۳، ص: ۲۶، رقم: ۹۴۶،ط، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان)

(۳۹):عن ابن عمر قال :قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فھو منھم. (أبوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرۃ،ص: ۵۶۹، رقم: ۴۰۳۱،ط، دارالسلام، ریاض)

عن سعد بن ابراھیم سمع القاسم قال: سمعت عائشة رضی اللہ عنہا تقول: قال رسول اللّٰہ ﷺ: من عمل عملاً لیس علیه أمرنا فھو رد. (مسند احمد بن حنبل، ص: ۱۸۹۸، رقم الحدیث: ۲۵۹۸۶)

فی الھندیة: ویکرہ عند القبر مالم یعھدمن السنة. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاۃ، البناب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی اخر، ج: ۱، ص: ۱۶۶)

(۴۰):اخرج ابن ابی شیبة عن ابن جریج قال: قال رجل لنافع: أکان ابن عمر یرجع من الجنازۃ قبل أن یؤذن له بعد فراغھم؟ قال: ماکان یرجع حتی یؤذن له.

ملفوظات

شیعہ کی تجہیز و تکفین سنی کیسے کریں

﴿۱﴾ جولوگ شیعہ کو کافر کہتے ہیں ان کے نزدیک تو اس کی نعش کو ویسے ہی کپڑے میں لپیٹ کر داب دینا چاہئے (۴۱) اور جو لوگ فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک ان کی تجہیز

(رواه ابن ابی شیبةفی المصنف فی کتاب الجنائز، باب فی الرجل یصلی علی الجنازة أله أن لایرجع حتی یؤذن له، ج: ۴، ص: ۵۱۲، رقم: ۱۱۶۴۱، ط، مکتبة الرشد ریاض/ وعبدالرزاق فی المصنف فی کتاب الجنائز، باب انصراف الناس من الجنازة قبل أن یؤذن لهم، ج: ۳، ص: ۵۱۳، رقم: ۶۶۲۱، ط، المکتب الاسلامی، بیروت لبنان)

فی التاتارخانیة: ولاینبغی أن یرجع من جنازة حتی یصلی علیه، وبعد ما صلی لایرجع الا باذن أهل الجنازة قبل الدفن، وبعد الدفن یسعه الرجوع بغیر اذنهم. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، حمل الجنازة، ج: ۳، ص: ۳۹، ط، مکتبة زکریابدیوبند الهند)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی حمل الجنازة، ج: ۳، ص: ۷۲، ط، المجلس العلمی)

(۴۱):وفی الهدایة: واذا مات الکافر وله ولی مسلم، فانه یغسله ویکفنه ویدفنه، بذلک أمر علی فی حق أبیه أبی طالب، لکن یغسل غسل الثوب النجس، ویلف فی خرقة، وتحفر خفیرة من غیر مراعاة سنة الکتفین واللحد، ولایوضع فیه بل یلقی. (الهدایة شرح بدایة المبتدی، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی حمل الجنازة، المجلد الأول، جزء الثانی، ص: ۱۴۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

وتکفین حسب قاعدہ ہونا چاہئے اور بندہ بھی ان کی تکفیر نہیں کرتا[۱]۔



(وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، قبیل باب الشھید، ج: ۱، ص: ۹۷، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[۱]: حضرت کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ کے کفر کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف تبرائی شیعہ کے بارے میں ہے اس لیے کہ فقہاء کرام کے درمیان جو اختلاف ہے وہ تبرائی شیعہ کے بارے میں ہے، اکثر فقہاء کرام نے تبرائی شیعہ کو کافر قرار دیا ہے۔ اور حضرت گنگوہی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ نے بھی دوسرے مقام پر تبرائی شیعہ کو کافر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں کتاب الجنائز میں عنوان ''رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

''سوال: رافضی تبرائی کے جنازہ کی نماز جو کہ اصحابہ ثلاثہ کی شان میں کلمات بے ادبی کہتا ہے پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: ایسے رافضی کو اکثر علماء کافر فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس کی صلوۃ جنازہ پڑھنی نہ چاہیے''۔

اور اس کے علاوہ کتاب النکاح میں عنوان: ''سنی عورت کا رافضی سے نکاح کرنے کا مسئلہ'' کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

''سوال: جو عورت سنیہ رافضی کے تحت میں بعد ظہور رفض کے بخوشی خاطر رہ چکی ہو پھر رفض یا دوسری شے کو حیلہ قرار دے کر بلا طلاق علیٰحدہ ہو جائے اور سنی سے نکاح کر لیوے تو یہ نکاح بلا طلاق شیعہ کے کیا حکم رکھتا ہے اور اولاد سنی کی اگر رافضی ہو جاوے تو پدر سنی کے ترکہ سے محروم الارث ہوگئی یا نہیں؟

جواب: جس کے نزدیک رافضی کافر ہے وہ فتویٰ اول سے ہی بطلان نکاح کا دیتا ہے اس میں اختیار زوجہ کا کیا اعتبار ہے پس جب چاہے علیٰحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے اور جو فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ امر ہرگز درست نہیں کہ نکاح اول صحیح ہو چکا ہے۔ اور بندہ اول مذہب رکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم علیٰ ہذا رافضی اولاد سنی کو ترکہ سنی سے نہ ملے گا''۔

باقی رہا غالی شیعہ یعنی شیعہ اثنا عشریہ تو وہ بالاجماع کافر ہے۔ بقول ہمارے اکابرین کے فی زمانہ جن کو شیعہ کہا جاتا ہے وہ غالی شیعہ ہی ہیں۔ اور اس کے علاوہ تفضیلی شیعہ یعنی وہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ

. . . .

تعالیٰ عنہ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ترجیح دیتے ہیں اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر نہیں ہیں تو وہ بالاتفاق کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں۔

شہید اسلام حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں شیعہ فرقہ کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''بعد میں شیعوں میں بہت سے فرقے ہوئے، جن کی تفصیل حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ انہی میں سے ایک فرقہ ''شیعہ امامیہ'' یا شیعہ اثنا عشریہ'' کہلاتا ہے، اور یہی فرقہ آج کل عام طور سے ''شیعہ'' کہلاتا ہے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص:۲۷، ط: مکتبہ لدھیانوی کراچی)

وفی فتاوی فریدیہ:

چونکہ موجودہ دور کے شیعہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی براءۃ سے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بداء اور قرآن پاک میں کمی بیشی اور امامت کی نبوت پر فضیلت کلاً یا بعضاً کے قائل ہیں لہٰذا ان کے کافر ہونے میں شک نہیں ہے..الخ۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۱۳۳)

وفیہ أیضاً:

پاکستانی شیعہ اکثری طور سے کافر ہیں کیونکہ یہ ضروریات دین مثلاً نبوت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، براءۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انکاری ہیں اور چونکہ یہ لوگ باوجود دعوی اسلام کے ان ضروریات سے منکر ہیں لہٰذا اس کفر کی وجہ سے ان سے مسلمان عورت کا نکاح ناجائز ہے..الخ۔ (فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۱۳۳)

وفی فتاوی قاسمیہ:

اس وقت ہندوستان میں جن لوگوں کا شیعہ ہونا مشہور ہے اور جن کے باطل عقائد کی بنا پر لوگ ان کو شیعہ کہتے ہیں، وہ سب فرقہ اثنا عشریہ اور غالی شیعہ ہیں، جن پر کفر کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص:۲۹۶، ط: مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)

. . . .

وفيه أيضاً:

ہندوستان میں رہنے والے جتنے بھی شیعہ ہیں، تقریباً سبھی اثنا عشریہ اور شیعہ غالی ہیں، جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سب وشتم کرتے ہیں..الخ۔ (فتاوی قاسمیہ، ج:۲، ص:۳۰۶، ط: مکتبہ اشرفیہ دیوبند الہند)

وفي كتاب النوازل:

آج کل عموماً جو شیعہ پائے جاتے ہیں جنہیں ''شیعہ امامیہ'' اور ''اثنا عشریہ'' کہا جاتا ہے، وہ اپنے غلط عقائد ونظریات کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔

(۱) یہ لوگ اپنے اماموں کو معصوم مان کر انہیں نبی کا درجہ دیتے ہیں۔

(۲) تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

(۳) حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کافر مرتد قرار دیتے ہیں۔

(۴) حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرا بازی کرتے ہیں۔

(۵) متعہ کے نام سے درپردہ زناکاری کو جائز کہتے ہیں۔

الغرض ان کے دین کا شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، ان کی اذان الگ، ان کی نماز الگ، ان کی عبادات الگ اور ان کا حج الگ، سب چیزیں الگ ہیں، ان کی کتابیں لچر عقائد اور جھوٹی احادیث سے بھری پڑی ہیں۔

(۶) ایسے عقائد رکھنے والے فرقے یقیناً کافر ہیں اور جہنم کے مستحق ہیں۔ (کتاب النوازل، ج:۲، ص:۵۳، ۵۴، ط: المرکز العلمی للنشر والتحقیق لال باغ مرادآباد الہند)

وفي الشامية: اقول: نعم نقل في البزازية عن الخلاصة أن الرافضي اذا كان يسبّ الشيخين ويلعنهما فهو كافر، وان كان يفضل عليا عليهما فهو مبتدع........ نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها، أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في عليؓ، أو ان جبريلً غلط في الوحي، أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن.ا لخ. (ردالمحتار علي الدرالمختار، كتاب

. . . .

الجهاد، باب المرتد، ج: ٦، ص: ٣٧٧، ٣٧٨: ط، دار عالم الكتب الرياض)

وفى الهندية: الرافضى اذا كان يسب الشيخين ويلعنهما والعياذ بالله فهو كافر وان كان يفضل عليا كرّم الله وجهه على أبى بكر رضى الله تعالىٰ عنه لايكون كافراً الا أنه مبتدع.....ولوقذف عائشة رضى الله عنها بالزنى كفر بالله.....من أنكر امامة أبى بكر الصديق رضى الله عنه فهو كافر وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح أنه كافر وكذلك من أنكر خلافة عمر رضى الله عنه فى الأصح الاقوال كذا فى الظهيرية. ويجب اكفارهم باكفار عثمان و على وطلحة وزبير وعائشة رضى الله تعالىٰ عنهم ويجب اكفار الزيدية كلهم فى قولهم بانتظار نبى من العجم ينسخ دين نبينا وسيدنا محمد صلى الله عليه وسلم كذا فى الوجيز للكردرى. ويجب اكفار الروافض فى قولهم برجعة الاموات الى الدنيا و بتناسخ الارواح وبانتقال روح الاله الى الائمة وبقولهم فى خروج امام باطن وبتعطيلهم الامر والنهى الى أن يخرج الامام الباطن وبقولهم ان جبريل عليه السلام غلط فى الوحى الى محمد صلى الله عليه وسلم دون على بن أبى طالب رضى الله عنه وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام وأحكامهم أحكام المرتدين كذا فى الظهيرية. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع فى احكام المرتدين، ج: ٢، ص: ٢٦٤)

وفى البحر: الثانية الردة بسب الشيخين وطعن فيهما كفر، وان فضل عليا عليهما فمبتدع. (البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، ج: ٥، ص: ٢١٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى الخلاصة: الرافضى ان كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر وان كان يفضل عليا على ابى بكر وعمر رضى الله تعالى عنهم لا يكون كافرا لكنه مبتدع. (خلاصة الفتاوى، كتاب الفاظ الكفر، ج: ٤، ص: ٣٨١، ط: مكتبه رشيديه كوئٹه)

وفى الفتاوى التاتارخانية: ويجب اكفار الروافض فى قولهم يرجع الأموات الى الدنيا، وبانتقال الأموات وتناسخ الأرواح وانتقال روح الاله الى الأئمة، وأن

. . . .

الأئـمة آلهة، ولـقـولهـم فى خروج امام باطن، وتعطيلهم الأمر والنهى الى أن يخرج الامـام، وبـقـولهـم ان جبـرئيل غلط فى الوحى الى محمد صلى اللّٰه عليه وسلم دون عـلـى بـن أبـى طـالـب رضى اللّٰه تعالى عنه، وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام، وأحـكامهم المرتدين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين،الفصل السابع والعشرون، فيمن يجب اكفاره من أهل البدع، ج: ۷، ص: ۳۶۴، ط، مكتبة زكريا بديوبند،الهند)

وفـى الاشبـاه: سـب الشيـخين ولعنهما كفر، وان فضل عليا رضى اللّٰه تعالى عنـه عـليهـمـا فـمبتـدع كـذا فـى الـخـلاصة. وفى مناقب الكردرى يكفر اذا انكر خـلافتهـمـا أو أبـغـضهـمـا لـمـحبة الـنبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم لهما. (الاشباه والـنـظائر مع غمز عيون البصائر، كتاب السير وفيه حكم الردة، ج: ۲، ص: ۱۹۷، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفـى البـزازية: ويـجـب اكـفـار الكيسانية فى اجازتهم البداء على اللّٰه تعالى واكفار الروافض فى قولهم برجعة الاموات الى الدنيا وبنسخ الارواح وانتقال روح الالـه الى الأئمة وان الأئمة آلهة وفى قولهم يخروج امام ناطق بالحق وانقطاع الامر والـنهـى الامـر والنهى الى أن يخرج وبقولهم ان جبريل عليه السلام غلط فى الوحى الـى مـحـمـد صـلـى الـلّٰه تعالى عليه وسلم دون على كرم اللّٰه وجهه وأحكام هؤلاء أحـكـام الـمـرتـديـن ومـن أنـكـر خـلافة أبـى بكر رضى اللّٰه تعالى عنه فهو كافر فى الـصـحيـح ومـنـكر خلافة عمر رضى اللّٰه تعالى عنه فهو كافر فى الاصح. (الفتاوى البـزازية عـلـى هـامـش الـفتـاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون اسلاما أو كفرا أو خطأ، ج: ۶، ص: ۳۱۸)

وفـى مجمع الأنهر: وبقذفه عائشة رضى اللّٰه تعالى عنها، وانكاره صحبة أبى بـكـر رضى اللّٰه تعالى عنه، وبانكاره امامته على الأصح، وبانكاره صحبة عمر رضى الـلّٰه تعالى عليه وسلم. (كتاب السير والجهاد، باب المرتد، ج: ۲، ص: ۵۰۷، ط:

زمین غیر وقف میں میت کے استخواں بوسیدہ ہوکر مٹی ہوجاویں تو اس پر زراعت و بناء کا حکم

﴿۲﴾ جب کسی زمین غیر وقف میں میت کے استخوان بوسیدہ ہوجاویں تو زراعت و بناء اس پر درست کہتے ہیں (۴۲)۔تو درخت کا لگانا چلنا پھرنا سب درست ہوا اور زمین کا

دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي النهر: وأما سب الشيخين أو لعنهما ففى الخلاصة وغيرها أنه كفر. (النهر الفائق، كتاب الجهاد، باب المرتدين، ج: ۳، ص: ۲۵۳، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الجوهرة: ومن سب الشيخين، أو طعن فيهما يكفر ويجب قتله...الخ. (الجوهرة النيرة، كتاب السير، مطلب فى أحكام المرتد، ج: ۲، ص: ۶۰۶، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي المرقات: قال: سب الشيخين ولعنهما كفر، وان فضل عليا عليهما فمبتدع كذا في الخلاصة. وفي مناقب الكردرى: يكفر اذا أنكر خلافتهما أو أبغضهما لمحبة النبي لهما.الخ. (مرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب الصحابة، ج: ۱۱، ص: ۱۵۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الجهاد، باب المرتد، ج: ۶، ص: ۳۹۲، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ فتاوى ابن نجيم، كتاب السير، ص: ۷۴، ط: المكتبة الأزهرية للتراث)

(۴۲):في تبيين الحقائق: ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره وزرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ج: ۱، ص: ۲۴۶، ط، مكبه امداديه ملتان)

وفي الهندية: ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه

کھودنا بھی درست ہوا البتہ اس کی کوئی حد معین نہیں۔ شور زمین میں جلد مردہ بوسیدہ ہوجاتا ہے۔ غیر شور زمین میں بدیر فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔



والبناء عليه كذا فى التبيين. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن والنقل من مكان الى اخر، ج: ١، ص: ١٦٧)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلاته، ج: ٢، ص: ٣٤٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

مسائل منثورہ

انجمن حمایت الاسلام لاہور کی کتابوں کا مرکز

﴿ســـوال﴾:

انجمن حمایت الاسلام کا مذہب کیا ہے اور اس انجمن نے جو کتابیں اردو میں دینیات کی تالیف فرمائی ہیں بچوں کو ان کا پڑھانا مفید ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

انجمن حمایت الاسلام کا مذہب اہل سنت والجماعت ہے اور ان کی کتابیں دینیات کی اچھی ہیں گو بندہ نے تمام وکمال دیکھا نہیں ہے ان کے پڑھانے سے بچوں کو انشاء اللہ نفع ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



تقویۃ الایمان وصراط مستقیم

﴿ســـوال﴾:

کتاب تقویۃ الایمان وایضاح الحق وصراط مستقیم تینوں کتب کس کی تصنیف سے ہیں اور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کس کی تصنیف سے ہے یعنی اس کے مؤلف کون ہیں؟

﴿جواب﴾:

حجۃ اللہ البالغہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور صراط مستقیم وتقویۃ الایمان جناب مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ایضاح الحق بندہ کو یاد نہیں ہے کیا مضمون ہے کس کی تالیف باقی ان تینوں کتابوں سے میں واقف ہوں اور اس خاندان سے مستفید اور ان کے عقائد وخیالات پر پورا مطلع رسوم مروجہ کو جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر استیصال فرمایا ہے حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر

دے مجلس مولود اور اس میں قیام وغیرہ کی نسبت بارہا لکھا گیا ہے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



محمد عبدالوہاب نجدی کا مذہب

﴿سوال﴾:

عبدالوہاب نجدی کیسے شخص تھے؟

﴿جواب﴾:

محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا سنا ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا اور عامل بالحدیث تھا بدعت وشرک سے روکتا تھا مگر تشدید اس کے مزاج میں تھی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۱): حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فتوے اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے متعلق ایک سوال کا فتاوی محمودیہ میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ:

عبدالوہاب نجدی کے ابتدائی حالات جو مشہور تھے وہ یہی تھے وہ بدعات کو مٹا کر سنت کو قائم کرنا چاہتے ہیں، یہی شہرت ہندوستان میں بھی پہنچی، اس شہرت کی بناء پر نیز ہر مسلمان سے حسن ظن رکھنے کا حکم ہے، اس بناء پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے رائے تحریر کی جو فتاوی رشیدیہ میں درج ہے....اگر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ حالات پہنچ جاتے جو شامی میں درج ہیں تو ظاہر ہے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی رائے قائم نہ فرماتے جو فتاوی رشیدیہ میں ہے.....علاوہ ازیں مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ''الشہاب الثاقب'' میں ان مسائل کی فہرست درج کی ہے جس میں وہابی نجدی مسائل سے علماء دیوبند کا مسلک بالکل جداگانہ ہے اور اختلاف شدید ہے...الخ۔ (فتاوی محمودیہ، ج:۴، ص:۱۶۲،۱۶۳)

فی الشامیة: وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجد

وہابی کا عقیدہ

﴿ســـوال﴾:

وہابی کون لوگ ہیں اور عبدالوہاب نجدی کا کیا عقیدہ تھا اور کون مذہب تھا اور وہ کیسا شخص تھا۔ اور اہل نجد کے عقائد میں اور سنی حنفیوں کے عقائد میں کیا فرق ہے؟

﴿جواب﴾:

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے۔ اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آ گیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا ہے۔



وتغلبوا على الحرمين وكانوا تنتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشركون، واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم، حتى كسر الله تعالىٰ شوكتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب في اتباع عبدالوهاب الخوارج في زماننا، ج: ٦، ص: ٤١٣، ط، دار عالم الكتب رياض)

وقال المحدث الكبير الشيخ محمد انور الكشميري نور الله مرقده: أما محمد بن عبدالوهاب النجدي فانه كان رجلاً بليداً قليل العلم، فكان يتسارع الى الحكم بالكفر ولاينبغي أن يقتحم في هذا الوادي الا من يكون متيقظاً متقناً عارفاً بوجوه الكفر و أسبابه. (فيض الباري على صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم اياما معلومة، ج: ١، ص: ٢٥٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في المهند على المنفد للسهارنفوريؒ، ص: ٤٤، ٤٥، ط، قديمي

حبیب حسن واعظ سہارنپوری

﴿سوال﴾:

یہاں ایک شخص واعظ حبیب حسن سہانپوری آئے تھے انہوں نے اکثر مضامین ومسائل رطب ویابس فرمائے اور حضور کی نسبت جو پوچھا جاتا تھا تو سکوت کرتے تھے۔ اگران کا حال معلوم ہوتو مطلع فرمائیے کہ کس عقائد کے ہیں اور کس استعداد کے ہیں یہاں تو ایک فعل کے تین چار فاعل پڑھتے تھے زیادہ حدادب اس امر سے بالضرور اغماض نہ فرمایا جاوے۔ فقط

﴿جواب﴾:

حبیب حسن کوئی واعظ سہارنپوری بندہ کومعلوم نہیں اور نہ کوئی عالم وہاں اس نام کا ہے لوگوں نے باوجود جہل کے اردو کتب دیکھ کر واعظ کا حیلہ دنیا کی معاش کے واسطے اختیار کرلیا ہے۔ خلق کوگمراہ کرتا ہے حق تعالیٰ پناہ دیوے اگر بندہ کومعلوم ہوتا تو صاف لکھتا مگر یہاں کوئی مولوی اس نام کا نہیں وہاں کے سب علماء سے بندہ واقف ہے۔ فقط والسلام



حضرت معاویہؓ کا یزید کوخلیفہ بنانا

﴿سوال﴾:

حضرت معاویہؓ نے اپنے روبرو یزید پلید کوولی عہد کیا ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

حضرت معاویہؓ نے یزید کوخلیفہ کیا تھا۔ اس وقت یزید اچھی صلاحیت میں تھا(۲)۔ فقط



کتب خانہ کراچی)

(۲):في البداية: فلما مات الحسنؓ قوى أمر يزيد عند معاويةؓ، ورأى أنه

حضرت معاویہؓ کا وعدہ حسینؓ سے

﴿سوال﴾:

جب کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت امام حسینؓ سے اقرارانامہ لکھا تھا کہ تا زندگی یزید پلید کو ولی عہد نہ کروں گا۔ پھر حضرت معاویہؓ اپنے قول سے کیوں پھر گئے اور یزید پلید کو کیوں ولی عہد کیا؟ صحابی سے اقرار توڑنا بعید معلوم ہوتا ہے قمار باز اور شراب خور یزید پہلے ہی سے تھا یا ولی عہدی کے وقت نہ تھا۔ مفصل صحیح کس طور پر ہے؟

﴿جواب﴾:

حضرت معاویہؓ نے کوئی وعدہ عہد یزید کو خلیفہ کرنے کا نہیں کیا یہ واہیات وقائع ہیں فقط۔ یزید اول صالح تھا بعد خلافت کے خراب ہوا تھا (۳)۔



لذلک أهلاً، وذاک من شدة محبة الوالد لولده، ولما كان يتوسم فيه من النجابة الدنيوية، وسيما أولاد الملوک ومعرفتهم بالحروب وترتيب الملک والقيام بأبهته وكان ظن أن لايقوم أحد من أبناء الصحابة فی هذا المعنی، ولهذا قال لعبدالله ابن عمرؓ فيما خاطبه به: انی خفت أن أذر الرعية من بعدی كالغنم المطيرة ليس لها راع..... وروينا عن معاوية أنه قال يوما فی خطبته: اللهم ان كنت تعلم أنی وليته لانه فيما أراه أهل لذلک فأتمم له ما وليته، وان كنت وليته لأنی أحبه فلا تتمم له ما وليته. (البداية والنهاية، ج: ۸، ص: ۸۰، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

(۳):وولد معاوية أمير المؤمنين بن أبی سفيان رضی الله عنه: عبدالله،لاعقب له، لم يكن له ابنة تزوجها عبدالله بن يزيد بن معاوية، ويزيد..... كان قبيح الآثار فی الاسلام قتل أهل المدينة وافاضل الناس وبقية الصحابة رضی الله عنهم يوم الحرة فی آخر دولته، وقتل الحسين رضی الله عنه وأهل بيته فی اول دولته، وحاصر ابن الزبير رضی الله عنه فی المسجد الحرام

کیا شمر حافظ قرآن تھا

﴿سوال﴾:

وعظ میں سنا ہے کہ شمر قاتل امام حسین بڑا حافظ قرآن تھا۔ بروقت قتل کرنے امام ہمام کے نوسیپارہ ذرا دیر میں پڑھ لئے تھے۔ یہ سچ ہے یا غلط ہے؟

﴿جواب﴾:

یہ قصہ ڈھکوسلا جہال واعظین کا ہے۔



واستخف بحرمة الكعبة والاسلام فأماته الله فى تلك الايام...الخ. (جمهرة أنساب العرب لابن حزم، ص: ۴۵)

وفى تهذيب التهذيب: وقال يحيى بن عبدالملك بن ابى غنية احد الثقات ثنا نوفل بن ابى عقرب ثقة قال كنت عند عمر بن عبدالعزيز فذكر رجل يزيد بن معاوية فقال قال امير المؤمنين يزيد فقال عمر تقول امير المؤمنين يزيد وامر به فضرب عشرين سوطاً. (تهذيب التهذيب، ج: ۱۱، ص: ۳۶۰، ۳۶۱، ط، مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة فى الهند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الطہارت

طہارت کے مسائل

باب غسل ووضو کا بیان

﴿سوال﴾:

اگر کسی شخص کو انزال ہوا اور بعد انزال کے پیشاب نہ آیا اور اس نے پنبہ رکھ لیا۔ بعدہٗ بقیہ قطرہ منی اپنی جگہ سے آ کر ذکر میں بوجہ پنبہ کے اندر ہی رہا بعد دو تین گھنٹہ کے پیشاب کے ساتھ وہ روئی نکلی تو اس شخص کو اعادہ غسل واجب ہے یا نہیں اور یہ شخص بوجہ قطرہ مرض کے پنبہ رکھتا تھا۔ اب حضور! قطرہ منی ساتھ اس کا کیا ہے۔ اور پنبہ خشک نکلے یا تر ذکر سے تو ہر دو۲ حالت میں ایک ہی حکم ہے یا فرق ہے؟ فقط۔

﴿جواب﴾:

اگر بعد اخراج پنبہ پھر خروج منی ہوا ہے۔ تب امام صاحب کے نزدیک غسل کا اعادہ لازم ہوگا (۱) اور اگر بعد اخراج پنبہ پھر منی نہیں نکلی تو اعادہ غسل واجب نہ ہوگا۔ پنبہ اگر منی

---

(۱):ان المجامع اذا اغتسل قبل أن یبول أو ینام ثم سال منه بقیة المنی من غیر شهوة یعید الاغتسال عندهما خلافاً له، فلو خرج بقیة المنی بعد البول أو النوم أو المشی لایجب الغسل اجماعاً. (البحر الرائق، کتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۱۰۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطهارة، الباب الثانی فی الغسل، الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل، ج: ۱، ص: ۱۴/ وفی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۳۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

میں بھیگی ہے تب تو بحکم منی ہے اور اگر مذی میں تر ہو تو بحکم مذی اور پیشاب میں تر ہو تو بحکم پیشاب اور اگر خشک ہو تو اس کا وضو بھی قائم ہے اور غسل بھی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



سر کے مسح کرنے کا بیان

﴿سوال﴾:

وضو میں سر کے مسح کے واسطے پانی ہاتھ میں لے کر ڈال دیتے ہیں۔یعنی چھڑک کر مسح کرتے ہیں آیا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

سر کے مسح کے واسطے اس قدر پانی لیوے کہ مسح ہو جاوے (۲) چلو بھر کر مسح کرنا اسراف ہے اگر پانی ڈالے گا تو غسل ہو جائے گا اور وہ مسح نہیں ہے۔فقط



---

(۲): سر کے مسح کے لئے ماء جدید لینا لازم ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں: حاکم شہیدؒ بماء جدید کو لازم قرار دیتے ہیں اور جمہور ماء جدید کو لازم قرار نہیں دیتے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ سر کے مسح کے لئے ماء جدید لیا جائے۔اور اگر ماء جدید کے بغیر ہاتھوں کی تری سے مسح کر لیا جائے تو جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔

اخرج ابوداؤد عن الربیع: ان النبی ﷺ مسح برأسه من فضل ماء کان فی یده. و فی البذل تحت هذا الحدیث: (کان فی یده) ﷺ غسل الیدین، وهذا الحدیث یدل علی ان مسح الرأس ببقیة ماء الیدین جائز. (بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبی ﷺ، ج: ۱، ص: ۵۷۷، رقم: ۱۳۰، ط، دار البشائر الاسلامیة، بیروت لبنان)

ولو کان فی کفه بلل فمسح به رأسه أجزاه، قال الحاکم الشهیدؒ: هذا اذا لم یستعمل فی عضو من أعضائه بأن یدخل یده فی اناء حتی ابتل، أما اذا استعمله فی

استنجے کا بچا ہوا پانی

﴿سوال﴾:

جس پانی سے چھوٹا استنجا پاک کیا ہے اس باقی پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں یا مکروہ ہے؟

﴿جواب﴾:

اس پانی سے وضو بلا کراہت جائز ہے (۳)۔ فقط



عضو من أعضائه بأن غسل بعض أعضائه وبقي على كفه بلل لايجوز، وأكثرهم على أن ما قاله الحاكم الشهيد خطأ، والصحيح أن محمدا أراد بذلک ما اذا غسل عضوا من أعضائه وبقي البلل في كفيه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الاول، ج: ۱، ص: ۲۰۳، ۲۰۴، ط، مکتبہ زکریا دیوبند/ والفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الاول في الوضوء، الفصل الاول في فرائض الوضوء، ج: ۱، ص: ۵/ والفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الوضوء والحدث، ج: ۴، ص: ۱۵/ والمحيط البرهاني، كتاب الطهارات، الفصل الاول في الوضوء، ج: ۱، ص: ۱۶۶، المجلس العلمي)

(۳):عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتى الخلاء اتيته بماء في تور او ركوة فاستنجى. قال أبو داؤد: في حديث وكيع: ثم مسح يده على الارض ثم اتيته باناء آخر فتوضأ. وفي البذل تحت هذا الحديث: (ثم أتيته باناء آخر فتوضأ) لعل المعنى: ثم أتيته باناء آخر فيه ماء، أو بماء آخر في ذلک الاناء، وليس ذلک لظن أن الوضوء لايجوز بالماء الباقي عن الاستنجاء، أو لايجوز استعمال الاناء الذى استنجى به في الوضوء، اذا قد ثبت الغسل والوضوء والاستنجاء جميعاً باناء واحد،

وضو کا پانی اگر لوٹے میں گر جائے

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اگر وضو کا پانی لوٹے میں گر جائے وقت وضو کرنے کے تو پانی لوٹے کا مکروہ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب:

وضو کا قطرہ لوٹے میں گرانا مکروہ ہے مگر وہ پانی مستعمل نہیں ہوتا وضو اس سے درست ہے (۴)۔



آنکھ دکھنے کی وجہ سے اگر پانی آنکھ سے بہے

سوال:

آنکھ دکھتی ہوئی میں جو ڈھیڈ آجاتا ہے تو زید کہتا ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بل الحاجة الى الاناء الثانى ها هنا أو الماء لصغره وقلة ما يسع فيه من الماء. (البذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الطهارة، باب الرجل يدلک يده بالأرض اذا استنجى، ج: ١، ص: ٣١٠، ٣١١، ٣١٢، ٣١٣، رقم: ٤٥، ط، دار البشائر الاسلامية، بيروت لبنان)

(وكذا فى عون المعبود شرح سنن أبى داؤد، كتاب الطهارة، باب الرجل يدلک يده بالأرض اذا استنجى، ج: ١، ص: ٦٨، رقم: ٤٥)

(٤): جنب اغتسل فانتضح من غسله شئ فى انائه لم يفسد عليه الماء... الماء المستعمل اذا وقع فى البئر لايفسده الا اذا غلب وهو الصحيح هكذا فى محيط السرخسى. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الفصل الثانى فيما لايجوز به التوضوء، ج: ١، ص: ٢٣)

کیونکہ یہ خون سے بنتا ہے زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے پاک ہے اگر چہ بعض نے ناپاک کہہ دیا ہے لیکن تحقیق کے خلاف ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



(۵): [۱] جو پانی آنکھیں دکھنے کے بغیر نکلتا ہے اس کے پاک ہونے میں کوئی شک اور کلام نہیں۔

[۲] جو پانی آنکھوں کی دُکھن کی وجہ سے نکلتا ہو لیکن صاف ہو وہ بھی ناقض وضو نہیں، ہاں استحباباً احتیاطاً وضوء کر لے تو بہتر ہے۔

[۳] جو آنسو (پانی) اپنی اصلی حالت سے متغیر ہو چکا ہو اور پیپ کی طرح ہو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

شامی میں ہے:

بل الظاهر اذا كان الخارج قيحاً او صديداً لنقض، سواء كان مع وجع او بدونه لانهما لايخرجان الا عن علة...وعن محمد اذا كان فى عينيه رمد وتسيل الدموع منها آمره بالوضوء لوقت كل صلوة لانى أخاف أن يكون ما يسيل منها صديداً فيكون صاحب العذر. قال فى الفتح: وهذا التعليل يقتضى انه امر استحباب....نعم اذا علم باخبار الاطباء او بعلامات تغلب ظن المبتلى يجب. (شامی ۱/۱۴۷،۸)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفى الجوهرة عن الينابيع الماء الصافى اذا خرج من النفطة لاينقض.....و فى التبيين ولو كان بعينه رمد او عمش يسيل منها الدموع قالوا يؤمر بالوضوء لوقت كل صلوة لاحتمال ان يكون صديداً او قيحاً واقول هذا التعليل يقتضى انه امر استحباب. نعم اذا علم انه صديد او قيح من طريق غلبة الظن باخبار الاطباء او علامة

شک سے وضو جانے کا حکم

﴿سوال﴾:

حدیث لا وضوء الا من صوت او ریح اس کا کیا مطلب ہے۔ آیا جس ریح میں آواز اور بو نہ ہو وہ ریح نہیں ہے نہ اس سے وضو جاتا ہے یا وہ کچھ اور ہے ریح کے ساتھ یہ دونوں ضروری ہیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وضو ٹوٹنے کا یقین ہو جائے جیسے کہ آواز سننے سے یا بدبو سونگھنے سے یقین ہو جاتا ہے اس وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جب یقین نہ ہو تو محض شک سے وضو نہیں جاتا (٦)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



تغلب على ظن المبتلى يجب. [حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ص۴۸].
(فتاوى دار العلوم زكريا، كتاب الطهارة، ج: ١، ص: ۴۹۸، ۴۹۹، ط، زمزم پبلشرز كراچى/ وفتاوى رحيميه، كتاب الطهارة، ج: ۴، ص: ۲۵، ط، دار الاشاعت كراچى/ وفتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الطهارت، ج: ١، ص: ١١٧، ط، دار الاشاعت كراچى/ وكفاية المفتى، كتاب الطهارة، ج: ٢، ص: ٣١۵، ط، دار الاشاعت كراچى)

(٦): عن سعيد وعباد بن تميم عن عمه رضى الله عنه شكى الى النبى ﷺ: الرجل يخيل اليه انه يجد الشىء فى الصلاة. قال لاينصرف حتى يسمع صوتاً، او يجد ريحاً. وفى فتح المنعم تحت هذا الحديث: (حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا) معناه حتى يعلم وجود أحدهما، ولايشترط السماع والشم باجماع المسلمين. والمراد من سماع الصوت أو وجدان الريح الخارجين من مخرجه.....قال النووى: هذا الحديث أصل من أصول الاسلام، وقاعدة عظيمة من قواعد الفقه، وهى أن

جمی ہوئی مسی سے وضو اور غسل پر اثر

سوال:

مسی کا استعمال عورتوں کو جائز ہے یا نہیں اس جو ریخیں دانتوں میں جم جاتی ہیں اور وضو اور غسل میں پانی دانتوں کے نیچے نہیں پہنچتا مانع طہارت ہے یا نہیں؟ اگر قصداً دانتوں میں ایسا مصالحہ پہنچاوے کہ بلا دانت جدا ہوئے وہ مصالحہ جدا نہ ہو اس میں کچھ قباحت شرعی ہے یا نہیں؟

جواب:

مسّی (۷) اگر جم جائے تو مانع وضو نہیں مگر مانع غسل ہے اور اگر قصداً کسی دوا سے خالی جگہ کو بھر کر ہموار کیا گیا ہے تو اس کا حکم مثل جزو بدن کے ہو گیا وہ مانع صحت غسل کو نہیں ہے (۸)۔ فقط



الأشياء يحكم ببقائها على أصولها حتى يتيقن خلاف ذلك، ولايضر الشك الطارئ عليها، فمن ذلك مسألة الباب التي ورد فيها الحديث وهي أن من تيقن الطهارة وشك في الحدث حكم ببقائه الطهارة، ولافرق بين حصول هذا الشك في نفس الصلاة وحصوله خارج الصلاة. هذا مذهبنا ومذهب جماهير العلماء من السلف والخلف. (فتح المنعم شرح صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب من تيقن الطهارة وشك في الحدث، ج: ٢، ص: ٣٩٣، ٣٩٤، ط، دار الشروق، القاهرة)

(۷): ایک قسم کا منجن جیسے عورتیں بطور سنگار استعمال کرتی ہیں۔ (فیروز اللغات)

(۸): ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين أسنانه أو في سنه المجفوف، به يفتى. (الدرالمختار ومعه رد المحتار، كتاب الطهارة، ج: ١، ص: ٢٨٩، ط، دار عالم الكتب رياض)

والصرام والصباغ ما في ظفر هما يمنع تمام الاغتسال وقيل كل ذلك

وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکنے کا حکم

سوال:

میں نے سنا ہے کہ اگر بعد وضو کے رومالی پر پانی چھڑک لے تو قطرہ کا اگر احتمال ہو تو اس کو نہ دیکھے اور نہ وضو کرے لہٰذا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط ہے؟

جواب:

پائجامہ پر بعد وضو پانی چھڑکنا بغرض رفع وسوسہ درست ہے(۹) مگر جو شخص کہ اس کو قطرہ کا مرض ہے وہ پانی ہرگز نہ ڈالے کہ اندیشہ پائجامہ نجس ہونے کا ہے۔اور اگر اثناء میں قطرہ آ گیا تو پائجامہ یقیناً ناپاک ہو جائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم



وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکنا فرض ہے یا واجب

سوال:

جب وضو سے فارغ ہو تو شرمگاہ یعنی رومالی پر پانی چھڑکنا کیسا ہے آیا جائز ہے یا

یجزیهم للحرج والضرورة ومواضع الضرورة مستثناة عن قواعد الشرع كذا فى الظهيرية. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثانى فى الغسل، الفصل الاول فى فرائضه، ج: ۱، ص: ۱۳)

(۹):عن سفيان بن الحكم الثقفى أو الحكم بن سفيان الثقفىؓ قال كان رسول ﷺ اذا بال يتوضا وينتضح. قال ابو داؤد: وافق سفيان جماعة على هذا الاسناد وقال بعضهم الحكم أو ابن الحكم. وفى المنهل تحت هٰذا الحديث: دل الحديث على مشروعية رش الماء على الفرج والسراويل بعد الفراغ من الوضوء. (المنهل العذب المورود شرح سنن أبى داؤد، كتاب الطهارة، باب الانتضاح، ج: ۲، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ط، مؤسسة التاريخ العربى، بيروت لبنان)

نہیں اور یہ فرض ہے یا واجب یا مستحب؟

﴿جواب﴾:

دفع وسواس کے لئے بعد وضو تھوڑا پانی رومالی پر چھڑک لینا بہتر ہے(۱۰) اگر نہ چھڑکا تو گناہ نہیں ہے نہ اس سے واجب فوت ہوتا ہے نہ فرض۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



جس کو قطرہ آتا ہو وہ وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکے یا نہیں

﴿سوال﴾:

حضور نے تحریر فرمایا ہے اس کی تفصیل ذیل میں ہے مرض قطرہ کا نہیں ہے بلکہ بعد پیشاب کبھی جو شبہ ہوا اور دیکھا تو قطرہ آیا اور بعض مرتبہ دیکھا تو نہیں آیا۔ لہٰذا ایسی حالت میں پاجامہ کی رومالی دیکھنا چاہئے یا فقط تر کر لینا کافی ہے؟

﴿جواب﴾:

مرض سے یہی مراد ہے کہ اس شخص کو گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تو ایسے شخص کو بعد وضو رومالی پر پانی نہ ڈالنا چاہئے بلکہ جب شبہ ہو اس کو دیکھ لینا چاہئے۔



(۱۰): فی شرح سنن أبی داؤد للعینیؒ: عن نافع قال: کان ابن عمرؓ اذا توضا نضح فرجه. قال عبیداللّٰه: کان أبی یفعل ذٰلک. وروی ذلک عن مجاهد، ومیمون، وسلمة وابن عباس، (وقال العینیؒ) وعن هٰذا قال اصحابنا: من جملة مستحبات الوضوء أن ینضح الماء علی فرجه وسراویله بعد فراغه من الوضوء، ولاسیما اذا کانت به وسوسة. (شرح سنن أبی داؤد للعینیؒ، کتاب الطهارت، باب فی الانتضاح، ج: ۱، ص: ۳۸۸، ط، مکتبة الرشد،ریاض)

وضواور غسل کے لئے پانی کا وزن

﴿سوال﴾:
وضواور غسل کے واسطے کتنا پانی صرف کرنا مسنون ہے سیر پختہ سے وزن تحریر فرما دیجئے۔

﴿جواب﴾:
وضو میں ڈیڑھ سیر پختہ پانی کی اجازت ہے اور غسل میں چار سیر کی (۱۱)۔ فقط والسلام



نماز جنازہ کے وضو سے فرض نماز کا حکم

﴿سوال﴾:
جو وضو جنازہ کی نماز کے واسطے کیا ہے اس وضو سے نماز فرض پڑھ لیوے یا نہیں؟

---

(۱۱): وضو میں ڈیڑھ سیر اور غسل میں چار سیر پانی استعمال کرنے کی مقدار تحدیدی نہیں ہے۔ لہٰذا بقدر کفایت پانی استعمال کرنا چاہیے اور قدر کفایت کی ادنیٰ مقدار وضو میں ڈیڑھ سیر اور غسل میں چار سیر ہے۔

وفی الأوجز: فان مقدار الماء عند الحنفية عدّه صاحب "الدر المختار" من سنن الغسل، نقل الشامی عن "الحلية"؛ نقل غير واحد اجماع المسلمين على أن ما يجزئ فی الوضوء والغسل غير مقدر بمقدار، وما فی ظاهر الرواية من أن أدنى ما يكفی فی الغسل صاع، وفی الوضوء مد للحديث المتفق عليه، ليس بلازم بل هو بيان أدنى القدر المسنون. قال فی البحر: حتى من أسبغ بدون ذلک أجزأه. انتهٰی. (أوجز المسالک الی موطأ مالک، کتاب الطهارة، باب العمل فی غسل الجنابة، ج: ۱، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، ط، دار القلم دمشق)

﴿جواب﴾:

فرض درست وجائز ہے(۱۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



نماز جنازہ کے وضو سے نوافل کا حکم

﴿سوال﴾:

جو وضو جنازہ کی نماز کے واسطے کیا ہے اس سے تحیۃ الوضو اور نماز فرض پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

نماز جنازہ کے واسطے جو وضو کیا ہے اس سے نماز فرض، سنت، نفل، اشراق، چاشت، تحیۃ الوضو سب جائز ہیں(۱۳)۔فقط



(۱۲/۱۳):فی الشامیة: الفرق بین التیمم والوضوء أن کل وضوء تصح به الصلاة، بخلاف التیمم، فان منه مالا تصح به الصلاة کالتیمم لمس مصحف. (ردالمحتارعلی الدر المختار، کتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۲۲۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

بخلاف الوضوء، فانه طهارة أصلیة، والأقرب أن یقال: أن کل وضوء تستباح به الصلاة....ویکفی الوضوء المطلق. (ردالمحتارعلی الدر المختار، کتاب الطهارة، باب التیمم،مطلب فی الفرق بین الظن وغلبة الظن،ج: ۱، ص: ۴۱۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

استفتاء: شخصی که برای نماز جنازه وضوء کرده آیا می تواند نماز وقتی (فرض و سنت) رهم با آن وضوء اداء کند؟

الجواب باسم ملهم الصواب: بله، می تواند. (فتاوای منبع العلوم کوه ون،

جو وضو یا تیمّم نہ کر سکے وہ نماز کیسے پڑھے

﴿سوال﴾:
اگر بوجہ نہ ملنے پانی یا مٹی کے وضو و تیمّم نہ کر سکے تو نماز کس طور پر پڑھنی چاہئے یا قضا کر دیوے۔

﴿جواب﴾:
اگر ایسا موقع ہو جائے تو وہاں تشبہ بالمصلین کرے اور نماز کو قضا کر لیوے یہ مذہب امام صاحب علیہ الرحمۃ کا ہے (۱۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



کتاب الطهارة، باب ما يتعلق بالوضوء، ج: ۳، ص: ۳۷۸، ط، كتب خانه ملى ايران)

(۱۴):في معارف السنن: وقال صاحبا أبي حنيفة أبو يوسف ومحمد: لايصلى ويتشبه بالمصلين، فيقوم ويركع ويسجد من غير أن ينوى أو يقرأ. وصح اليه رجوع أبى حنيفة، وبه يفتى. (معارف السنن، كتاب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلاة بغير طهور، ج: ۱، ص: ۳۲، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشى)

(وكذا فى اعلاء السنن، كتاب الطهارة، باب أن فاقد الطهورين لاتصح صلاته فيجب عليه القضاء، ج: ۱، ص: ۳۳۱، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب التيمم، ص: ۳۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اس پانی کا بیان جس سے وضو اور غسل جائز ہے

کس تالاب کا پانی نجس نہیں ہوتا

﴿سوال﴾:

ایسا تالاب جو گرمیوں میں کسی قدر خشک ہو جاتا ہو اور ایام بارش میں طویل وعریض مگر کسی موسم میں عشر درعشر سے کم نہیں رہتا اور اس میں اکثر نجاست مثل بول و براز شہر کا پانی وغیرہ بھی شامل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن تاہم اوصاف ثلثہ میں تغیر نہیں آتا۔ بلکہ ہر طرح صاف رہتا ہے۔ لہٰذا یہ طاہر ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ تالاب طاہر ہے اور ہرگز نجس نہیں ہر موسم میں پاک رہتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱): یجب ان یعلم أن الماء الراکد اذا کان کثیرا فھو بمنزلة الماء الجاری لاینتجس بوقوع النجاسة فی طرف منه، الا أن یتغیر لونه أو طعمه أو ریحه، علی ھذا اتفق العلماء، وبه أخذ عامة المشایخ رحمھم اللّٰه. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطھارة، الفصل الرابع، نوع آخر فی ماء الحیاض والغدران والعیون، ج: ۱، ص: ۲۹۸، ط، مکتبة زکریا دیوبند)

لو کانت عشراً فی عشر لاینتجس مالم یتغیر لون الماء أو طعمه أو ریحه ذکره قاضیخان وغیره. (الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الطھارة، ج: ۱، ص: ۲۵، ط، میرمحمد کتب خانه کراچی)

دہ دردہ تالاب بول و براز پڑنے سے نجس نہیں ہوتا

سوال:

تالاب وہ دردہ بہت زیادہ قریب بستی کے ہے اہل بستی کو اس کے اطراف و جوانب میں بول و براز کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔ برسات میں اگر پُر نہ ہو اور باہر ٹوٹ پھوٹ کر بھی نہ نکلا ہو۔ اس صورت میں طاہر ہے یا غیر طاہر؟ اور اہل بستی کو اس کی ضرورت شدید ہے کوئی دریا وغیرہ نہیں جس میں دھوبی کپڑا وغیرہ دھوئیں۔ البتہ کنویں بہت ہیں۔

جواب:

یہ تالاب پاک ہے اگرچہ باہر نہ نکلا ہو (۲)۔ فقط



دہ دردہ پانی کب نجس ہوگا

سوال:

آج کل جنگلوں میں بارش کا پانی گڑھوں میں جمع رہتا ہے اور جس وقت نہر بند ہو جاتی ہے تو کسی قدر نہر کا پانی بھی جمع گڑھوں میں ہو جاتا ہے۔ گاؤں کے لوگ اس سے وضو کر لیا کرتے ہیں درست ہے یا نہیں اور کس قدر پانی میں حکم شرع وضو کرنے کا ہے؟

جواب:

اگر یہ پانی دہ دردہ ہے تو کسی ناپاکی سے ناپاک نہ ہوگا۔ جب تک اس کا رنگ و بو و مزہ نجاست سے نہ بدل جائے۔ اور اس میں غسل اور وضو سب کچھ درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲/۳): یجب ان یعلم أن الماء الراکد اذا کان کثیرا فھو بمنزلة الماء

باب کنوئیں کے احکام ومسائل

کنویں سے زندہ مرغی نکلنے کا حکم

﴿سوال﴾:

مرغی کنویں میں جا پڑی اور کچھ دیر کے بعد زندہ نکلی دو عالم فرماتے ہیں کہ بغیر تین سو ساٹھ ڈول پانی نکالنے کے اس پانی کا استعمال حرام ہے بخیال بیٹ کر دینے کے کنویں کے اندر۔ پس کتب مذہب میں یہ مسئلہ کیونکر ہے؟

﴿جواب﴾:

اگر بیٹ نکلنا ثابت ہو جائے تو پانی نکالو ورنہ حاجت نہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



الجاری لایتنجس بوقوع النجاسة فی طرف منه، الا أن یتغیر لونه أو طعمه أو ریحه، علی هذا اتفق العلماء، وبه أخذ عامة المشایخ رحمهم الله. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع، نوع آخر فی ماء الحیاض والغدران والعیون، ج: ۱، ص: ۲۹۸، ط، مکتبة زکریا دیوبند)

لو کانت عشراً فی عشر لایتنجس مالم یتغیر لون الماء أو طعمه أو ریحه ذکره قاضیخان وغیره. (الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۲۵، ط، میرمحمد کتب خانه کراچی)

(۱):فی التاتارخانیة:فأرة وقعت فی البئر، أو عصفورة، أو دجاجة، أو شاة، أو سنور وأخرجت منها حیة لایتنجس الماء ولایجب نزح شیء منه، وهذا استحسان، لأن هذه الحیوانات مادامت حیة فهی طاهرة. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع فی المیاه التی یجوز الوضوء بها، ج: ۱، ص: ۳۱۳، ۳۱۴،ط، مکتبة زکریا دیوبند)

وفیه ایضاً: خرء ما یؤکل لحمه من الطیور لایفسد الماء الا الدجاجة

من ٹوٹے کنویں کے گڑھوں میں کتوں کے پانی پینے کے بعد حکم

﴿سوال﴾:

ایک شخص نے کنویں کا مسئلہ حضور کا فتوی سن کر کہا جبکہ کتا نے پانی پیا اور ہر وقت پانی گڑھوں میں بھرا نہیں رہتا۔ اگر وہ ناپاک ہی تھا تو بھی سینکڑوں ڈول وگھڑے کھینچ کر اہل محلّہ کے خرچ میں آگئے۔ اب تک پاک نہ ہوا ہوگا۔ جیسے اناج کے ناپاک ہونے سے دو شریکوں کی تقسیم میں اناج پاک ہوجاتا ہے کبھی پانی بھر جاتا ہے کبھی خشک ہوجاتا ہے اس کا جواب مرحمت ہو؟

﴿جواب﴾:

جب اس گڑھے سے کتے نے پانی پی لیا تھا اگر اس کے دو چار روز تک برابر پانی کھینچتا رہا تو واقعی کنواں پاک ہوگیا مگر اہل محلّہ کے سب ظروف وجامہ وغیرہ نجس ہوں گے اس لئے کہ وہ پانی جو سب کے گھر پہنچا ہے نجس ہے یقیناً بخلاف تقسیم شدہ غلہ ہے اس میں کوئی حصہ یقیناً نجس نہ تھا۔ بلکہ احتمال دونوں طرف تھا اور یہاں جو محلّہ میں تقسیم ہوا ہے وہ سب پانی ناپاک ہے (۲)۔ فقط



المخلاة، وفی روایة: البط والاوز بمنزلة الدجاجة.(الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الطهارة، الفصل الرابع فی المیاه التی یجوز الوضوء بها، ج: ۱،ص: ۳۲۴، ط، مکتبة زکریا دیوبند)

(۲):فی الهندیة: واذا وجب نزح جمیع الماء ولم یکن فراغها لکونها معینا ینزح مائتا دلو کذا فی التبیین وهذا أیسر کذا فی الاختیار شرح المختار.......وغسلوا کل شئ أصابه ماؤها. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطهارة، الباب التالث فی المیاه، ج: ۱، ص: ۱۹، ۲۰)

فی ملتقی الأبحر: کحنطة بالت علیها حمر تدوسها فغسل بعضها أو ذهب

کنویں میں اگر جوتا گر جائے تو اس کا حکم

﴿سوال﴾:
چاہ میں جوتا گر جانے سے کس قدر پانی نکالا جاوے گا؟

﴿جواب﴾:
اگر جوتا ناپاک ہے تو تمام پانی نکالے گا (۳) اور اگر پاک ہے تو کچھ نہیں۔



نجس کنویں کے پانی سے بنائے ہوئے گلاب کا حکم

﴿سوال﴾:
طلوع آفتاب سے پہلے ایک کنویں میں سے پانی لاکر اس سے گلاب کھینچا اور صدہا

طهر كلها.

وفی مجمع الأنهر تحته: (فغسل بعضها أو ذهب) بعضها (طهر كلها)، قال: صدر الشريعة أعلم انه اذا ذهب بعضها أو قسمت الحنطة يكون كل واحد من القسمين طاهراً...الخ. (مجمع الانهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۹۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی الفتاوى الهندية كتاب الطهارة، الباب السابع، فی النجاسة وأحكامها، ج: ۱، ص: ۴۵)

(۳): فی التاتارخانية: ولو وقع فی البئر خرقة أو خشبة نجسة ينزح كل الماء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الرابع فی المياه التی يجوز الوضوء بها، ج: ۱، ص: ۳۱۸، ط، مكتبة زكرياديوبند)

(وكذا فی الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل فيما يقع فی البئر، ج: ۱، ص: ۹)

آدمیوں نے پانی اس سے بھرا دس بجے دن کے معلوم ہوا کہ ایک بلی مردہ اس میں پڑی ہے مگر پوست اس کا بالکل گلا نہیں ہے نہایت سخت ہے وہ گلاب جو اس پانی سے تیار ہوا ہے اس کا شرعا کیا حکم ہے آیا وہ فروخت کیا جاوے یا پھینکا جاوے فقط۔

﴿جواب﴾:

صاحبین علیہما الرحمۃ کے مذہب کے موافق یہ گلاب پاک ہے(۴) کہ احتمال ہے کہ شب کو بلی کا بچہ نہ گرا ہو پس اس کو فروخت کرنا مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم



من ٹوٹے کنوئیں کے گڑھوں سے کتے پانی پی لیں تو اس کا حکم

﴿سوال﴾:

ایک کنویں کی من ٹوٹ گئی ہے اور گڑھے بھی ہو گئے ہیں جب ان گڑھوں میں پانی بھرتا ہے تو وہ کنویں کی طرف بوجہ نیچا ہونے کے جاتا ہے۔ بعض مرتبہ ایسا بھی دیکھا کہ ان

---

(۴):فی شرح الوقایۃ: ویتنجس البیر من وقت الوقوع ان علم ذلک والا فمنذ یوم ولیلۃ ان لم ینتفخ ومذ ثلثۃ ایام ولیالیھا ان انتفخ وقالا مذ وجد.

وقال العلامۃ عبدالحئی اللکنویؒ تحتہ: قولہ: مذ وجد ای ذلک النجس فی البیر قال فی الجوھرۃ النیرۃ شرح مختصر القدوری علیہ الفتوی انتھٰی. (شرح الوقایۃ، کتاب الطھارۃ، ج: ۱، ص: ۹۲، ط، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

وفی بغیۃ ذوی الاحکام: قولہ: (ولا بتنجسھا منذ وجد الخ) یعنی حتی یتحققوا متی وقع وعلیہ الفتوی کذا فی الجوھرۃ. (غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام علی ھامش درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الطھارۃ، فصل بئر دون عشر فی عشر وقع فیھا نجس الخ، ج: ۱، ص: ۲۶، ط، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)

گڑھوں میں کتے نے پانی پیالہٰذا اس کنویں کا حضور کیا حکم دیتے ہیں؟

﴿جواب﴾:

جب کتے کا پانی پینا اور اس پانی کا کنویں میں جانا یقینی یا غالب گمان ہو تو کنواں نجس ہے(۵)۔فقط



(۵):فی الهداية: وسؤر الكلب نجس، ويغسل الاناء من ولوغه.....فلما تنجس الاناء من ولوغه فالماء أولٰى. (الهداية، كتاب الطهارة، باب الماء الذى يجوز به الوضوء وما لايجوز به، فصل فى الآسار وغيرها، ج: ١، ص: ٤٧، ط، مكتبة بشرىٰ كراتشى)

وفى الهدية العلائية: واذا شرب منه كلب أو خنزير او سعدان أو دب أو هرة وحشى أو نحوها من سباع البهائم فهو نجس. (الهدية العلائية لتلامذ المكاتب الابتدائية فى الفقه الحنفى، احكام الطهارة، ص: ٤١، ٤٢، ط، دار ابن حزم بيروت لبنان)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطهارة، فصل فى الآسار وأحكامها، ج: ١، ص: ١٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

ملفوظات

کنوئیں میں نجاست معلوم ہو تو کب سے اس کی نجاست کا حکم لگایا جائے گا، نجاستوں اور اس کو پاک کرنے کے مسائل

﴿۱﴾ از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ مذہب صاحبین در باب چاہ کہ رویۃ کے وقت سے حکم نجاست ہو یہی معمول فقہاء کا ہے اور بعض نے فتویٰ بھی اس پر دیا ہے لہٰذا اگر سہولت عوام کی وجہ سے اس پر عمل ہو۔ بندہ درست جانتا ہے اور اس وقت میں اس پر علماء کو فتویٰ دینا جائز جانتا ہے(۶) کہ قول صاحبین بھی مذہب امام صاحب ہی ہے علیہم الرحمۃ (۷) مگر دیکھنے کے وقت سے نجس ہونے کے یہ معنی ہیں وقوع ممکن ہو مثلاً کنویں پر

---

(۶): فی شرح الوقایة: ویتنجس البیر من وقت الوقوع ان علم ذلک والا فمنذ یوم ولیلة ان لم ینتفخ ومذ ثلثة ایام ولیالیها ان انتفخ وقالا مذ وجد.

وقال العلامة عبدالحئی اللکنویؒ تحته: قوله: مذ وجد ای ذلک النجس فی البیر قال فی الجوهرة النیرة شرح مختصر القدوری علیه الفتوی انتهیٰ. (شرح الوقایة، کتاب الطهارة، ج: ۱، ص: ۹۲، ط، میر محمد کتب خانه آرام باغ کراچی)

وفی غنیة ذوی الاحکام: قوله: (ولا بتنجسها منذ وجد الخ) یعنی حتی یتحققوا متی وقع وعلیه الفتوی کذا فی الجوهرة. (غنیة ذوی الاحکام فی بغیة درر الاحکام علی هامش درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الطهارة، فصل بئر دون عشر فی عشر وقع فیها نجس الخ، ج: ۱، ص: ۲۶، ط، میر محمد کتب خانه آرام باغ کراچی)

(۷): والحالة الثالثة: ماثبت عن أصحابه من الامام أبی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد رحمهم اللّٰه تعالیٰ. وقد نقل ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ عن

لوگ برابر صبح سے دوپہر تک پانی بھرتے رہے خالی نہیں ہوا۔ اور دوپہر کو جانور نکلا تو ایسی حالت میں صبح سے پہلے نجس کہا جائے گا کہ اس حالت میں لوگوں کے بھرنے تک جانور نہیں گر سکتا۔ البتہ درمیان صبح دوپہر کے چاہ پانی بھرنے والوں سے خالی بھی نہ رہا تو آخر خلو کے وقت سے حکم دیا جائے گا۔ فقط والسلام



الحاوی القدسی: ”روی عن جمیع أصحابه الکبار کأبی یوسف ومحمد وزفر والحسن أنهم قالوا: ماقلنا فی مسئلة قولاً الا وهو روایتنا عن أبی حنیفة، وأقسموا علیه أیماناً غلاظاً، فلم یتحقق اذن فی الفقه جواب لامذهب الا له کیف ما کان، وما ینسب الی غیره الا بطریق المجاز للموافقة. (أصول الافتاء وآدابه، ص: ۱۶۸، ط، مکتبة معارف القرآن کراتشی)

باب نجاستوں اور اس کو پاک کرنے کے مسائل

منہ کی رال کا حکم

﴿سوال﴾:

سوتے وقت منہ سے رال جو بعض شخص کے جاری ہوتی ہے زید کہتا ہے کہ اس سے کپڑا پلید ہو جاتا ہے۔لہٰذا کپڑا ناپاک ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ رال پاک ہے(۱) کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔فقط



کھلیان کے غلہ کا حکم

﴿سوال﴾:

خرمن گاہ میں جب کہ غلہ تیار کرتے ہیں تو نرگاواں کا پیشاب اور گوبر غلہ گندم وغیرہ میں جذب ہوتا ہے پھر غلہ کے جواز کی صورت کس طرح پر ہے؟

﴿جواب﴾:

(۱):فی الخانية: الماء الذی يسيل من فم النائم طاهر هو الصحيح. (الفتاوی الخانية علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الطهارة، فصل فی النجاسة التی تصيب الثوب أو الخف أو البدن والأرض، ج: ۱، ص: ۲۴)

وفی الهندية: لعاب النائم طاهر سواء كان من الفم أو منبعثا من الجوف عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله وعليه الفتویٰ. (الفتاوی الهدية، كتاب الطهارة، الباب السابع، فی النجاسة وأحكامها، الفصل الثانی فی الاعيان النجسة، ج: ۱، ص: ۴٦)

جب وہ تقسیم ہوگیا سب کے حق میں پاک ہوگیا(۲)۔ اگر کچھ اثر گوبر کا دیکھے تو صاف کردیوے۔



گوبری کا حکم

﴿سوال﴾:

مسئلہ گوبری دینا جائز ہے یا نہیں؟ جس جگہ مرغی کی سرگین گر کر خشک ہوگئی ہو اور وہاں لوٹا خشک یا تر رکھ دے تو وہ لوٹا ناپاک ہے یا پاک اگر مرغی کی سرگین کی احتیاط کرے تو ان کا پالنا چھوٹتا ہے۔ فقط

﴿جواب﴾:

گوبری دینا جائز ہے مگر جب وہ گوبر نہ رہے تب تو پاک ہے اور اس سے پہلے پہلے نجس ہے اگر ناپاک جگہ خشک ہوگئی اور نجاست کا اثر رنگ و بو و مزہ نہ رہا تو پھر وہ جگہ پاک ہوگئی اب وہاں تر چیز رکھنے سے ناپاک نہ ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۲):فی الهندية: المحلوج النجس اذا ندف ان كان الكل أو النصف نجسا لايطهر وان كان يسرا بحيث يحتمل ان يذهب بهذا الفعل يحكم بطهارة كالكدس اذا تنجس فقسم بين الدهقان والعامل يحكم بطهارته. كذا فى الخلاصة. (الفتاوى الهدية، كتاب الطهارة، الباب السابع، فى النجاسة وأحكامها، ج: ا، ص: ۴۵)

(وكذا فى مجمع الانهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، ج: ا، ص: ۹۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبان)

(۳): فى الخانية: والأرض اذا أصابتها النجاسة فجفت وذهب أثرها ثم أصابها الماء بعد ذلك الصحيح أنه لايعود نجسا وكذا لو جفت الارض وذهب أثر النجاسة ورش عليها الماء وجلس عليها لا بأس به. (الفتاوى الخانية على هامش

شراب اگر سرکہ بن جائے تو اس کا حکم

﴿سوال﴾:

شراب میں نمک ڈالنے سے پاک ہوجاتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

شراب جب سرکہ بن جاتی ہے تو پاک ہی ہوجاتی ہے نمک سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے (۴)۔ فقط



الفتاوی العالمکیریة، کتاب الطهارة، فصل فی النجاسة التی تصیب الثوب أو الخف أو البدن والأرض، ج: ۱، ص: ۲۵،۲۶)

(وکذا فی الفتاوی الهندیة،کتاب الطهارة، الباب السابع، فی النجاسة وأحکامها، ج: ۱، ص: ۴۴)

(۴):قال ابو حنیفة رحمه اللّٰه: یجوز تخلیل الخمر، وان الخل الحاصل بذلک حلال طاهر، وهو قول الأوزاعی واللیث، وهو روایة عن مالک. (تکلمة فتح الملهم بشرح صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب تحریم تخلیل الخمر، ج: ۳، ص: ۵۱۰، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(وکذا فی التعلیق الصبیح علی مشکاة المصابیح، کتاب الحدود، باب بیان الخمر ووعید شاربها، الفصل الأول، ج: ۴، ص: ۱۸۹، ۱۹۰)

(وکذا فی اعلاء السنن، ابواب البیوع، باب توکیل المسلم الذمی ببیع خمره، ج: ۱۴، ۱۴۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الاشربة، الباب الاول فی تفسیر الاشربة والاعیان التی تتخذمنها الاشربة الخ، ج: ۵، ص: ۴۱۰)

مردہ جانور کی اون کے متعلق حکم

سوال:
مردہ جانور بکری بھیڑ کی اون کا کمبل استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:
مردہ جانور بکری بھیڑ وغیرہ کی اون پاک ہے(۵) اور اس کے کمبل کا استعمال درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بلی، چوہے، کوے وغیرہ کے جھوٹے کا حکم

سوال:
اگر کھانے میں دودھ میں بلی یا چوہے یا کوے نے منہ ڈال دیا تو کھانا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

---

(۵):فی المختار: وكل اهاب دبغ فقد طهر.....وشعر الميتة عظمها طاهر.
وفی الاختيار تحته: قال (وكل اهاب دبغ فقد طهر) لقوله عليه الصلاة والسلام: ايما اهاب دبغ فقد طهر..... قال (وشعر الميتة وعظمها طاهر)....وكذلك العصب والحافر والخف والظلف والقرن والصوف والوبر والريش والسن والمنقار والمخلب لما ذكرنا، ولقوله تعالىٰ: ومن أصوافها وأوبارها وأشعارها. (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الطهارة، ج: ١، ص: ١٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)
(وكذا فی الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب الثالث فی المياه، الفصل الثانی فيما لايجوز به التوضؤ، ج: ١، ص: ٢٤)

ان چیزوں کا جھوٹا حرام اور نجس نہیں ہے اگر نہ کھائیں تو بہتر۔ کھالیں تو کچھ حرج نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



کولہو کے رس کا حکم

﴿سوال﴾:

کولہو جو یہاں چلتے ہیں اس میں سارا کاروبار چمار اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں۔ یعنی رس کا نکالنا اور رس میں ہاتھ ڈالنا اور رس کا اپنے برتن میں فروخت کرنا مسلمانوں کو ان کے ہاتھ کے چھوئے ہوئے رس کا لینا جائز ہے یا نہیں یا وہ رس نجس ہے اور ناپاک ہے۔ علیٰ ہذا پانی ان کے ہاتھ کا پاک ہے یا نجس ہے؟ ایسے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں فقط؟

(وكذا في مجمع البحرين وملتقى النيرين، كتاب الطهارة، فصل في الماء الذي يجوز به الوضوء ومالايجوز، ص: ۷۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲):وسؤر سباع الطيور كالصقر والبازي والشاهين ونحوها وسؤر مايسكن في البيوت من الحشرات وغيرها مثل الحية والعقرب والوزغة والفارة والدجاجة المخلاة اى المطلقة غير المحبوسة والهرة مكروة اى يكره التوضؤ عند وجود غيره وكذا شربه كراهة تنزيه وهذا استحسان......ووجه الاستحسان في سواكن البيوت حديث كبشة بنت كعب بن مالك وكانت تحت ابن ابى قتادة ان ابا قتادة دخل عليها فسكبت له وضوء فجاء ت هرة تشرب منه فاصغى لها الاناء حتى شربت قالت كبشة فرآنى انظر اليه فقال اتعجبين يا ابنة اخى فقلت نعم فقال ان رسول اللهﷺ قال انها ليست بنجسة انها الطوافين عليكم والطوافات. رواه اصحاب السنن الاربعة وقال الترمذى حسن صحيح. (غنية المستملى شرح منية المصلى، كتاب الطهارة، فصل في الآسار، ص: ۱۶۸)

﴿جواب﴾:

جب تک یقین اس امر کا نہ ہو کہ چمار کے ہاتھ نجس ہیں حکم نجاست رس وغیرہ پانی پر نہ ہوگا۔ پس صورت موجودہ میں خریدنا رس کا مسلمانوں کو اور استعمال کرنا اس کا درست اور حلال ہے۔ علیٰ ہذا پانی بھی پاک ہے۔ نماز وغیرہ درست ہے(۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی مفتی مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند۔



(۷): فی سبل السلام: وعن عمران بن حصین رضی اللّٰہ عنہ ان النبیﷺ وأصحابه توضئوا من مزادة امراة مشركة. متفق عليه، فی حديث طويل......

....اخرجه البخاری بألفاظ، فیها: أنهﷺ بعث علياً رضی اللّٰه عنه وآخر معه فی بعض أسفارهﷺ، وقد فقدوا الماء، فقال: اذهبا فابتغيا الماء فانطلقا، فتلقيا امراة بين مزادتين أو سطيحتين من ماء على بعير لها، فقالا لها: أين الماء؟ فقالت عهدی بالماء امس هذه الساعة، قالا: انطلقی الی رسول اللّٰهﷺ ـ الی ان قال ـ : ودعا النبیﷺ باناء، ففرغ فيه من أفواه المزادتين أو السطيحتين، ونودی فی الناس: اسقوا واسقوا، فسقی من سقی واستقی من شاء. الحديث، وفيه زيادة ومعجزات نبوية.

والمراد هنا: أنهﷺ توضأ من مزادة المشركة، وهو دليل لما سلف فی شرح حديث أبی ثعلبة من طهارة آنية المشركين.

ويدل أيضا على طهور جلد الميتة بالدباغ، لأن المزادتين من جلود ذبائح المشركين، وذبائحهم ميتة.

ويدل على طهارة رطوبة المشرك فان المرأة المشركة قد باشرت الماء.الخ. (سبل السلام الموصلة الی بلوغ المرام، كتاب الطهارة، باب الآنية، ج: ۱، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، ط، دار العاصمة رياض)

(وكذا فی فقه الاسلام شرح بلوغ المرام، كتاب الطهارة، باب الآنية، ج: ۱،

منی کا حکم

﴿سوال﴾:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خشک منی ناپاک نہیں جیسا کہ کتاب میں لکھا ہے اور دھونے اور پونچھنے کی کچھ ضرورت نہیں کیا وجہ کہ ایسی پلید کو پاک لکھا ہے؟

﴿جواب﴾:

منی کا پلید ہونا آپ کے نزدیک ہے ان کے یہاں نہیں (۸) اور اس کی لِم، آپ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ علمی بحث ہے کہ جس کے بیان میں طول ہے ہم اور آپ مقلد ہیں۔ ہم کو علماء کا فرمان بسر و چشم قبول ہے۔ فقط



ص: ۲۸، ط، مؤسسة علوم القرآن، دمشق)

(۸):فی الهداية: والمنی نجس يجب غسله رطبا فاذا جف على الثوب اجزأ فيه الفرک لقوله عليه السلام لعائشة رضی الله عنها فاغسله ان كان رطبا، و افركيه يابساً، وقال الشافعی: المنی طاهر.

وفی البناية تحته: (والمنی نجس)ش: وبه قال مالک والثوری والأوزاعی والحسن بن حي وأحمد فی رواية. (البناية شرح الهداية، كتاب الطهارت، باب الأنجاس وتطهيرها، ج: ۱، ص: ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

یہ علمی بحث دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو:(امانی الاحبار، باب حکم المنی هل هو طاهر ام نجس، ج: ۱، ص: ۲۴۷، ط، اداره تاليفات اشرفيه، ملتان)

ناسور کے پانی کا حکم

سوال:

ایک شخص کے ناسور سے کھانے کے وقت پانی نکلتا ہے اور وہ پانی کپڑوں کو لگتا ہے تو ان کپڑوں سے نماز درست ہے یا نہیں؟

جواب:

ناسور کا پانی نجس ہے اگر قدر درہم سے زیادہ لگے گا تو نماز صحیح نہ ہووے گی کم میں بکراہت ادا ہوتی ہے(۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



سرخ پڑیہ کا حکم

سوال:

پوڑیا کا سرخ رنگ استر میں لگانا چاہئے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ پڑیا میں شراب پڑتی ہے صحیح کیسے ہے؟

جواب:

پوڑیا کا رنگ مشتبہ ضرور ہے اگر بالیقین یہ ثابت ہوجاوے کہ اس میں شراب ہے قطعاً حرام ہے اور اگر یہ معلوم ہوجائے کہ شراب نہیں پڑتی جائز ہے درصورت موجودہ مشتبہ ہونے

---

(۹):في الدر المختار: وعفا الشارع عن درهم وان كره تحريماً، فيجب غسله، وما دونه تنزيهاً فيسن، وفوقه مبطل فيفرض.

وفي الشامية تحته: (وان كره تحريما) أشار الى أن العفو عنه بالنسبة الى صحة الصلاة به، فلاينافي الاثم كما استنبطه في البحر من عبارة السراج. الخ.

(ردالمختار على الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، ج: ١، ص: ٥٢٠، ٥٢١، ط، عالم الكتب رياض)

میں تردد نہیں احتیاط ترک کرنے میں ہے اور رنگ پختہ کا دھلوالینا مناسب ہے(۱۰)۔



پڑیا کا حکم

﴿سوال﴾:

پڑیہ کچی یا پختہ کا بغیر دھوئے ہوئے مردوں اور عورتوں کو استعمال جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

پڑیہ کا رنگ ناپاک ہے۔فقط



پڑیہ کے نجاست کی وجہ

﴿سوال﴾:

پوڑیہ سرخ رنگ کی رنگی ہوئی روئی رضائی میں ڈالنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

پوڑیہ میں کہتے ہیں شراب پڑتی ہے اور یہی تحقیق ہے اور شراب نجس ہے۔ اس واسطے نہ ڈالنی چاہیے(۱۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۱۰):اخرج السیوطی عن الحسن رضی اللّٰہ عنہ: دع ما یریبک الی ما لایریبک فان الصدق ینجی. وفی فیض القدیر تحت ھذا الحدیث: اترک ما اعترض لک الشک فیہ منقلبا عنہ الی ما لاشک فیہ ذکرہ الطیبی. (فیض القدیر، ج: ۳، ص: ۵۲۸، رقم: ۴۲۱۲، ط، دار المعرفۃ بیروت لبنان)

(۱۱):قال القرطبیؒ: فھم الجمھور من تحریم الخمر، واستخباث الشرع لھا، واطلاق الرجس علیھا، والأمر باجتنابھا، الحکم بنجاستھا. (الجامع لأحکام

پڑیہ میں رنگا ہوا کپڑا کیسے پاک ہوگا

﴿سوال﴾:

پوڑیہ میں کپڑا رنگا ہوا۔اوراس کوایک مرتبہ پانی میں نکال دے اور نہ نچوڑے اور نہ ملے اور ویسے ہی پھیلا دے تاکہ خود خشک ہوجاوے اور بعد خشک ہوجانے کے پاک ہوجاوے گا یانہیں ایک مرتبہ مل کر دھونا ضرور ہے۔

﴿جواب﴾:

کپڑا پوڑیہ کا جو ناپاک ہواس کا رنگا ہوا تب تک پاک نہ ہوگا جب تک رنگ نکلتا رہے گا۔جب رنگ نکلنا بند ہوجاوے گا تب پاک ہوگا (۱۲)۔فقط

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ بندہ نے پختہ رنگ کو پاک نہیں کہا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس پڑیا میں رنگ کر پھر دھولیا جائے تو پاک کرنے کے بعد اس کا استعمال جائز ہے اور مدار رنگ کے پاک ہونے کا تحقیق پر ہے۔مولوی ارشاد حسین صاحب کو تحقیق ہوگیا ہوگا۔بندہ کو تحقیق نہ ہوا۔فقط والسلام



القرآن، ج: ۸، ص: ۱۶۰، ط، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان)

(۱۲):في الهندية:وعلى هذا قالوا لو صبغ ثوبه أو يده بصبغ أو حناء نجسين فغسل الى أن صفا الماء يطهر مع قيام اللون كذا فى فتح القدير. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع فى النجاسة وأحكامه، الفصل الاول فى تطهير الانجاس، ج: ۱، ص: ۴۲)

(وكذا فى البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ج: ۱، ص: ۴۱۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

پڑیہ میں رنگے ہوئے کپڑے کا پاک کرنے کا دوسرا طریقہ

﴿سوال﴾:

گولی سرخ رنگ پختہ کہ دم مسفوح سے بنائی جائے اور گولی خام یا شراب کی آمیزش اس میں ہو جیسا کہ آج کل بہت گولیاں بکتی ہیں۔ان میں کپڑا رنگنا اور اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جو رنگ پختہ کہ جس میں شراب یا دم مسفوح ہے اس کو اگر تین دفعہ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس سے نماز پڑھنی درست ہے۔علیٰ ہذا کچے کی گولیاں تین دفعہ دھلنے کے بعد پاک ہو جاتی ہیں (۱۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مٹی کا برتن کس طرح پاک کیا جائے

﴿سوال﴾:

مٹی کا برتن اگر کسی طرح ناپاک ہو جائے تو کس طرح پاک کیا جائے؟ فقط

﴿جواب﴾:

مٹی کا برتن اگرچہ کورا ہو تو تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے (۱۴) کوئی طرز

---

(۱۳): ذکر فی المنية أنه لو دخل يده فی الدهن النجس أو اختضت المرأة بالحناء النجس أو صبغ بالصبغ النجس ثم غسل ثلاثاً طهر. (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الانجاس، مطلب: فی حكم الصبغ والاختضاب بالصبغ أو الحناء النجيس، ج: ۱، ص: ۵۳۷، ط، دار عالم الكتب رياض/وغنية المستملی فی شرح منية المصلی، فروع شتى من تعلق النجاسة، ص: ۲۰۷)

(۱۴): ان المتنجس اما أن لايتشرب فيه اجزاء النجاسة أصلاً كالأوانی

خاص اس کے دھونے کا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



المتخذه من الحجر والنحاس والخزف والعتيق، أو يتشرب فيه قيلاً كالبدن والخف والنعل، أو يتشرب فيه كثيراً، ففي الأول طهارته بزوال عين النجاسة المرئية أو بالعدد على ما مر، وفي الثاني كذلک، لأن الماء يستخرج ذلک القليل، فيحكم بطهارته، وأما في الثالث: فان كان مما يمكن عصره كالثياب فطهارته بالغسل والعصر الى زوال المرئية، في غيرها بتثليثهما......ان علم أنه لم يتشرب فيه، بل أصاب ظاهره، يطهر بازالة العين أو بالغسل ثلاثا بلاعصر. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ج: ۱، ص: ۵۴۱، ط، دار عالم الكتب رياض)

ملفوظات

پڑیہ کے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنے سے اعادہ نماز لازمی نہیں

﴿۱﴾ بعد سلام آنکہ اعادہ نماز کا اس وجہ سے ضرور نہیں بتایا گیا کہ بعض شرابیں سوا چار کے اس قسم کی ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک وہ نجس نہیں مگر فتویٰ امام صاحب کے قول پر نہیں اور اس رنگ میں متحقق نہیں کہ کون سی شراب پڑتی ہے پس بسبب مسئلہ مختلف فیہا ہونے کے آسانی کیوجہ سے اعادہ نماز کو نہیں کہا گیا مگر نجاست میں عمل امام محمد کے مذہب پر بتایا گیا تھا (۱۵) اور ولایت سے جو کپڑا آتا ہے اس میں شراب نجس کا پڑنا ہم نے نہیں سنا۔ فقط والسلام



(۱۵): قال العلامة المحدث الكبير محمد زكريا الكاندهلويؒ: خلاصة مذهب الحنفية أن الاشربة ثلاثة اقسام: الخمر حرام مطلقاً، وله عشرة أحكام.

الثاني: الأشربة الأربعة، العصير، وهو نوعان: الباذق، والمنصف، ونقيع التمر، وهو السكر، ونقيع الزبيب حرام قليلها وكثيرها، لكن حرمتها ظنية، والثالث: باق الأشربة حلال عند الشيخين مالم يسكر، حرام عند محمد والثلاثة قليلها وكثيرها، وبه يفتي. (حاشية بذل المجهود، كتاب الأشربة، باب تحريم الخمر، ج: ١، ص: ٤٠١، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

(وكذا في تحفة الالمعي، ابواب الاشربة، باب ماجاء في شارب الخمر، ج: ٥، ص: ٢٠٥، ٢٠٦، ط، زمزم پبلشرز كراچی)

پڑیہ کے رنگ کی حقیقت

﴿۲﴾ جو چھینٹ یا بانات وغیرہ پختہ رنگ ہے۔ وہ تو ہر حال پاک ہے اگر چہ اس میں نجاست پڑے کیونکہ بعد رنگ کے اس کو دھو کر صاف کرتے ہیں اور جو خام رنگ ہیں ان کا حال معلوم نہیں کہ اس میں کچھ نجس ڈالتے ہیں یا نہیں لہٰذا اس پر حکم نجاست نہیں ہوسکتا (۱۶) کہ اصل شے کی طہارت ہے ہاں جس کو تحقیق ہوگیا کہ نجس اس میں پڑتا ہے اور نہیں دھویا جاتا اس کو استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ بندہ کو جو محقق ہوا تو یہ ہے کہ بازار میں جو رنگ فلوس فلوس کو پوڑیہ فروخت ہوئی ہے اس میں شراب ہے اور بس لہٰذا اس کی نجاست کا اظہار کیا گیا ہے۔ پوڑیہ جوتہ جو پاک ہے بوجہ عدم تیقن نجاست کے ہے اگر کسی جوتہ خاص میں محقق ہوجائے کہ نجس لگا ہے وہ ناپاک ہی ہووے گا۔ لہٰذا جوتہ کو پڑیا پر قیاس نہیں کرسکتے تبدیل ماہیت بھی یہاں نہیں بلکہ ترکیب نجس با طاہر ہے جیسا نجس آب میں گوشت یا روٹی پکائی جائے اس کو تبدل ماہیت نہیں کہتے ملح خوک مضائقہ نہیں کہ مادہ وصورت ہر دو بدل گئی سرکہ شراب میں گو برمٹی میں سو یہاں تبدیل ماہیت ہے کہ نہ وہ مادہ سابق رہا نہ صورت پہلی رہی ترکیب میں ماہیت نہیں پلٹی ترکیب پیدا ہوجاتی ہے اس کا اعتبار نہیں دھونے سے البتہ پوڑیہ کا رنگا کپڑا پاک ہوجاتا ہے ایک بات باقی ہے اگر وہ صاحب بنانے والے ملے تو تحقیق کروں گا۔ شاید اس میں کوئی صورت جواز پیدا ہوجائے۔ سو دیکھئے وہ کب ملتے ہیں۔ اب تو منع کر دینا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم



(۱۶): من شک فی انائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا، فهو طاهر مالم يستيقن. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الطهارة، قبيل مطلب فی ابحاث الغسل، ج: ۱، ص: ۲۸۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

پڑیہ میں شراب پڑنے سے پڑیہ کا حکم

﴿۳﴾ شراب مسکر مطلقاً نجس ہے امام محمدؒ کے یہاں اس پر فتویٰ دیا ہے۔ درمختار میں مذکور ہے اور یہی مذہب بندہ کے اساتذہ کے یہاں راجح ہے (۱۷)۔ تبدیل ماہیت ہیولےٰ صورت کی تبدیل سے ہوتا ہے کہ حقیقت دیگر ہوگئی نہ ترکیب سے ورنہ روٹی خمیر سے گوندھے درست ہو شراب سے مرکب دوا حلال ہو یہ باطل ہے سرکہ میں تبدیل ماہیت ہے نہ ترکیب پوڑیہ میں ترکیب ہے نہ تبدیل ماہیت منتہائے مسکر سمیت ہے۔ خلاصہ شراب بھی شراب ہی ہوتی ہے۔ اگرچہ تیزاب بن جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



پڑیہ میں کون سی شراب پڑتی ہے؟

﴿۴﴾ خمر خواہ انگوری ہو یا غسل اور جو کی غرض کل مسکر حرام نجس ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اور اس پر ہی فتویٰ دیا گیا ہے (۱۸) اور ہمارے اساتذہ نے جو زمانہ

---

(۱۷): في الدرالمحتار: وحرمها محمد أى الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما. قاله المصنف مطلقاً قليلها وكثيرها وبه يفتى ذكره الزيلعي وغيره، واختاره شارح الوهبانية. الخ.

وفي الشامية تحته: (وبه يفتى) أى بقول محمد، وهو قول الأئمة الثلاثة لقوله عليه الصلاة والسلام: كل مسكر خمر، وكل مسكر حرام. رواه مسلم، وقوله عليه الصلاة والسلام: ما اسكر كثيره فقليله حرام. رواه أحمد وابن ماجة والدار قطنى وصححه. وقوله: (وغيره) كصاحب الملتقى المواهب والكفاية والنهاية والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقهستاني والعينى، حيث قالوا: الفتوى في زماننا بقول محمد لغلبة الفساد. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الأشربة، ج: ١٠، ط، ٣٦، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۸): في العرف الشذى: واما الشافعي وأحمد ومالك ومحمد بن حسن

گذشتہ میں نان پاؤ کا قصہ وتکرار ہوا تاڑی کے سبب سے اس کو منع اور حرام لکھا۔لہٰذ بندہ کے نزدیک راجح مذہب یہی ہے۔سو تحقیق اس خمر کی کہ پڑیہ میں پڑتی ہی نہیں۔ بہرحال اختلاف میں احتیاط تو اوروں کو بھی بہتر ہے۔ظاہر احادیث میں موجود تو سب سکر کی خمریت کو چاہتا ہے۔ کل مسکر خمر (۱۹) صاف موجود ہے۔وان من الحنطة لخمراً (۲۰) بھی اب تاویل کا باب واسع ہے۔والشیء اذا ثبت بلوازمہ خمر ہے تو حرام بھی نجس بھی ہے ظنی قطعی کے فرق میں تخفیف ہوجائے نہ ارتفاع اگر مذیل نجاست پایا جائے تو طہارت ہوتی ہے ورنہ جفاف مطہر نہیں جفاف ارض تو امام صاحب کے نزدیک مطہر ہے ثوب، دوا خمیر پاک نہیں ہوتا۔خمر میں آٹا گوندھ کر پکاویں روٹی نجس ہووے گی۔ بول میں پارچہ تر ہوکر خشک ہوجائے ناپاک ہی رہے گا۔حالانکہ رطوبت بول کو ہوا لے گئی۔علیٰ ہذا جفاف خمر موجب طہارت نہیں شراب کسی شئے میں خلط ہو اور خشک ہو بول پر قیاس ہوگا۔اور جو اُڑنے کے کچھ اور معنی ہیں ہو مجھ کو معلوم نہیں اگر پارچہ شراب میں مبلول ہوکر خشک ہو تو پاک نہیں ہوتا اگرچہ تیزی دھوپ سے یا حرارت آتش سے شراب اڑتی ہی ہو یہ مسئلہ مجھ کو معلوم نہیں اگر شراب کا پڑنا محقق نہیں البتہ ناپاک نہیں اور بعد تحقیق وقوع کے بلویٰ کیا کرے گا بلویٰ وہ معتبر کوئی کرے کہ اجتناب دشوار ہو۔زینت کا کپڑا ترک کرنا نفس پر ناگوار ہے یہ

وجمهور الصحابة فذهوا الى أن المسكر المائع من كل شيء يحرم قليله وكثيره، أسكر أم لم يسكر، والمسكر الجامد ليس بخمر، وأفتى أرباب الفتوى منا بقول محمد بن حسن. (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، كتاب الأشربة، باب ماجاء فی شارب الخمر، ج: ۳، ص: ۲۹۳، ۲۹۴، ط، دار احياء التراث العربی)

(۱۹):(اخرجه مسلم فی صحيحه فی كتاب الاشربة، باب بيان أن كل مسكر خمرالخ، ص: ۸۹۵، رقم: ۵۲۱۹، ط، دار السلام رياض)

(۲۰):(اخرجه الترمذی فی جامعه فی كتاب الأشربة، باب ماجاء فی الحبوب التی يتخذ منها خمر، ص: ۴۳۹، رقم: ۱۸۷۲، ط، دار السلام رياض)

کیا بلویٰ ہے۔ ہندوستانی کپڑا برتنا چاہیے۔اس واسطے بلویٰ کے معنی فہم میں نہیں آتے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



پڑیہ میں شراب پڑتی ہے یا نہیں؟

﴿۵﴾ خواب اگر نظر نہ آوے کچھ حرج نہیں جاگنے کا زیادہ اعتبار ہے آدمی کو اپنے اوپر ہرگز اعتماد نہیں چاہیے۔مقلب القلوب سے ڈرتا رہے کہ دم بھر میں بدل ڈالتا ہے اور مفارقت وملاقات دونوں مقدر میں کسی کے اختیاری نہیں جس قدر رہے ملتا ہے کہ زیادہ کون کرسکتا ہے۔پوڑیہ ہندی میں شراب قطعاً پڑتی ہے اور لندن کی پوڑیا میں بھی اکثر اقوال سے پڑنا ثابت ہے غایت الامر لندن میں شبہ ہو اور شبہات سے بچنا بھی واجب ہے(۲۱) اصل

(۲۱):اخرج السیوطی عن الحسن رضی اللّٰہ عنہ: دع ما یریبک الی ما لایریبک فان الصدق ینجی. وفی فیض القدیر تحت ھذا الحدیث: اترک ما اعترض لک الشک فیہ منقلبا عنہ الی ما لاشک فیہ ذکرہ الطیبی. (فیض القدیر، ج: ۳، ص: ۵۲۸، رقم: ۴۲۱۲، ط، دار المعرفۃ بیروت لبنان)

اخرج الدارمی فی سننہ عن الشعبی قال: سمعت النعمان بن بشیر یقول: سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول: الحلال بیّن والحرام بیّن، وبینھما مشتابھات، لایعلمھا کثیر من الناس، فمن اتقی الشبھات استبرأ لعرضہ ودینہ، ومن وقع فی الشبھات، وقع فی الحرام. الخ. وفی فتح المنان تحت ھٰذا الحدیث: قولہ (ومن وقع فی الشبھات، وقع فی الحرام): یرید أنہ اذا اعتادھا واستمر علیھا أدتہ الی الوقوع فی الحرام بأن یتجاسر علیہ فیواقعہ، بقول: فلیتق الشبھۃ لیسلم من الوقوع فی المحرم. (فتح المنان شرح المسند الجامع، کتاب البیوع، باب فی الحلال بیّن والحرام بیّن، ج: ۹، ص: ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ط، المکتبۃ المکیۃ مکۃ المکرمۃ، ودار البشائر الاسلامیۃ بیروت لبنان)

شئے کی پاک ہے اور لحوق نجاست میں شک ہو وہ پاک رہتی ہے۔ گاہڑہ دھوکہ جو نہ اسی قسم میں ہے اور جس میں ثبوت نجاست کا بغالب ظن ہو گیا ہو وہ ناپاک ہو جاتی ہے۔ پوڑیا کا یہی حال ہے جب تک شراب کا ہونا معلوم نہ تھا پاک کہتے تھے۔ بوجہ اصل کے اب بعض اقسام میں اعنی ہندیہ میں وقوع محقق ہو گیا اور بعض میں غلبہ ظن ہے۔ فقط والسلام۔ اور چھینٹ جو ولایت سے آتی ہے کہتے ہیں کہ وہ رنگ پوڑیا کا نہیں۔ لہٰذا اس کو نجس نہیں کہہ سکتے تا تحقیق دیکھنا شرط نہیں بلکہ علم شرط ہے کہ بظن غالب حاصل ہو جاوے۔ اگر بظن غالب ظروف نجس اس میں واقع ہوتے ہیں تو چاہ نجس ہے۔ گو آنکھ سے نہ دیکھا۔ فقط



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

نماز کے مسائل

باب نماز کے وقتوں کا بیان

آفتاب کے طلوع واستواء وغروب کے وقت سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ کا حکم

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ جنازہ وسجدۂ تلاوت وغیرہ طلوع واستواء وغروب شمس پر درست ہے یا نہیں در صورت عدم جواز اگر پڑھ لیوے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

عین طلوع واستواء وغروب میں نماز جنازہ سجدۂ تلاوت مکروہ تحریمہ ہے معہذا اس وقت میں اگر پڑھ لیوے تو ادا ہو جاتا ہے اور ذمہ سے سقوط ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اسی وقت تلاوت آیت کی ہو اور جنازہ حاضر ہوا ہو اور جو پہلے وقت مکروہ سے سجدہ کی آیت پڑھے اور جنازہ آیا اور مکروہ وقت میں ادا کیا تو ادا نہیں ہوتا۔ دوبارہ پڑھنا چاہیے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱):ثلاث ساعات لاتجوز فیها المکتوبة ولاصلاة الجنازة ولاسجدة التلاوة. اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی أن تزول وعند احمرارها الی أن تغیب الا عصر یومه ذلک فانه یجوز اداؤه.....هذا اذا وجبت صلاة الجنازة

نماز جمعہ کس مسجد میں پڑھی جائے جہاں جلد ہو کہ دیر سے ہو

﴿سوال﴾:

جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ڈھائی بجے ہوتی ہے اور مسجدوں میں جمعہ کی نماز ایک بجے ہوتی ہے تو فرمایئے کہ کہاں جمعہ پڑھے جو ثواب زیادہ ہو؟

﴿جواب﴾:

جامع مسجد میں بسبب کثرت آدمیوں کے زیادہ ثواب ہے (۲) اگر گرمی کا موسم ہوتو

وسجدة لتلاوة فی وقت مباح واخرتا الی هذا الوقت فانه لایجوز قطعا أما لو وجبتا فی هذا الوقت واديتا فيه جاز لانها اديت ناقصة كما وجبت كذا فی السراج والوهاج وهكذا فی الكافی والتبيين. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فی بيان الأوقات التی لاتجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ج: ۱، ص: ۵۲)

(وكذا فی امانی الاحبارفی شرح معانی الآثار، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۸۵، ط، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۲):عن أبی بن كعب قال: صلى بنا رسول اللهﷺ يوماً الصبح فقال: أشاهد فلان؟ قالوا: لا. قال: أشاهد فلان؟ قالوا: لا. قال: ان هاتين الصلاتين أثقل الصلوات على المنافقين، ولو تعلمون ما فيهما لأتيتموهما ولو حبواً على الركب، وان الصف الأول على مثل صف الملائكة، لو علمتم ما فضيلته لابتدرتموه، وان صلاة الرجل مع الرجل ازكى من صلاته وحده، وصلاته مع الرجلين ازكى من صلاته مع الرجل، وما كثر فهو احب الى الله عزوجل. وفی بذل تحت هذا الحديث: (فهو أحب الى الله عزوجل) وتذكيره باعتبار لفظ ما، قال القاری: وكل مسجد كثر فيه المصلون فذلك أفضل. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة، ج: ۳، ص: ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، رقم: ۵۵۲، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

اڑھائی بجے تک وقت اچھا ہوتا ہے وہیں جمعہ پڑھے اور جاڑے کے موسم میں بہتر ہے کہ دیگر مسجد میں پڑھ لیوے کہ احتمال ایک مثل سے وقت نکل جانے کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



جمعہ اور ظہر کی نماز کے اوقات میں فرق

﴿سوال﴾:

جمعہ کی نماز اور ظہر کی نماز کا وقت ایک ہی ہے یا نہیں؟ اور جمعہ کی نماز ظہر کے وقت سے کچھ پہلے پڑھنا سنت ہے یا دونوں مساوی وقت ہیں مثلاً جو شخص ظہر کی نماز دو بجے پڑھتا ہے اس کو جمعہ کی نماز ایک بجے پڑھنا مستحب ہوگی یا دو ہی بجے؟

﴿جواب﴾:

جمعہ وظہر کا وقت ایک ہے مگر جمعہ کو ذرا پہلے پڑھنا کہ لوگ سویرے سے آئے ہیں ان کو جلد فراغت ہو جائے تو بہتر ہے (۳)۔ فقط



(۳): فی الدر المختار: جمعة كظهر اصلاً واستحباباً فی الزمانين لانها خلفه.

وفی الشامية تحته: (واستحبابا فی الزمانين) ای الشتاء والصيف ح، لكن جزم فی الاشباه من فن الاحكام انه لايسن لها الابراد، تؤدی فی وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور ليس بمشروع لانها تقام بجمع عظيم، فتاخيرها مفض الی الحرج، ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف لاصله من كل وجه ليس بشرط. (رد المختار علی در المختار، كتاب الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۵.۲۶، ط: دار عالم الكتب رياض)

ظہر کا صحیح وقت

﴿سوال﴾:

وقت ظہر مثلین تک رہتا ہے یا نہیں مذہب مفتیٰ بہ میں اگر نہیں رہتا تو جو ظہر مثلین میں پڑے تو قضاء پڑھے یا ادا اور بعد مثل کے عصر اگر پڑھے تو ہوگی یا نہیں؟ اور سایہ اصلی کی پہچان خلاصہ طور ایسے قاعدہ کلیہ سے کہ ہر جگہ وہ قاعدہ دلنشین ہو ارقام فرماویں۔

﴿جواب﴾:

ظہر میں دونوں قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے(۴) جس پر عمل کرلے گا درست ہے اور سایہ اصلی کا ایسا قاعدہ جو ہر جگہ موافق ومطابق ہو مجھے معلوم نہیں۔ فقط



(۴): الفتویٰ علی قول الامام: فی الدر المختار: ووقت الظهر من زواله أی میل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثلیه.

وفی الشامیة تحته: (الی بلوغ الظل مثلیه) هذا ظاهر الروایة عن الامام: نهایة، وهو الصحیح. بدائع ومحیط وینابیع، وهو المختار. غیائیة. واختاره الامام المحبوبی، وعول علیه النسفی وصدر الشریعة. تصحیح قاسم. واختاره أصحاب المتون، وارتضاه الشارحون. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الهندیة: ووقت الظهر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیه سوی الفئ کذا فی الکافی وهو الصحیح هکذا فی محیط السرخسی. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الاول فی المواقیت وما یتصل بها، الفصل الاول فی أوقات الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۱)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۴۲۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ظہر کا وقت ایک مثل تک رہنے سے امام ابوحنیفہؒ نے رجوع کیا یا نہیں

﴿سـوال﴾:

رجوع امام صاحبؒ بمذہب ائمہ ثلاثہ وصاحبین رحمہما اللہ ایک مثل ظہر ثابت ہے یا نہیں؟

(وکـذا فی الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۳۸، ط، دار الکتب العلیمة بیروت لبنان)

(وکـذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الاول المواقیت، ج: ۲، ص: ۵، ط، مکتبة زکریادیوبند)

(وکـذا فـی مـنـحة السلوک فی شرح تحفة الملوک، کتاب الصلاة، فصل فی بیان شروط الصلاة وارکانها، ص: ۱۰۵)

(و کـذا فـی خـلاصة الدلائل فی تنقیح المسائل، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۶۴، ۶۵، ط، مکتبة الرشد ریاض)

(وکـذا فـی امـداد الـفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الاروح، کتاب الصلاة، ص: ۱۷۸، ۱۷۹، ط، مکتبة رشیدیه کوئٹه)

الـفتویٰ علی قول صاحبیهؒ: وقال أبو یوسف ومحمد: آخر وقتها اذا صار ظل کـل شـیء مثلـه سـوی فـیء الـزوال، بـه قـال زفر والأئمة الثلاثة مالک والشافعی وأحـمـد. وقـال الـطـحاوی: وبه نأخذ و هو الأظهر لبیان امامة جبریل علیه السلام: وهـو نـص فـی البـاب وعـلیـه عمل الناس الیوم، وبه یفتی. (الفقه الحنفی وأدلته فقه الـعبادات، کتاب الصلاة، ص: ۱۲۳، ط، دار الفیحاء بیروت لبنان و مکتبة الغزالی دمشق)

(وقـالا الـی أن یـصیـر الظل مثلاً واحداً) وهو روایة الحسن عن الامام، وقول

﴿جواب﴾:

رجوع امام صاحبؒ کا بندہ کو معلوم نہیں بلکہ خود امام صاحب کی ایک روایت اس باب میں موجود ہے اور یہی مذہب صاحبین کا ہے لہٰذا یہ مذہب قوی ہے مگر رجوع کی روایت بندہ کو معلوم نہیں۔ لہٰذا اگر حنفی ایک مثل پر عمل کرے تو حرج نہیں اگرچہ احوط کا بعد دو مثل کے اور ظہر کا قبل ایک مثل کے پڑھنا ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



زفر والثلاثة: وبه نأخذ قاله الطحاوی. وفی البرهان: وهو الأظهر وفی الفیض، وعلیه عمل الناس الیوم وبه یفتی. (الدر المنتقی شرح الملتقی، علی هامش مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی غنیة ذوی الاحکام فی بغیة درر الحکام علی هامش درر الحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۱، ط، میر محمد کتب خانه آرام باغ کراچی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، ص: ۱۷۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی أوجز المسالک الی موطأ مالک، کتاب وقوت الصلاة، ج: ۱، ص: ۲۹۰، ط، دار القلم دمشق)

(وکذا فی مختصر الطحاوی، کتاب الصلاة، باب المواقیت، ص: ۲۳)

(۵): وقال الامام الطحاوی رحمه اللّٰه تعالیٰ: وقد حدثنی ابن ابی عمران عن ابن الثلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفةؒ انه قال فی ذلک آخر وقتها اذا صار الظل مثله وهو قول ابی یوسفؒ ومحمدؒ وبه نأخذ.

وفی امانی الاحبار تحته: (وبه نأخذ) ای بما رواه الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة وفی غرر الاذکار وهو الماخوذ وفی البرهان وهو الاظهر لبیان جبریل وهو

عصر وظہر کے اوقات کے صحیح حدود

﴿سوال﴾:

شیخ الشیوخ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مصفٰی شرح مؤطا میں در تحدید صلوٰۃ ظہر وعصر فرماتے ہیں مترجم گوید ابتدائے وقت ظہر زوال شمس است از وسط آسمان وآخر وقت ادانیست کہ باشد سایہ ہر چیزے مانند قامت آں چیزے سوائے فی زوال بر ہمیں منطبق است ابراد ولفظ غشی وزانجا وقت عصر داخل میشود الخ اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں کہ آنچہ از بعضی فقہاء منقول است کہ بایں حدیث تمسک کردہ اند در آنکہ وقت عصر از مابعد المثلین شروع میشود وقبل از آں وقت ظہر است پس دلالت حدیث برآں ممنوع ست آری اگر لفظ مابین وقت العصر الی المغرب می بود گنجائش ایں استدلال می شد لفظ مابین صلوۃ العصر الی مغرب الشمس ست کہ صلوۃ العصر دراول وقت متحقق نمی شود تا مدعا حاصل گردد و مدار تشبیہ در مقالہ مابین نماز عصر ست بردفق آنچہ معمول آں جناب بود تا وقت غروب وآن کمتر از مابین ظہر وعصر می باشد گو از ابتداء وقت عصر تا غروب مساوی آں باشد واگر کسے بخاطر است کہ تشبیہ برائے تفہیم ست ودریں صورت تخیل لازم آید زیرا کہ صلوٰۃ عصر را تعینے نیست ہر کسے در وقتے از اوقات متسعہ می خواند بخلاف وقت عصر کہ فی نفسہ متعین ست گویم تشبیہ برائے تفہیم مخاطبین ست ومخاطبین ست ومخاطبین وقت متعارف نماز آں جناب رامی شناختند پس نسبت بایشان بوجہ احسن تفہیم متحقق شد ودیگر آنرا بسماع از ایشان ایں معنی واضح شد نظیرش آنکہ حضرت عائشہؓ

نص فی الباب وفی الفیض وعلیه عمل الناس الیوم وبه یفتی کذا فی الدر المختار قال الشامی والاحسن مافی السراج عن الشیخ الاسلام ان الاحتیاط ان یؤخر الظهر الی المثل وان لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلوتین فی وقتیهما بالاجماع. (امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب مواقیت الصلاة، ج: ۲، ص: ۳۱۰، ط، ادارة تالیفات اشرفیه ملتان)

درمیان وقت معمول نماز عصر آن جناب فرمودہ است۔ **کان یصلی العصر والشمس فی حجرتها بظهر الفیء** بعدومعلوم است کہ ایں بیان وتفسیر غیر از کسانے راکہ آں حجرہ مبارک رادید باشند وبودن آفتاب رادرآں حجرہ وظہور سایہ رادران مقائیسہ کردہ باشند فائدہ نمی کند کذا ہذا ونیز باید دانست کہ آنچہ درکلام امام واقع شدہ کہ **ومن عجل العصر کان ما بین الظهر الی اقل من بین العصر الی المغرب.** بظاہر مخدوش ست زیرا کہ موافق قواعد ظلال انقضاء مثل وقتے می شود کہ ربع النہار باقی می ماند دراکثر بلدان پس وقتین مساوی باشد نہ زیادہ وکم ومیتوان توجیہ کرد کہ مراداز مابین الظہر مابین وقت المتعارف للصلوۃ ست یعنی زابتدائے وقت متاخر خصوصاً درایام صیف کہ ابراد آن مستحب ست۔ واللہ اعلم اورمولانا قاضی ثناءاللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں **واما اخر وقت الظهر فلم يوجد فی حديث صحيح ولاضعيف انه لايبقى بعد مصير ظل كل شیء مثله ولهذا خالف ابو حنيفة فی هذا المسئلة صاحبيه ووافقا فيها الجمهور انتهٰى.** اب گذارش ہے کہ مذہب ایک مثل ظہر میں اور بعد مثل عصر میں مفتیٰ بہ اور محقق ومعمول بہ از روئے روایات صحیحہ حسب ارشادات اکابرین محققین رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کے نزدیک ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

وقت ظہر میں ایسا کرنا احتیاط ہے کہ ظہر بعد مثل کے نہ پڑھیں اور عصر قبل مثلین کے نہ پڑھیں اور امام صاحب کی ایک روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے(٦) اور بایں ہمہ مذہب

---

(٦)فی معارف السنن: اختلفت الروايات عن الامام.....والرواية الثالثة: أنه اذا صار ظل كل شئ مثله خرج وقت الظهر ولم يدخل وقت العصر حتى يصير ظل كل شئ مثليه، وعلى هٰذا يكون بين الظهر والعصر وقت مهمل (كما بين الظهر والفجر) وروى هٰذه أسد بن عمرو عنه. كذا فی البدائع [١-١٢٢] والعناية على هامش الفتح [١- ١٥٢] والعمدة [٢- ٥٤٢]. وقال فی العناية: قال الكرخی: وهٰذه أعجب الروايات الی لموافقتها لظاهر الأخيار. وعزاه السرخسی فی المبسوط [١-

مثلین پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور اس عبارت بستان المحدثین اور تفسیر مظہری سے قطعیۃً اور نفی صراحۃ مثلین معلوم ہوتی ہے لہٰذا مذہب مثلین مرجوح ہے۔ اور ایک مثل قوی اور معمول بہ اکثر فقہاء (٧)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مذہب حنفیہ میں عصر کا صحیح وقت

سوال:

مذہب حنفیہ میں عصر کے وقت کے بارہ میں ایک مثل کو زیادہ قوت حاصل ہے یا دو مثل کو مفتیٰ بہ اور راجح قول کون سا ہے کسی مسجد میں قبل از دو مثل عصر کی جماعت ہورہی ہو تو نماز ان کے ساتھ ادا کرے یا نہیں اور اگر مل گیا تو عصر کے فرض ساقط ہوئے یا نفلیں اور بعد دو مثل اپنی عصر کی نماز ادا کرے اور وہ لوگ جو قبل از دو مثل ادا کرتے ہیں آثم ہونگے یا نہیں؟

جواب:

بندہ کے نزدیک ایک مثل کو زیادہ قوت ہے لہٰذا اگر ایک مثل میں کسی نے نماز پڑھ لی

١۴٢] الی الحسن بن زیاد، وكذا فی الكفاية [١ـ ٨٥]. ومن أجل هذا قال المشائخ: ينبغي أن لايصلی العصر حتی يبلغ المثلين، ولا الظهر مؤخراً الی انتهاء المثل ليخرج من الخلاف فيها بيقين. أفاده ابن الهمام وابن نجيم وغيرهما. (معارف السنن شرح سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی مواقيت الصلاة عن النبی ﷺ، ج: ٢، ص: ١٠، ١١، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشي باكستان)

(٧):وقال أبو يوسف ومحمد: آخر وقتها اذا صار ظل كل شيء مثله سوی فيء الزوال، به قال زفر والأئمة الثلاثة مالک والشافعي وأحمد. وقال الطحاوی: وبه نأخذ و هو الأظهر لبيان امامة جبريل عليه السلام: وهو نص فی الباب وعليه عمل الناس اليوم، وبه يفتي. (الفقه الحنفی وأدلته فقه العبادات، كتاب الصلاة، ص: ١٢٣، ط، دار الفيحاء بيروت لبنان و مكتبة الغزالي دمشق)

فرض عصر اس کے ذمہ سے ساقط ہوئے اور اعادہ جائز نہ ہوگا کہ نفل بعد نماز عصر منع ہیں اگرچہ بعد مثلین کے نماز پڑھنا احوط ہے(۸)۔ للخروج عن الخلاف۔فقط



نماز عصر کا صحیح وقت

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ عصر اگر ایک مثل پر پڑھ لی جاوے تو ہو جاوے گی یا قابل اعادہ ہوگی؟

﴿جواب﴾:

ایک مثل کا مذہب قوی ہے لہٰذا اگر ایک مثل پر عصر پڑھے تو ادا ہو جاتی ہے اعادہ نہ کرے(۹)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۸):وقال الامام الطحاوی رحمه الله تعالىٰ: وقد حدثنی ابن ابی عمران عن ابن الثلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفةؒ انه قال فی ذلک آخر وقتها اذا صار الظل مثله وهو قول ابی یوسفؒ ومحمدؒ وبه نأخذ.

وفی امانی الاحبار تحته: (وبه نأخذ) ای بما رواه الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة وفی غرر الاذکار وهو الماخوذ وفی البرهان وهو الاظهر لبیان جبریل وهو نص فی الباب وفی الفیض وعلیه عمل الناس الیوم وبه یفتی کذا فی الدرالمختار قال الشامی والاحسن مافی السراج عن الشیخ الاسلام ان الاحتیاط ان یؤخر الظهر الی المثل وان لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلوتین فی وقتیهما بالاجماع. (امانی الاحبارفی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب مواقیت الصلاة، ج: ۲، ص: ۳۱۰، ط، ادارة تالیفات اشرفیه ملتان)

(۹):(وقالا الی أن یصیر الظل مثلاً واحداً) وهو روایة الحسن عن الامام، وقول زفر والثلاثة: وبه نأخذ قاله الطحاوی. وفی البرهان: وهو الأظهر وفی الفیض،

دونمازوں کوایک وقت میں جمع کرنے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

اگر حالت مرض وسفر وغیرہ میں جمع بین الصلوٰتین کرلیوے تو جائز ہے یانہیں کیونکہ شدت مرض وسفر سخت کی تکالیف میں فوت ہونے کا اندیشہ قوی ہے اور اس کے جواز پر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کا مسلک بھی ہے کہ مصفیٰ شرح موطا میں فرماتے ہیں۔ مختار فقیر جواز ست وقت عذر وعدم جواز بغیر عذر اور مولانا عبدالحی صاحب مرحوم بھی جواز کے قائل ہیں مجموعہ فتاویٰ میں لہٰذا ایسے عذرات میں آپ کے نزدیک بھی جواز ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ مسئلہ مقلد کے دوسرے امام کے مذہب پرعمل کرنے کا ہے تو وقت ضرورت کے جائز ہے عامی کو کہ اس کو سب حق جاننا چاہیے اگر اپنے امام کے مذہب پرعمل کرنے میں دشواری ہوتو دوسرے امام کے قول پرعمل کرلیوے اس قدر تنگی نہ اٹھاوے کہ یہ موجب ضرر اورحرج دین کا ہوتا ہے فقط یہی مذہب اپنے اساتذہ کا ہے(۱۰)۔ جیسا استاذ اساتذتنا شاہ

وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتي. (الدر المنتقى شرح الملتقى، على هامش مجمع الأنهر في شرح ملتقى الابحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۰): في اعلاء السنن: قال في الدر: ولابأس بالتقليد عند الضرورة، لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الامام، لما قدمنا أن الحكم الملفق باطل بالاجماع قال العلامة الشامي: فقد شرط الشافعي رضي الله عنه لجمع التقديم ثلاثة شروط: تقديم الأولى، ونية الجمع قبل الفراغ منها، وعدم الفصل بينهما بما يعد فاصلاً عرفا، ولم يشترط في جمع تأخير سوى نية الجمع قبل خروج الأولى، "نهر" ويشترط أيضا أن يقرء الفاتحة في الصلاة ولو مقتديا وأن يعيد الوضوء من مس

ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔فقط



زوال کا صحیح وقت گھنٹوں میں

﴿سوال﴾:

زوال کی کیا علامت ہے چار نفل جو پڑھتے ہیں قبل زوال چاہیں یا بعد زول زوال کی علامت گھنٹوں پر زیب قلم فرمانا چاہیئے۔

﴿جواب﴾:

زوال دن ڈھلنے کو کہتے ہیں جب سایہ شرق کی طرف میل کرے یہ ہی علامت ہے(۱۱)۔فقط



فرجه أو أجنبية وغير ذلک من الشروط والأركان المتعلقة بذلک الفعل والله تعالىٰ أعلم (۱: ۳۹۷). وقال الطحطاوی فی حاشيته علی مراقی الفلاح: وكثيراً ما يبتلی المسافر بمثله لاسيما الحاج، ولابأس بالتقليد كما فی البحر والنهر[ص ۱۰۳]. (اعلاء السنن، كتاب المواقيت، باب عدم جواز الجمع بين الصلاتين جمعا حقيقا، ج: ۲، ص: ۹۹، ۱۰۰، ط، ادارة القرآن)

(۱۱):قال الامام فريد الدين عالم بن العلاء الهندیؒ: واذا أردت معرفة زوال الشمس فالمنقول عن أبی حنيفة رحمه الله: أنه ينظر الی القرص فمادام فی كبد السماء فانها مازالت الشمس، فاذا انحطت يسيراً فقد زالت، والمنقول عن محمد رحمه الله فی ذلک: أن يقوم الرجل مستقبل القبلة فاذا مالت الشمس عن يساره فهو الزوال. (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الاول فی المواقيت، ج: ۲، ص: ۵، ط، مكتبة زكريا ديوبند)

نماز جمعہ کا گھنٹوں سے وقت

﴿سوال﴾:

جمعہ کی نماز کا وقت امام اعظم صاحبؒ کے نزدیک کتنے بجے مستحب ہے گھنٹوں سے فرمائیے۔

﴿جواب﴾:

گرمی میں تاخیر کرنا اور جاڑے میں جلدی کرنا ظہر و جمعہ میں برابر ہے(۱۲) گھنٹوں

---

(۱۲): اس مسئلے میں فقہاء احناف سے دو قول منقول ہیں ایک قول تو یہی ہے کہ جمعہ مثل ظہر کے ہے۔ اصل وقت اور وقتِ مستحب دونوں کے اعتبار سے گرمی اور سردی میں، اس لیے کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اور اس کا نائب ہے۔ علامہ حصکفی رحمہ اللہ اور علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ اور بعض دوسرے حضرات نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ سردی اور گرمی میں مطلقاً نماز جمعہ اوّل وقت ہی میں پڑھنا مستحب ہے۔ علامہ عینی، علامہ شامی رحمہما اللہ تعالیٰ اور محدث کبیر علامہ شاہ انور شاہ کشمیری اور علامہ محمد یوسف کاندھلوی رحمہما اللہ تعالیٰ اور اکثر علماء کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اور حضرت گنگوہی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک دوسری فتوے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسی باب میں عنوان ''جمعہ اور ظہر کی نماز کے اوقات میں فرق'' کے تحت ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: جمعہ وظہر کا وقت ایک ہے مگر جمعہ کو ذرا پہلے پڑھنا کہ لوگ سویرے سے آئے ہیں ان کو جلد فراغت ہو جائے تو بہتر ہے۔

فی العمدة: باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة: أی هذا باب ترجمته اذا اشتد الحر، جواب: اذا، محذوف تقدیره: اذا اشتد الحر یوم الجمعة أبرد بها، وانما لم یجزم بالحکم الذی یفهم من الجواب لکونه لم یتیقن أن قوله: یعنی الجمعة، من کلام التابعی أو من کلام من دونه، لأن قول أنس: کان النبیﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلاة، واذا اشتد الحر أبرد بالصلاة، ومطلق یتناول الظهر والجمعة، کما أن قوله

کا حساب کوئی ضروری نہیں جیسا مناسب حال ہو کرے۔ اس میں کوئی توقیت نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



فی روایة حمید عنه: كنا نبكر بالجمعة، مطلق يتناول شدة الحر وشدة البرد، والحاصل أن النقل عن أنس رضی الله عنه، مختلف. فرواية حميد عنه تدل على التبكير بالجمعة مطلقاً، ورواية أبی خلدة عنه تدل على التفصيل فيها، وروايته الثانية عنه تدل على أن هذا الحكم بالصلاة مطلقاً، يعنى: سواء كان جمعة أو ظهراً، وروايته الثالثة التى رواها عنه بشر بن ثابت تدل على ان هذا الحكم بالظهر، ويحصل الائتلاف بين هذه البروايات بأن نقول: الأصل فی الظهر التبكير عند اشتداد البرد والابراد عند اشتداد البحر، كما دلت عليه الأحاديث الصحيحة، والأصل فی الجمعة، التبكير لأن يوم الجمعة يوم اجتماع الناس وازدحامهم، فاذا أخرت يشق عليهم: وقال ابن قدامة ولذالک كان النبیﷺ يصليها اذا زالت الشمس صيفاً وشتاءً على ميقات واحد، ثم ان انساً رضی الله تعالیٰ عنه، قاس الجمعة على الظهر عند اشتداد الحر لابالنص، لأن أكثر الأحاديث تدل على التفرقة فی الظهر وعلى التبكير فی الجمعة. (عمدة القاری، كتاب الجمعة، باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة، ج: ٦، ص: ٢٩١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی الدرالمختار: جمعة كظهراصلاًواستحباباً فی الزمانين لانها خلفه.

وفی الشامية تحته: (واستحبابا فی الزمانين) ای الشتاء والصيف ح، لكن جزم فی الاشباه من فن الاحكام انه لايسن لهاالابراد، تؤدى فی وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور ليس بمشروع لانهاتقام بجمع عظيم، فتاخيرها مفض الى الحرج، ولاكذلک الظهر وموافقة الخلف لاصله من كل وجه ليس بشرط. (رد المختار على در المختار، كتاب الصلاة، ج: ٢، ص: ٢٥. ٢٦، ط: دار عالم الكتب رياض)

وقال العلامة المحدث الكبير الشيخ محمد انور الكشميری نورالله مرقده:

مغرب کا انتہائی وقت صحیح

﴿سوال﴾:
شفق سفید تک وقت مغرب کا رہتا ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء حنفیہ تو فرماتے ہیں کہ شفق سفید تک مغرب کا وقت ہے اس کے بعد عشاء کا وقت ہے اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز

وفی العینی: أنه لا ابراد فی الجمعة. وفی البحر: أن فیها ذلک. والأرجح عندی ما اختاره العینی رحمه اللّٰه. (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۳۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وقال العلامة محمد یوسف الکاندهلوی رحمه اللّٰه تعالیٰ: وقد ذهب الی تبکیر الجمعة وعدم الابراد بها اصحابنا الحنفیة وهو مشهور مذهب مالک واصح الوجهین عند جمهور الشافعیه کما قال العینی لما ثبت فی الصحیح انهم کانوا یرجعون من صلوة الجمعة ولیس للحیطان ظل یستظلون به من شدة التبکیر لها اول الوقت فدل علی عدم الابراد. (امانی الاحبارفی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب الوقت الذی یتسحب ان یصلی صلوة الظهر فیه، ج: ۲، ص: ۴۰۹، ط، ادارة تالیفات اشرفیة ملتان)

(وکذا فی الخیر الجاری شرح صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة، ج: ۱، ص: ۲۴۳، ط، ادارة تالیفات اشرفیة ملتان/ وتحفة القاری شرح صحیح البخاری، ج: ۳، ص: ۲۲۴، ط،مکتبه حجازدیوبند/ وفتاوی دار العلوم دیوبند، ج: ۲ ،ص: ۳۶، ط: دار الاشاعت کراچی/ وفتاوی محمودیه ، ج:۵، ص: ۳۵۲/ وفتاوی عزیزی، ج: ۱ ، ص: ۲۸۴، ط، دار الاشاعت کراچی/ وخیر الفتاوی ، ج:۳ ،ص: ۳۷ ،ط، مکتبه امدادیه ملتان/ و فتاوی رحیمیه ، ج:۴ ، ص: ۷۵، ط، دار الاشاعت کراچی/ وفتاوی مفتی محمود رحمه اللّٰه،ج: ۲، ص: ۵۵۴، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس، لاهور/ وفتاوی فریدیه، ج:۲ ، ص:۱۶۸ / وآپ کے مسائل اور ان کاحل،اضافه وتخریج شده ایڈیشن ، ج:۳،

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعد شفق سرخ کے عشاء کا وقت ہو جاتا ہے قول اصح یہی ہے اب تردد یہ ہے شفق سفید مغرب میں داخل ہے یا عشاء میں اور علماء حنفیہ کے نزدیک قول مفتیٰ بہ کیا ہے؟

﴿جواب﴾:

یہ مسئلہ امام صاحب اور ان کے صاحبین میں مختلف ہے احوط یہ ہے کہ دونوں کی رعایت رکھے (۱۳) اور بعض نے فتویٰ صاحبین کے قول پر لکھا ہے جیسا شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے شرح وقایہ میں بھی سرخ پر فتویٰ دیا ہے (۱۴)۔



ص: ۲۱۹، ط، مكتبه لدهيانوى/ وكتاب النوازل، ج:۳، ص: ۲۳۹/ وعمدة الفقه، ج: ۲، ص: ۱۹/ وفتاوى عثمانى، ج: ۱، ص: ۵۳۲، ط، مكتبة معارف القرآن كراچى/ و فتاوى قاسميه، ج: ۹، ص: ۸۲، ط، مكتبه اشرفيه، ديوبند/ وكتاب المسائل، ج: ۱، ص: ۲۳۹، ۲۴۰/ ونجم الفتاوى، ج: ۲، ص: ۴۹۰)

(۱۳):في الشامية: قال في الاختيار: الشفق: البياض، وهو مذهب الصديق ومعاذ بن جبل وعائشة رضى الله عنهم. قلت ورواه عبدالرزاق عن أبى هريرة وعن عمر بن عبدالعزيز، ولم يرو البيهقى الشفق الأحمر الا عن ابن عمر، وتمامه فيه.... قال العلامة قاسم: فثبت أن قول الامام هو الأصح، ومشى عليه فى البحر مؤيداً له بما قدمناه عنه...وفى السراج قولهما أوسع وقوله أحوط.والله اعلم.(ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، مطلب فى الصلاة الوسطىٰ، ج: ۲، ص: ۱۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۴): قال العلامة أسعد محمد سعيد الصاغرجيؒ: وأول وقت المغرب اذا غربت الشمس، وآخر وقتها مالم يغب الشفق الأبيض الذى يستمر فى الأفق بعد غيبة الشفق الأحمر بثلاث درج عند أبى حنيفة رحمه الله. وقال أبو يوسف ومحمد: هو الشفق الأحمر، وهو رواية عنه أيضاً وعليها الفتوى وبه الأئمة الثلاثة.

جماعت کے لئے گھنٹوں سے وقت مقرر کر لینے کا حکم

﴿سوال﴾:
مسئلہ چند مسلمان یہ تجویز کرلیں کہ نماز ظہر کی بعد نواخت دو گھنٹے دوپہر کے ہوگی۔ یا نماز عشاء کی بعد نواخت آٹھ گھنٹے رات کے ہوگی تو باعتبار نواخت گھنٹوں کے نماز جائز ہے یا نہیں؟

وجاء عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه رجوعه عن قوله وقال: انه الحمرة لما ثبت عنده من حمل عامة الصحابة الشفق علی الحمرة. (الفقه الحنفی وأدلته، فقه العبادات، کتاب الصلاة، ص: ۱۲۶، ط، مکتبة الغزالی دمشق، ودار الفیحاء بیروت لبنان)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الاول فی المواقیت وما یتصل بها، الفصل الاول فی أوقات الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۱)

(وکذا فی شرح الوقایة، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۴۷، ط، میر محمد کتب خانه کراچی)

(وکذا فی الدرر الحکام فی شرح غرر الأحکام، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۱، ط، میر محمد کتب خانه آرام باغ کراچی)

(وکذا فی الدر المختارشرح تنویر الأبصار وجامع البحار، کتاب الصلاة، ص: ۵۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی القول الصواب فی مسائل الکتاب، ص: ۷۷،۷۸،۷۹،۸۰، ط، مکتبه عمر فاروقؓ کراچی)

(وکذا فی الهدیة العلائیة لتلامیذ المکاتب الابتدائیة فی الفقه الحنفی، ص: ۶۸، ط، دار ابن حزم بیروت لبنان)

(وکذا فی حاشیة العلامة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۸۰، ط، مکتبة امدایه ملتان)

﴿جواب﴾:

وقت مقرر کر لینا مستحب وقت میں درست ہے نواخت گھنٹہ سے وقت کی تحدید ہے شرع میں چاند سورج کے سایہ سے تحدید ہے یہ بھی تحدید ساعات سے ہے اس میں کوئی حرج نہیں (۱۵)۔فقط



فجر کی سنتیں قبل طلوع آفتاب ادا کرنا

﴿سوال﴾:

مسئلہ سنت فجر کی اگر بباعث شامل ہونے فرضوں کے نہ ہوئی اور قبل طلوع آفتاب سے کسی نے پڑھ لی تو وہ قابل ملامت اور مرتکب گناہ کا ہوتا ہے اور سنت اس کے ذمہ سے ادا ہو جاتی ہیں یا نہیں ہوتی؟ زید کہتا ہے کہ قبل طلوع آفتاب کے سنت پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔ ان سنتوں کا اختلاف کس صورت پر ہے اور مفتیٰ بہ کیا ہے آیا قبل طلوع آفتاب کے پڑھنا چاہئے یا نہ پڑھنا چاہئے اور جس وقت تکبیر تحریمہ ہوگی اور امام قرأت پڑھنے لگا اس وقت سنت پڑھے یا فرضوں میں شامل ہو جاوے؟

﴿جواب﴾:

جب تکبیر نماز فرض فجر کی ہوگی اور امام نے فرض نماز شروع کر دی تو سنت فجر کی صف کے پاس پڑھنا تو سب کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے مگر صف سے دور جہاں پردہ ہو امام

(۱۵):و فی الشامیة: فینبغی الاعتماد فی أوقات الصلاة وفی القبلة علی ما ذکره العلماء الثقات فی کتب المواقیت، وعلی ما وضعوه لها من الآلات کالربع والاصطرلاب، فانها ان لم تفد الیقین تفد غلبة الظن للعالم بها،وغلبة الظن کافیة فی ذلک. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۱۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وجماعت سے دوسرے مکان میں اگرایک رکعت نماز کی امام کے ساتھ مل سکے تو سنت پڑھ کر پھر شریک جماعت کا ہوجاوے ورنہ سنت کو ترک کردے جماعت میں شریک ہوجاوے(١٦)اور پھر سنت کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھ لیوے بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں، یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے(١٧)اور قبل طلوع آفتاب کے بعد فرض کے سنت پڑھنا امام ابو

---

(١٦):فی الدر المختار: لایترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکاناً، والا ترکها.

وفی الشامیة تحته: قوله: (عند باب المسجد) أی خارج المسجد کما صرح به القهستانی.....فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد، وأشدها کراهة أن یصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذی یلی ذلک خلاف الصف من غیر حائل. ومثله فی النهایة والمعراج.

قوله: (والا ترکها) قال فی الفتح: وعلی هذا: أی علی کراهة صلاتها فی المسجد ینبغی أن لایصلی فیه اذا لم یکن عند بابه مکان. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة،باب ادراک الفریضة، ج:٢،ص:٥١٠، ٥١١،ط، دار عالم الکتب ریاض)

وقال الامام عالم بن العلاء الهندی رحمه الله تعالٰی: رجل انتهی الی الامام، والناس فی صلاة الفجر ان خشی أن تفوته رکعة من الفجر بالجماعة، ویدرک رکعة، صلی سنة الفجر رکعتین عند باب المسجد، ثم یدخل المسجد ویصلی مع القوم، وان خاف أن تفوته الرکعتان جمیعا لو اشتغل بالسنة، یدخل مع القوم فی صلاتهم. (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل الحادی عشر فی التطوع قبل الفرض وبعده الخ، ج: ٢، ص: ٣٠٨، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(١٧): فان النبی ﷺ صلی رکعتی الفجر ثم صلی الفجر ولان لهذه السنة من القوة مالیس لغیرها قال ﷺ صلوها فان فیها الرغائب وان انفردت بالفوات لم

حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمہ(۱۸) اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک درست ہے(۱۹)۔ فقط



تقض عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ لأن موضعها بین الاذان والاقامة وقد فات ذلک بالفراغ من الفرض وعند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ یقضیها اذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (المبسوط السرخسی، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار المعرفة بیروت لبنان/ وکذا فی التسهیل الضروری لمسائل القدوری، کتاب الصلاة، فی ادراک الفریضة، ص: ۷۳، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۱۸): فی الهدایة: قال اذا فاتته رکعتا الفجر لایقضیهما قبل طلوع الشمس، لأنه یبقی نفلاً مطلقاً وهو مکروه بعد الصبح.

وفی البنایة تحته: التنفل مکروه بعد أن یصلی فرض الفجر لما مر بیانه. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلاة، باب ادارک الفریضة، ج: ۲، ص: ۵۷۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ وکذا فی مجمع الانهر شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، باب ادارک الفریضة، ج: ۱، ص: ۱۱۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ والهدیة العلائیة لتلامیذ المکاتب الابتدائیة فی الفقه الحنفی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ص: ۹۶، ط، دار ابن حزم بیروت لبنان)

(۱۹): وأجاز الشافعی وأصحابه وطائفة من السلف ـ منهم: عطاء، وعمرو بن دینار ـ أن تصلی رکعتا الفجر بعد سلام الامام من صلاة الصبح. (الاستذکار، کتاب صلاة اللیل، باب ماجاء رکعتی الفجر، ج: ۵، ص: ۳۰۹، ط، دار قتیبة دمشق، ودار الوغی حلب القاهرة)

والذی ذهب الیه الشافعی ـ رضی اللّٰه عنه ـ : أن من فاته رکعتی الفجر یصلیهما بعد الفریضة. (الشافی فی شرح مسند الشافعی، کتاب الصلاة فی النوافل، الفصل الثانی فی رکعتی الفجر، ج: ۲، ص: ۱۲۶۱، ط، مکتبة الرشد ریاض/ وکذا فی شرح الزرقانی علی المؤطا، کتاب صلاة، باب ماجاء رکعتی الفجر، ج: ۱، ص:

ملفوظات

دونمازوں کے جمع کرنے کا مسئلہ

﴿۱﴾ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونماز کا جمع کرنا کسی حالت میں درست نہیں مگر ہاں جمع صوری اس طرح کہ ظہر کی نماز آخر وقت میں پڑھے۔پھر ذرا صبر کرے۔جب عصر کا وقت داخل ہوجاوے تو عصر کو اول وقت میں ادا کرے تو اس طرح درست ہے۔ایسا ہی مغرب کو آخر وقت اور عشاء کو اول وقت پڑھے تو اس طرح جمع کرنا عذر مرض سے درست ہے ورنہ درست نہیں (۲۰)۔فقط والسلام



۲۳۵، ط، مطبعة الخيرية)

(۲۰):في الكنز ومنع....وعن الجمع بين الصلاتين فى وقت بعذر.

وفـي التبييـن تـحتـه:(وعـن الجمع بين صلاتين فى وقت بعذر) يعنى منع عن الـجـمع بينهما فى وقت واحد بسبب العذر احترز بقوله فى وقت عن الجمع بينهما فعـلا بان صلى كل واحدة منهما فى وقتهما بان يصلى الاولى فى آخر وقتها والثانية فى أول وقتها فانه جمع فى حق الفعل وان لم يكن جمعا فى وقت واحترز بقوله بعذر عـن الجمع فى عرفة والمزدلفة فان ذلک يجوز وان لم يكن لعذر. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۸۸، ط، مكتبه امداديه ملتان)

قـولـه: (ولايـجـمـع بين صلاتين فى وقت) مثل ما يجمع الشافعية بين الظهر والعصر، وبين المغرب والعشاء لعذر السفر والمطر ولو فى الحضر. ولاجمع عندنا الا فـي مـوضعين: الأول فى عرفة....والثانى: فى مزدلفة. الخ. (منحة السلوک فى شـرح تـحـفة الـمـلوک، كتاب الصلاة، ص: ۱۱۰/وكذا فى أوجز المسالک الى مـوطـأ مالک، كتاب قصر الصلاة فى السفر، باب الجمع بين الصلاتين فى الحضر والسـفـر، ج: ۳، ص: ۱۵۳، ۱۵۴، ط، دار الـقـلـم دمشـق/و البحر الرائق، كتاب

جمعہ یا ظہر کا صحیح وقت گھنٹوں سے

﴿۲﴾ نماز پڑھنے میں گھنٹہ کا اعتبار نہیں۔ بعد زوال شمس سایہ اصلی چھوڑ کر ایک مثل کے اندر جمعہ یا ظہر پڑھ لینی چاہئے اور سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل کے بعد بروایت مفتیٰ بہ وقت نماز عصر ہو جاتا ہے(۲۱) اور رجوع امام صاحب کا حال پھر پوچھنا عصر کی نماز ایک مثل کے ہو جاتی ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ ہم نے استادوں سے یہی سنا ہے کہ ہزارہ روزہ کی کچھ اصل نہیں اور سب نفل روزوں کے برابر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب العبد عبدالرحمٰن بقلم عبدالرحمٰن غفرلہ ہم شعبان ۱۳۱۳ھ یوم شنبہ از پانی پت عبدالسلام عفی عنہ کا سلام مسنون۔



الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۱۴۴، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۲۱):وقال الامام الطحاوی رحمه اللّٰه تعالٰی: وقد حدثنی ابن ابی عمران عن ابن الشلجی عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفةؒ انه قال فی ذلک آخر وقتها اذا صار الظل مثله وهو قول ابی یوسفؒ ومحمدؒ وبه نأخذ.

وفی امانی الاحبار تحته: (وبه نأخذ) ای بما رواه الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة وفی غرر الاذکار وهو الماخوذ وفی البرهان وهو الاظهر لبیان جبریل وهو نص فی الباب وفی الفیض وعلیه عمل الناس الیوم وبه یفتی کذا فی الدرالمختار قال الشامی والاحسن مافی السراج عن الشیخ الاسلام ان الاحتیاط ان یؤخر الظهر الی المثل وان لایصلی العصر حتی یبلغ المثلین لیکون مؤدیا للصلوتین فی وقتیهما بالاجماع. (امانی الاحبارفی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ، ج: ۲، ص: ۳۱۰، ط، ادارۃ تالیفات اشرفیه ملتان/وفی الدرالمنتقی شرح الملتقی علی هامش مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ وغنیة ذوی الاحکام فی

حد اسفار

﴿۳﴾ حد اسفار خوب صبح کا روشن ہوجانا ہے (۲۲) کہ بعد طلوع صبح کے تقریباً ایک گھڑی میں ہوجاتا ہے باقی سب غلو ہے۔ فقط عصر کو قبل تغیر آفتاب مستحب لکھا ہے (۲۳)

بغية درر الحكام على هامش درر الحكام في شرح غرر الاحكام، كتاب الصلاة، ج: ١، ص: ٥١، ط، ميرمحمد كتب خانه آرام باغ كراچی)

(۲۲): في الدر المختار: والمستحب للرجل الابتداء في الفجر باسفار والختم به.

وفي الشامية تحته: (باسفار) أي في وقت ظهور النور وانكشاف الظلمة. (رد المختار على الدر المختار، كتاب الصلاة، ۲۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

والاسفار في الفجر أفضل يعني اذا انكشف الصبح وأضاء .الخ. (الفقه الحنفي وأدلته، فقه العبادات، كتاب الصلاة، ص: ١٢٢، ط، دار الفيحاء بيروت لبنان)

(۲۳): ويستحب تأخير العصر مالم تتغير الشمس في كل زمان لأنه عليه الصلاة والسلام كان يأمر بتأخير العصر لما فيه من تكثير النوافل لكراهتها بعد الاداء. (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر، كتاب الصلاة، ج: ١، ص: ١٠٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قال الشيخ السهارنفوری نورالله مرقده في حاشية الترمذي: قوله: تأخير صلاة العصر: قال محمد: تأخير العصر أفضل عندنا من تعجيلها اذا صليتها والشمس بيضاء نقية لم يدخلها صفرة، وبذلک جاء ت عامة الآثار وهو قول أبي حنيفة وقد قال بعض الفقهاء: انما سميت العصر لأنها تعصر وتؤخر. [الموطأ]. (جامع الترمذي، ابواب الصلاة، باب ماجاء في تأخير العصر، ج: ١، ص: ٩٠، ط، الطاف اينڈ سنز، كراتشي)

مگر عمل درآمد صحابہ یہ ہے کہ اول وقت پڑھے(۲۴)۔پس نصف وقت تک پڑھ لیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲۴):وممن كان يعجل العصر عمربن الخطاب، وكتب الى عماله: أن صلوا العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية، قدر ما يسير الراكب فرسخين أو ثلاثة. وكان ابنه عبداللّٰه يصليها والشمس بيضاء نقية يعجلها مرة ويؤخرها أخرى. (شرح صحيح البخارى لابن بطال، كتاب مواقيت الصلاة وفضلها، باب وقت العصر، ج: ٢، ص: ١٧٢، ط، مكتبة الرشد، رياض)

قال العلامة عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامة المقدسى الحنبلى رحمه اللّٰه تعالىٰ: مسألة: (وتعجيلها أفضل بكل حال) روى ذلك عن عمر، وابن مسعود، وعائشة، وأنس، وابن المبارك، وأهل المدينة، والاوزاعى، والشافعى، واسحاق. وروى عن أبى هريرة وابن مسعود، انهما كانا يوخران العصر. (الشرح الكبير، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج: ٣، ص: ١٥٠)

نیز اول وقت میں عصر کی نماز پڑھنا جس طرح اصحاب رسول ﷺ کا طریقہ ہے۔اسی طرح عصر کی نماز کو مثل ثانی میں قبل تغیر آفتاب کے پڑھنا بھی اصحاب رسول ﷺ کا طریقہ ہے۔

فى اعلاء السنن: عن الثورى عن منصور عن ابراهيم قال: كان من كان قبلكم أشد تعجيلاً للظهر وأشد تأخيرا للعصر منكم. رواه عبدالرزاق فى مصنفه. (الجوهر النقى: ١: ١١٣)، قلت: ورجاله ثقات أثبات.

وقال العلامة العثمانیؒ تحته: قوله عن الثورى عن منصور عن ابراهيم الخ. قلت: ابراهيم هو النخعى وهو من التابعين، فقوله: ”كان من كان قبلكم“ أراد به جماعة الصحابة رضى الله عنهم، فثبت من مواظبة الصحابة على تأخير العصر أنه هو المختار فيها دون التعجيل. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب المواقيت، استحباب تأخير العصر، ٢، ص: ٤٤، ٤٥، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

ظہر کا وقت کب کامل ہے کب ناقص؟

﴿۴﴾مثل اول اور سایہ اصلی متفق علیہ ہے اور سارا وقت کامل ہے کچھ نقصان اس میں نہیں تو سارے وقت میں نماز ظہر بلا کراہت تنزیہہ ادا ہوتی ہے لازم ہے کہ اس وقت میں فارغ ہولیوے مثل اول کا نصف ثانی مکروہ ہونا کسی نے نہیں لکھا اور جب سایہ اصلی اور مثل اول نکل گیا تو وقت مختلف فیہ آ گیا۔ ایسے میں نماز ہرگز نہ ادا کرلے۔ پس بہتر یہ ہے کہ اول مثل میں فارغ ہوجاوے(۲۵)۔ ابراد کے واسطے قدر ایک نصف مثل اول کے کافی ہے

وذهبت طائفة الى أن تأخير العصر أفضل، وروى ذلک عن أبي هريرة، وابن مسعود، وطاوس وأبي قلابة، وابن سيرين، وحكى عن أبي قلابة أنه قال: انما سميت العصر لتعصر، وكذلک قال ابن شبرمة، وعن ابراهيم، وهمام، وعلقمة أنهم كانوا يؤخرون العصر، وقال أصحاب الرأى: يصلى العصر في آخر وقتها، والشمس بيضاء لم تتغير في الشتاء والصيف. اهـ كلام ابن المنذر في "الأوسط" باختصار. جـ۲ص ۳۶۲ـ ۳۶۵. (ذخيرة العقبىٰ في شرح المجتبىٰ، كتاب الصلاة، باب تعجيل العصر، ج: ۶، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، ط، دارآک بروم مكة المكرمة)

وقال العلامة ابن رجب الحنبلي رحمه الله تعالىٰ: والقول الثاني: أن تاخيرها الى آخر وقتها مالم تصفر الشمس أفضل وهو قول اهل العراق......وقد روى هذا القول، عن علي، وابن مسعود، وغيرهما. الخ. (فتح البارى لابن رجبؒ، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر، ج: ۴، ص: ۲۹۲، ط، مكتبة الغرباء الاثرية المدينة المنورة/ وكذا في التعليق الممجد على موطا محمدؒ، كتاب الصلاة، ص: ۴۵، ۴۶، ط، نور محمد اصح المطابع كارخانه تجارت آرام باغ كراچى/و في البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، فصل ويستحب الاسفار بالفجر، ج: ۲، ص: ۴۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ وفي خلاصة الدلائل في تنقيح المسائل، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۶۸، ط، مكتبة الرشد رياض)

(۲۵):قال المشائخ: ينبغي أن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين، ولا الظهر

۔باقی قید گھنٹہ کی اول تو گھنٹہ ہر موسم کا مختلف ہے۔ دوسرے بندے نے اس کا حساب بھی نہیں کیا۔ اپنا عمل درآمد یہ ہے کہ جاڑے میں ایک بجے کے قریب فارغ ہوتے ہیں اور اس موسم میں دو بجے دن کے فارغ ہوتے ہیں۔ پس ایسا ہی آپ مقرر کر دیویں اور خوغائے عوام پر خیال نہ فرماویں کہ ان کی اطاعت میں ہرگز انتظام نماز جماعت کا نہ ہوئے گا۔ واللہ اعلم



عصر کا صحیح وقت

﴿۵﴾ برادر عزیز محمد صدیق صاحب مد فیوضہم السلام علیکم وقت مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے۔ روایات حدیث سے ثبوت کا ہوتا ہے۔ دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں بناء علیہ ایک مثل پر عصر ہو جاتی ہے۔ گو احتیاط دوسری روایت میں ہے(۲۶)۔ فقط والسلام



مؤخراً الی انتهاء المثل ليخرج من الخلاف فيها بيقين. أفاده ابن الهمام وابن نجيم وغيرهما. (معارف السنن شبرح سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی مواقيت الصلاة عن النبیﷺ، ج: ۲، ص: ۱۰، ۱۱، ط، ایجوکیشنل بريس كراتشي باكستان)

(۲۶): وقال الامام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ: وقد حدثنی ابن ابی عمران عن ابن الثلجی عن الحسن بن زياد عن ابی حنيفةؒ انه قال فی ذلک آخر وقتها اذا صار الظل مثله وهو قول ابی يوسفؒ ومحمدؒ وبه نأخذ.

وفی امانی الاحبار تحته: (وبه نأخذ) ای بما رواه الحسن بن زياد عن ابی حنيفة وفی غرر الاذكار وهو الماخوذ وفی البرهان وهو الاظهر لبيان جبريل وهو نص فی الباب وفی الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتی كذا فی الدر المختار قال الشامی والاحسن مافی السراج عن الشيخ الاسلام ان الاحتياط ان يؤخر الظهر

اذان اوراقامت کا بیان

مؤذن کیسا ہو

﴿سوال﴾:

مؤذن غلط خواں کے بغیر اجازت دوسرے شخص صحیح خواں کواذان واقامت حسبۃ للہ کہنا درست ہے یانہیں؟ اور جس صحیح خواں کی اذان واقامت سے مؤذن غلط خواں ناراض ہوتا ہواس کواذان وتکبیر کا کہنا کیسا ہے۔اورمؤذن مذکور کا ناراض ہونا شرعا خواندہ مؤذن ہونا چاہیے یا ناخواندہ بھی پھر اگر باوجود خواندہ کے ایسا مؤذن اذان واقامت کہتا رہے تو نماز میں کچھ خلل نہیں آتا؟

﴿جواب﴾:

مؤذن صحیح خواں اور صالح ہونا چاہیے(۱) اگراس کے خلاف مؤذن ہواورایسی طرح پر

الى المثل وان لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلوتين فى وقتيهما بالاجماع. (امانى الاحبارفى شرح معانى الآثار، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ج: ٢، ص: ٣١٠، ط، ادارة تاليفات اشرفيه ملتان)

(۱):عن ابن عباس قال: قال رسول اللهﷺ ليؤذن لكم خياركم، وليؤمكم قراؤكم. وفى البذل تحت هذا الحديث: (خياركم) أى من هو أكثر صلاحاً ليحفظ نظره عن العورات، ويبالغ فى محافظة الأوقات. (بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد، كتاب الصلاة، باب من أحق بالامامة، ج: ٣، ص: ٤٦٦، ٤٦٧، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبان)

وفى الشامية: ثم اعلم أنه ذكر فى الحاوى القدسى من سنن المؤذن: كونه رجلاً عاقلاً، صالحاً، عالماً بالسنن والأوقات.الخ. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ٢، ص: ٦٢، ط: دار عالم الكتب الرياض)

اذان کہے کہ معنی بگڑ جاویں تو وہ گویا اذان ہوئی ہی نہیں (۲)۔ بلا اذان نماز ہوئی۔ فقط۔



اذان اور جماعت میں کتنا فرق ہونا چاہیے

﴿سوال﴾:

اذان جماعت سے کس قدر پیشتر ہونی چاہیے اور انتظار مصلیوں کا کہاں تک ہے موافق طریقہ سنت اور فتویٰ شرعی کے جواب مرحمت ہو؟

﴿جواب﴾:

اذان جماعت سے اس قدر پہلے ہونا ضروری ہے کہ پیشاب پاخانہ والا اپنی حاجت سے فارغ ہو کر وضو کر کے آ سکے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد اذان کے اتنی تاخیر کو ارشاد فرمایا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۲):فی الدرالمختار: ولالحن فيه أی تغنی بغير كلماته، فانه لايحل فعله وسماعه.

وفی الشامية تحته: قوله: (بغير كلماته) أی بزيادة حركة أو حرف أو مد او غيرها فی الأوائل والأواخر. قهستانی. (ردالمختار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۲، ص: ۵۲، ۵۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

واما التغنی بتغيير كلماته، بزيادة حركة أو حرف مد أو غيرها فی الأوائل والأواخر، فانه لايحل فعله ولاسماعه. (الهدية العلائية لتلاميذ المكاتب الابتدائية فی الفقه الحنفی، كتاب الصلاة، باب الاذان، ص: ۷۰، ط، دار ابن حزم بيروت لبنان)

(۳):عن أبی بن كعب رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يا بلال اجعل بين اذانک واقامتک نفسا يفرغ الآكل من طعامه فی مهل ويقضی المتوضئ

اذان کے وقت اور اذان دینے کے درمیانی وقفہ میں دنیا کی بات

﴿سوال﴾:

درمیان کلمات اذان کے مؤذن جو وقفہ لیتا ہے اس میں بات دنیا کی جائز ہے یا نہیں اور کچھ ثواب میں کمی ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

دنیا کی بات اثنائے سکوت مؤذن بھی درست ہے اور جب اذان کہہ رہا ہو اس وقت بھی درست ہے (۴) مگر ثواب گھٹ جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم



حاجته فی مهل. وفی الفتح تحت هذا الحديث: الأحكام: أحاديث الباب تدل على مشروعية الفصل بين الأذان والاقامة وكراهة الموالاة بينهما لما فی ذلک من تفويت صلاة الجماعة على كثير من المريدين لها، لان من كان على طعامه أو غير متوضئ حال النداء اذا استمر على أكل الطعام أو توضأ للصلاة فاتته الجماعة أو بعضها بسبب التعجل وعدم الفصل لاسيما اذا كان مسكنه بعيداً من مسجد الجماعة، فالتراخی بالاقامة نوع من المعاونة على البر والتقوى المندوب اليهما، وقد ضاعت هذه السنة فی زمننا هذا فی كثير من المساجد فلاحول ولاقوة الا بالله. (الفتح الربانی لترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيبانیؒ، ابواب الاذان والاقامة، باب فی الفصل بين الاذان والأقامة ومن أذن فهو يقيم، ج: ۳، ص: ۴۱، ۴۲، ط، دار أحياء التراث العربی بيروت لبنان)

وفی الهندية: ينبغی ان يؤذن فی أول الوقت ويقيم فی وسطه حتى يفرغ المتوضئ من وضوئه والمصلی من صلاته والمعتصر من قضاء حاجته كذا فی التتارخانية ناقلا عن الحجة. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثانی فی الاذان، الفصل الثانی فی كلمات الاذان والاقامة وكيفيتهما، ج: ۱، ص: ۵۷)

(۴):وفی التجنيس لايكره الكلام عند الاذان بالاجماع. (غنية المستملی

خطبہ کی اذان کا جواب اور اس کی دعا

﴿سوال﴾:

جو اذان کہ خطبہ جمعہ کے واسطے کہی جاتی ہے اس کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جائز نہیں اور جب امام اپنی جگہ سے اٹھے اسی وقت سکوت واجب ہے (۵)۔فقط



شرح الكبير للمنية المصلى، سنن الصلاة، ص: ۳۷۸)

وكذا ينبغي أن لايتكلم فى حال الآذان، والاقامة، ولايقرأ القرآن، ولايشغل بشيء من الأعمال سوى الأجابة. (تحفة الفقهاء، كتاب الصلاة، مايجب على السامعين عند الأذان، ج: ۱، ص: ۱۱۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵):فى الجوهرة النيرة: (قوله ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته) وكذا القراء ة وهذا عند ابى حنيفة وقالا لابأس بالكلام قبل ان يخطب وذا نزل قبل ان يكبر للاحرام لان الكراهة للاخلال بفرض الاستماع ولااستماع فى هذين الحالين بخلاف الصلاة لانها قد تمتد ولابى حنيفة ان الكلام ايضا قد يمتد طبعا فاشبه الصلاة والمراد سواء كان كلام الناس او التسبيح او تشميت العاطس او رد السلام وفى العيون المراد به اجابة المؤذن اما غيره من الكلام يكره بالاجماع لقوله عليه السلام اذا قلت لصاحبك والامام يخطب انصت فقد لغوت. (الجوهرة النيرة على مختصر القدورى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۱۰، ط، مكتبه امداديه ملتان)

وفى الدر المختار: قال: وينبغي أن لايجيب بلسانه اتفاقاً فى الأذان بين يدى الخطيب. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۲، ص:

فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر میں النوم کا جواب

﴿سوال﴾:

صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر میں النوم کے جواب میں صدقت و بررت کہنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ کہنا چاہیے ثابت ہے(۶)۔



۷۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(وکذا فی تحفة الملوک، کتاب الصلاة، فصل فی الجمعة، ص: ۹۳، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

(وکذا فی القول الصواب فی مسائل الکتاب، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ط، مکتبه عمر فاروق کراچی)

(۶):اذا قال المؤذن الصلاة خیر من النوم لایعیده السامع لما قلنا ولکنه یقول صدقت وبررت. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصلاة، فصل فی بیان ما یجب علی السامعین عند الأذان، ج: ۱، ص: ۱۵۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی التحفة: واذا قال المؤذن الصلاة خیر من النوم لایقوله السامع، لأن فیه شبه المحاکاة کما فی قوله حی علی الصلاة، حی علی الفلاح بل یقول صدقت وبررت. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۵۳، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

ابھی چند وقت پہلے حضرت مولانا مفتی صداقت علی صاحب دامت برکاتہم کا اس مسئلہ کے بارے میں ایک تحقیق نظر سے گذری مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں پر نقل کردوں۔حضرت مولانا

. . . .

مفتی صداقت علی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

فجر کی اذان میں مؤذن کے "الصلوۃ خیر من النوم" کہنے کے جواب میں بعض شوافع مثلاً علامہ نوویؒ اور حافظ سخاویؒ نے "صدقت وبررت" کے الفاظ کے ساتھ جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔

اسی طرح فقہائے حنفیہ میں علامہ حصکفیؒ اور علامہ ابنِ عابدین شامیؒ، نیز ملا علی قاریؒ نے بھی ان الفاظ کے ساتھ مذکورہ کلمات کے جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے اور ان حضرات نے اس کے استحباب کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اذان میں جیسے "الصلوۃ خیر من النوم" اور "حی علی الفلاح" کے کلمات کوئی ذکر الٰہی نہیں ہے، اس لیے اس کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کہا جاتا ہے، اسی طرح مؤذن کا فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہنا بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ اسی کو دہرایا جائے۔ بلکہ یہ ایک خبر ہے، اس لیے اس کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا چاہئے۔

لیکن دوسری طرف شوافع اور احناف ہی کے بعض دیگر ائمہ وفقہاء نے اس کو رد کیا ہے اور "الصلوۃ خیر من النوم" کے جواب میں انہی الفاظ کے دہرانے کو مسنون قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ سخاویؒ کے استاذ اور شیخ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فجر کی اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لا أصل له".

یعنی ان الفاظ کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح فقہاءِ حنفیہ میں سے علامہ رافعیؒ نے علامہ شامیؒ کے "صدقت وبررت" کے الفاظ کو مستحب قرار دینے پر اعتراض اور رد کیا ہے۔ ان کے اعتراض کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ "الصلوۃ خیر من النوم" کے الفاظ کا جواب "صدقت وبررت" کی بجائے انہی الفاظ یعنی "الصلوۃ خیر من النوم" کے ذریعے دینا ہی افضل اور مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول".

یعنی جب مؤذن کی اذان سنو تو اسی طرح کے کلمات سے جواب دو۔

اس حدیث کا تقاضا ہے کہ مؤذن اذان میں جو الفاظ کہے تو جواب دینے والا جواب میں اذان

اذان کے بعد دوبارہ نمازیوں کو بلانا

﴿سوال﴾:

بعد اذان کے اگر نمازی نہ آویں تو ان کو بلانا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر احیاناً کسی کو بعد اذان بوجہ ضرورت بلوالیں تو درست ہے مگر اس کی عادت ڈالنی

کے کے انہی کلمات کو دہرائے۔

البتہ "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح" کے جواب میں "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" کہنا مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

لہٰذا اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" کا جواب "صدقت وبررت" کے الفاظ کی بجائے انہی الفاظ کو دہرا کر دینا چاہیے۔ کیونکہ صدقت وبررت کے الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض اسلاف سے منقول ہیں۔

احناف وشوافع کے فقہاء ومحدثین کی ان باہم متعارض روایات میں کس جہت کو ترجیح دی گئی ہے؟ اس کے لیے جدید فتاوی جات کی طرف مراجعت کی گئی، چنانچہ حضرت اقدس مفتی رشید احمد [لدھیانوی] صاحب نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ نے حافظ ابن حجرؒ اور علامہ رافعیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"الصلوۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت وبالحق نطقت" کہنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ بعض سلف سے منقول ہے بہتر یہ ہے کہ جواب میں "الصلاۃ خیر من النوم" ہی کہا جائے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ "صدقت وبررت" کے الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا اس کی جگہ "الصلاۃ خیر من النوم" کا جواب انہی الفاظ سے دیا جائے، کیونکہ ایک صحیح بلکہ متفق علیہ حدیث میں مؤذن کے اذان کے جواب میں انہی الفاظ کو دہرانے کا حکم ہے۔ [چند معروف لیکن غیر مستند احادیث، ص:۱۰۹ تا ۱۱۳، ط: مکتبہ فاروق اعظم پشاور]

اور ہمیشہ کا التزام نادرست ہے(۷)۔فقط



(۷):فی الکوکب: (قوله فقال بعضهم التثويب الخ) اختلفوا فی کراهته واستحبابه واختلافهم هذا مبنی علی اختلافهم فی تفسیره وجملة الأمر أن التکاسل والتهاون فی أمر الصلاة مکروة فما أفضی الی کره ومالا فلا فمن فسره بتثویب الفجر وهو زیادة الصلاةخیر من النوم، استحبه ومن فسره بالاعلام بعد التأذین کرهه وهو المذهب عندنا الا أن أبا یوسف خص منهم المشتغل بأمر المسلمین کالسلطان والقاضی ومن اشتغل بالفتوی فان فی انتظارهم الصلاة فی المسجد اضراراً بالمسلمین وذلک لما ثبت أن بلال کان یعلم النبیﷺ بعد الأذان لاشتغاله بشئ من الأمور. (الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ابواب الصلاة، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر، ج: ۱، ص: ۲۲۴، ۲۲۵)

باب نماز کی کیفیت کا بیان

نمازی کے قدموں کے درمیان کا فاصلہ

﴿سوال﴾:
نمازی کے قدموں کے درمیان کس قدر فاصلہ ثابت ہے۔ خواہ جماعت میں ہو یا علیحدہ ہو؟

﴿جواب﴾:
درمیان دونوں قدموں مصلی کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہیے(۱)۔



(۱):عن زيد بن أسلم أن عمر بن الخطاب قال: لايصلى أحدكم وهو ضام وركيه. أخرجه مالک فی الموطأ (كنز العمال ۴: ۲۲۵). وهو صحيح على قاعدته. وفی اعلاء السنن: تحت هذا الحديث: قوله: عن زيد بن أسلم الخ. قلت: ضم الوركين يستلزم ضم القدمين، وتفريجهما انفراجهما، وضم القدمين لايستلزم الوركين، ففيه دليل كراهة ضم القدمين فی الصلاة حال القيام أيضاً، بل يسن تفريجهما، وقدره فقهاؤنا بقدر أربع أصابع، لأنه أقرب الى الخشوع كما فی مراقی الفلاح. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، أبواب مكروهات الصلاة، باب كراهة صف القدمين فی الصلاة واستحباب التراويح بينهماالخ، ج: ۵، ص: ۱۵۰، رقم: ۱۵۴۵، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

وفی الشامية: وينبغی أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب الى الخشوع، هكذا روی عن أبی نصر الدبوسی أنه كان يفعله، كذا فی الكبری. (رد المحتارعلی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۳۱، ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة

ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے قدموں کے درمیان کا فاصلہ

﴿سوال﴾:

درصورت جماعت ایک نمازی سے دوسرے نمازی کو کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ زید کہتا ہے کہ فاصلہ درمیان کے چار انگشت ہونا چاہیے۔ اور یہ امر کتب فقہ سے مستفاد ہوتا ہے چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے۔

میباید کہ وقت قیام فرق درمیان ہر دوقدم چہار انگشت باشد فقط اور عمرو کہتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ ایک مصلی دوسرے سے مونڈھے اور قدم سے قدم ملائے رکھے تا کہ اتصال حقیقی پیدا ہو جائے کیونکہ صف کے ملانے کو اور شگاف و دراز بند کرنے کو تاکیداً فرمایا گیا ہے اور یہ امر جب تک مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے گا ہرگز پیدا نہ ہو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اقیموا صفوفکم فانی اراکم من ورآء ظهری و کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه (۲) انتہٰی. اور یہ حدیث صحیح صریح غیر معارض ہے اور کسی ائمہ دین سے اس کا خلاف مروی نہیں ہے کہ انہوں نے معنی حقیقی کو چھوڑ کر بلا وجہ معنی مجازی لئے ہوں اور حدیث صحیح صریح غیر معارض بلا منسوخ اپنے معنی حقیقی پر واجب العمل ہوتی ہے۔ بالاتفاق تمام اہل علم کے حالانکہ تمام خواص وعوام اس کے خلاف پر عمل کرتے ہیں۔ یہ تقریر عمرو کی ہے۔ لہٰذا جواب مدلل عند التحقیق ارقام فرمایا جاوے کہ زید وعمرو میں کون صحیح کہتا ہے اور عمل کس طرح پر ہونا چاہیے؟

الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ج: ۱، ص: ۷۳)

(۲):(أخرجه البخاری فی صحيحه فی كتاب الاذان، باب الزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم فی الصف، ص: ۱۴۵، رقم: ۷۲۵، ط، دار السلام رياض)

﴿جواب﴾:

اقامت صف کی حالت میں اتصال حقیقی ممکن نہیں ہے اور حدیث شریف میں سد فرجات وخلل کا حکم آیا ہے حالانکہ اگر پاؤں چکرا کر کھڑے ہوں گے تو دونوں پاؤں کے درمیان ایک وسیع فرجہ پیدا ہو جائے گا۔ پس اس حالت میں حدیث شریف کے معنی یہی ہوئے کہ مقابلہ اور محاذات مناکب اور کعاب کا فوت نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ حدیث شریف ابوداؤد میں بہ تصریح موجود ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولاتذروا فرجات للشیطٰن (۳) انتہٰی. پس اس سے ظاہر ہے کہ الزاق اور الصاق سے مراد محاذات ہی ہے نہ الصاق والزاق حقیقی ورنہ ادائے ارکان نماز میں سخت دشواری پیش آوے گی (۴) مگر معنیٰ حقیقی مراد نہ ہونے سے یہ لازم ہونا کہ مل کر نہ کھڑے ہوں ہرگز نہیں اور وہ فرجات جو عوام بلکہ خواص پر

---

(۳):أخرجه أبو داؤد فی سننه فی كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ص: ۱۰۶، رقم: ۶۶۶، ط، دار السلام رياض)

(۴):عن أبی القاسم الجدلی قال: سمعت النعمان بن بشير يقول: أقبل رسول اللهﷺ على الناس بوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم. قال: رأيت الرجل يلزق منكبيه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه. وفى البذل تحت هذا الحديث: (قال) أى نعمان بن بشير: (فرأيت الرجل) أى من الصحابة المصلين بالجماعة بعد صدور ذلك القول من رسول اللهﷺ (يلزق) أى يلصق (منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه) ولعل المراد بالالزاق المحاذاة، فان الزاق الركبة بالركبة، والكعب بالكعب فى الصلاة مشكل، وأما المنكب بالمنكب فمحمول على الحقيقة. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ج: ۳، ص: ۲۰۸، رقم: ۶۶۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

بھی اس کے الصاق سے غفلت ہے مکروہ تحریمہ ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



جولوگ بیت اللہ سے دور ہیں وہ قبلہ کیسے قرار دیں

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں سمت قبلہ کیا ہے؟ آیا یہ مساجد جو سلف صالحین بنا کر گئے ان کا اعتبار ہے یا بروئے قاعدہ اہل ہیئت جو سمت نکلے اس کا اعتبار ہے اور جو شخص بقاعدہ اہل ہیئت نماز پڑھتا ہو نماز اس کی ہوئی یا نہیں اور یہ شخص تمام مساجد کو غلط بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ سمت قبلہ اصلی میں اور سمت قبلہ مساجد میں پانچ سو کوس کا فرق ہے اور یہ شخص ایک مسجد کا امام ہے در حالت امامت سمت مساجد سے انحراف کر کے نماز پڑھتا ہے اور مقتدیان اس کی اس سمت کو غلط جانتے ہیں ایسی حالت میں اقتداء اس امام کی صحیح ہوگی یا نہیں۔ بینوا بالدلائل والتفصیل وتوجروا بالاجر الجزیل.

﴿جواب﴾:

جو لوگ کہ بیت اللہ سے غائب ہیں ان کا قبلہ جہت کعبہ شریف ہے جس طرف میں کعبہ ہے اسی طرف کو رخ کر کے نماز پڑھیں (۶)۔ مثلاً جو لوگ کہ ہندوستان میں رہتے

---

(۵): فی الدر المختار: ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مکاناً کره کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة.

وفی الشامیة تحته: (کقیامه فی صف الخ) هل الکراهة فیه تنزیهیه أو تحریمیة، ویرشد الی الثانی قوله علیه الصلاة والسلام: ومن قطعه قطعه اللّٰه. (رد المحتار علی الدر المحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۳۱۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۶): فی البدائع: وان کان عن الکعبة غائباً عنها یجب علیه التوجه الی جهتها وهی المحاریب المنصوبة بالامارات الدالة علیها لا الی عینها وتعتبر الجهة دون

ہیں، اور ہندوستان کا قبلہ مغرب کی جانب ہے تو ان کو مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنی چاہیے اگر جنوب وشمال کی طرف ان کا منہ ہوجاوے گا تو ان کی نماز نہ ہوگی اور جو جنوب وشمال کے بیچ میں ہوں گے تو نماز ہوجاوے گی اور اگر کوئی شخص موافق قاعدہ ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ عرض کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بھی درست ہوجاوے گی۔ اس واسطے کہ مکہ معظّمہ ساڑھے اکیس درجہ میں واقع ہوا ہے۔ اور ایک درجہ تقریباً ساٹھ میل کا ہوتا ہے تو جیسا نماز اور مسجد والوں کی درست ہے ایسے ہی جو شخص ٹیڑھا ہوکر نماز ادا کرے گا۔ درست ہوگی اس واسطے کہ محاذاۃ عین بیت اللہ کی نہ اس شخص کو حاصل ہوسکتی ہے۔ جو موافق ہیئت کے ساڑھے اکیس درجہ میں نماز پڑھتا ہے اور نہ ان لوگوں کو حاصل ہوسکتی ہے جو اس درجہ سے داہنے بائیں ہوکر پڑھتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ درجہ ہوتا ہے ساٹھ میل کا اور بیت اللہ کا عرض ہندوستان کی جانب سے کوئی بتیس ہاتھ کی مقدار ہے تو

العين كذا ذكر الكرخي والرازي وهو قول عامة مشايخنا بما وراء النهر. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الاركان، ج: ١، ص: ١١٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي الهداية: ومن كان غائباً ففرضه اصابة جهتها، هو الصحيح.

وفي البناية تحته: (ومن كان غائباً عنها)ش: أي عن الكعبة م: (ففرضه اصابة جهتها) ش: أي جهة الكعبة، لأن الطاعة بحسب الطاقة، وبه قال جمهور أهل العلم منهم الثوري، ومالك وابن المبارك، وأحمد، واسحاق، وأبوداؤد، والمزني، والشافعي في قول أخرجه الترمذي ذلك عن عمر وعلي وابن عباس وابن عمر رضي الله عنهم......م (هو الصحيح) ش: يعني كون فرض الغائب اصابة جهة القبلة هو الصحيح، واحترز به عن قول الشيخ أبي عبدالله الجرجاني أن فرضه اصابة عينها ويريد بذلك اشتراط نية عين الكعبة وقد تقدم. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تقدمها، ج: ٢، ص: ١٤٤، ١٤٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

عین بیت اللہ کی طرف کیونکر متوجہ ہوسکتا ہے ہے لہٰذا یہ تکلف اس شخص کا اور مساجد کو غلط بتانا محض غلط و بے سود ہے سب کی نماز درست ہے اور تفرقہ اور ٹیڑھا کرنا جماعت کا غلطی اس شخص کی ہے اور صورت بیت اللہ کی اور اس کے محاذات کی درمختار اور اس کی شروح میں لکھی ہے(۷) جس کا جی چاہے دیکھ لیوے اگر اس میں لکھی جاوے، تو شاید فہم عوام میں نہ آوے، اسی لیے نہیں لکھی گئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



نماز میں ہاتھ ناف کے اوپر باندھیں یا نیچے

﴿سوال﴾:

نماز میں فوق ناف ہاتھ باندھنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟ باوجود ثبوت اس کے عامل کو برا جاننا ولا مذہب کہنا کیسا ہے۔ حالانکہ خود اکابرین و محققین علمائے صوفیہ اس کے عامل وترجیح وتوسیع کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت میرزا مظہر جان جانان شہید رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں ہے۔ ودست را برابر سینہ می بستند و می موودند کہ ایں روایت ارجح است از روایت زیر ناف اگر کسے گوید کہ دریں صورت خلاف حنفیہ بلکہ انتقال از مذہب لازمی آید گویم بموجب قول ابی حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ ما ثبت بالحدیث فھو مذھبی از انتقال در مسئلہ جزئی خلاف مذہب لازم نمی آید بلکہ موافقت در موافقت است انتہیٰ۔ اور امام ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی میزان میں اولویت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں وضع الیدین تحت صدرہ اولی وبذلک حصل الجمع بین الاقوال الائمۃ رضی اللہ عنھم انتھی. اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرح مؤطا میں فرماتے ہیں۔ مترجم گوید رضی اللہ عنہ وارضاہ کہ جمہور علماء بوضع یمنی علی الیسریٰ قائل اند

(۷): (الدر المختار ومعه رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مبحث في استقبال القبلة، ج: ۲، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، ط، دار عالم الكتب رياض)

بعض اختلاف کردند شافعی فوق ناف می نہد و ابوحنیفہ زیر ناف و ایں ہمہ واسع و جائز است اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی تنویر العینین میں فرماتے ہیں۔ **والوضع تحت السرة وفوقها متساويان لان كلا منهما مروى عن اصحاب النبى ﷺ**. اور شیخ عبدالحق صاحب بھی توسیع کے قائل ہیں۔ مدارج النبوت میں۔

﴿جواب﴾:

فوق ناف و زیر ناف دونوں طرح ہاتھ باندھنا اگر از روئے دیانت ہے تو جائز ہے(۸) اور اگر ہوائے نفسانی سے کرے گا تو ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۸): في جامع الترمذي: حدثنا قتيبة حدثنا أبو الاحوص عن سماك بن حرب، عن قبيصة بن هلب، عن ابيه قال: كان رسول الله ﷺ يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه.

قال: وفي الباب عن وائل بن حجر، وغطيف بن الحارث، وابن عباس، وابن مسعود، وسهل بن سعد.

قال ابو عيسى: حديث هلب حديث حسن. والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ والتابعين ومن بعدهم: يرون ان يضع الرجل يمينه على شماله في الصلاة. ورأى بعضهم أن يضعهم فوق السرة، ورأى بعضهم أن يضعهما تحت السرة، و كل ذلك واسع عندهم. (جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال في الصلاة، ص: ۷۰، رقم: ۲۵۲، ط، دار السلام رياض)

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے

﴿سوال﴾:

ناف کے تلے ہاتھ نماز میں باندھنا سنت ہے یا اوپر ناف کے اگر کوئی ناف کے اوپر باندھے تو کیا غیر مقلد ہو جاوے گا۔

﴿جواب﴾:

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مستحب ہے(۹) اور اس مسئلہ میں خلاف شافعی صاحب

---

(۹):فی الکنز: وسننها.....ووضع یمینه علی یساره تحت سرته.

وفی النهر تحته: (ووضع یمینه علی یساره تحت سرته) لقول علی کرم اللّٰه وجهه: من السنة وضع الیمین علی الیساره تحت السرة. (النهر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ١، ص: ٢٠٠، ٢٠١، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الأوجز: قال محمد: ینبغی اذا قام فی صلاته أن یضع باطن کفه الیمنی علی رسغه الأیسر تحت السرة، لحدیث أبی جحیفة عن علی انه قال: من السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة. قال العینی: هذا اللفظ یدخل فی المرفوع عندهم، ویرمی ببصره الی موضع سجوده، أی فی حال القیام، کذا فسره الطحاوی، وهو قول أبی حنیفة. قال العینی: وعامة أهل العلم، وهو علی وأبی هریرة، والنخعی، والثوری، وفی التوضیح: وهو قول سعید بن جبیر، وأبی عبید، وابن جریر، وداؤد، وهو قول أبی بکر وعائشة، وجمهور العلماء، کذا فی الفتح الرحمانی.

وقال ابن قدامة: لما روی عن علی أنه قال: من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة. رواه الامام أحمد وأبوداؤد، وهذا ینصرف الی سنة النبی ﷺ، ولأنه قول من ذکرنا من الصحابة. انتهٰی.

قلت: قد عرفت مما سبق أن الوضع تحت السرة قول أکنز الأئمة، المؤید

کا ہے وہ ناف کے اوپر مستحب فرماتے ہیں (۱۰)۔ اگر کسی نے ناف کے اوپر ہاتھ باندھ لیے تو اتنی حرکت سے غیر مقلد نہیں ہوتا۔



امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور آمین بالجہر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

امام کے پیچھے مقتدی کا الحمد شریف پڑھنا اور نہ پڑھنا کیسا ہے اور آمین بالجہر اور بالسر میں اولویت کس کو ہے؟

﴿جواب﴾:

قرأت کا پڑھنا مقتدی کو مختلف فیہ ہے۔ علیٰ ہذا آمین بالجہر میں بھی اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرأت فاتحہ خلف امام اور آمین بالجہر کو منع کرتے ہیں (۱۱)۔



باختيار أجل الصحابة، وهو قول امام المحدثين أحمد بن حنبل، وأئمة الظاهرية: داؤد، واسحاق، وغيرهما. الخ. (أوجز المسالك الى موطأ مالك، كتاب قصر الصلاة فى السفر، باب وضع اليدين احداهما على الأخرى فى الصلاة، ج: ٣، ص: ٣٠٩، ٣١٠، رقم: ٣٦٤، ط، دار القلم دمشق)

(١٠):قال العلامة ابو اسحاق الشيرازى الشافعي رحمه الله تعالىٰ: وتستحب اذا فرغ من التكبير أن يضع اليمنى على اليسرى....والمستحب أن يجعلهما تحت الصدر. (المهذب فى الفقه الشافعى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: اليمنى على اليسرى، الجزء الأول، ص: ٢٣٩، ٢٤٠، ط، دار القلم دمشق)

(وكذا فى كفاية النبيه شرح التنبيه فى فقه الامام الشافعيؒ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ٣، ص: ٩٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(١١):فى البذل: وهذه مسألة اختلف فيها العلماء من الصحابة والتابعين

امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والے اور آمین بالجہر کہنے والے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

جو شخص خلف امام الحمد پڑھتا اور آمین بالجہر کہتا ہو اس کو ملامت کرنا اور منع کرنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

وفقهاء المسلمين، فقالت: الحنفية ومن وافقهم: انه لايقرأ خلف الامام لا في السرية ولا في الجهرية. (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته، ج: ۴، ص: ۲۳۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

و في العمدة: وقال الثوري والأوزاعي في رواية، وأبو حنيفة وأبو يوسف و محمد وأحمد في رواية، وعبدالله ابن وهب وأشهب: لايقرأ المؤتم شيئاً من القرآن ولابفاتحة الكتاب في شئ من الصلوات، وهو قول ابن المسيب في جماعة من التابعين. (عمدة القاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر ومايجهر ومايخافت، ج: ٦، ص: ۱۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قرأۃ خلف الامام کے مسئلے کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته، ج: ۴، ص: ۲۳۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان/وعمدة القاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات كلها في الحضر والسفر ومايجهر ومايخافت، ج: ٦، ص: ۱۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ وأوجز المسالك الى موطأ مالك، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الامام فيما لايجهر فيه بالقراءة، ج: ۲، ص: ۱٦٦، ط، دار القلم دمشق)

جو شخص فاتحہ پڑھتا ہو یا آمین بالجہر کہتا ہو اس کو ملامت کرنا نہ چاہیے، بشرطیکہ وہ شخص نہ پڑھنے والوں کو نہ برا کہتا ہو اور نہ برا سمجھتا ہو۔ ورنہ وہ شخص عاصی ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ جہری میں سکتات امام میں سورۂ فاتحہ پڑھنی مستحب ہے یا نہیں؟ بر تقدیر مستحب ہونے کے تو حالت سری میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ فقط

﴿جواب﴾:

مذہب قوی حنفیہ کا یہ ہے مقتدی کو فاتحہ پڑھنا جہریہ سکتات میں اور سریہ میں مطلقاً مکروہ ہے(۱۲) اور بندہ کے نزدیک بحسب دلیل یہی مذہب قوی ہے اگرچہ اس میں

وفی الأوجز: وقال الأئمة الثلاثة بتأمين الامام، الا أنهم اختلفوا فی الجهر بعد اتفاقهم علی أنه لايجهر بها فی السرية، فقال الحنفية: لايجهر فی الجهرية أيضاً، وكذا عند المالكية كما فی الباجی، وقال الشافعی وأحمد: يجهر بها فی الجهرية، وفی السعاية قال الشافعی فی الجديد: ان المنفرد والامام والمأموم كل منهم يسر بآمين جهرية كانت الصلاة أو سرية. (أوجز المسالك الی موطأ مالک، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی التأمين خلف الامام، ج: ۲، ص: ۱۹۲، ط، دار القلم دمشق)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(اعلاء السنن ، كتاب الصلوة، باب ماجاء فی سنية التأمين والاخفاء بها، ج: ۲، ص: ۲۴۷تا ۲۵۱ ،ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی/ ومعارف السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی التأمين، ج: ۲، ص: ۳۹۷، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشی/ وعمدة القاری، كتاب الأذان، باب جهر الامام بالتامين، ج: ۶، ص: ۷۳، ۷۴، ۷۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۲):فی الشامية: (وانصات المقتدی) فلو قرأ خلف امامه كره تحريماً،

اختلاف ائمہ کا ہے اگر سبیل الرشاد آپ دیکھیں تو لطف اس مسئلہ کا آپ کو معلوم ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مسئلہ رفع یدین

﴿سوال﴾:

اول: تنویر میں مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دربـاب رفع یدیـن فـی الصلوٰۃ سنۃ غیر مؤکدۃ من سنن الھدی فیثاب فاعلہ بقدر مـافعل ان دائما فحسبہ وان مرۃ فیمثلہ ولایلام تارکہ وان ترکہ مدۃ عمرہ واما الطاعن العالم بالحدیث ای من ثبت عندہ الاحادیث المتعلقہ بھذہ المسئلۃ فلااخالہ الا فی من یشاقق الرسول من بعدہ ماتبین لہ الھدیٰ.

اور مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: والذی یـرفع احب الی ممن لایرفع فان احادیث الرفع اکثر واثبت الخ. لہٰذا یہ رفع یدین

ولاتفسد فی الأصح کما سیأتی قبیل باب الامامۃ. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج: ۲، ص: ۱۶۵، ط، دار عالم الکتب ریاض)

فی الدر المختار: والمؤتم لایقرأ مطلقاً ولاالفاتحۃ فی السریۃ اتفاقاً، وما نسب لمحمد ضعیف کما بسطہ الکمال. فأن قرأ کرہ تحریماً وتصح فی الأصح.. ..و ھو مروی عن عدۃ من الصحابۃ فالمنع أحوط.

وفی الشامیۃ تحتہ: قولہ: (اتفاقاً) أی بین أئمتنا الثلاثۃ..... قولہ: (مروی عن عدۃ من الصحابۃ) قال فی الخزائن: وفی الکافی: ومنع المؤتم مأثور عن ثمانین نفراً من کبار الصحابۃ منھم المرتضی والعبادلۃ، وقد دون أھل الحدیث أسامیھم. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، ج: ۲، ص: ۲۶۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

جیسا کہ حضرات مذکور الصدر علیہم الرحمۃ سے ثابت و محقق ہوا آپ کے نزدیک بھی ہے یا نہیں گو ترک اس کا بوجہ مختلف ہونے ائمہ کے احناف کو جائز اور اولیٰ ہو۔ لیکن غرض سائل کی یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ ثابت صحیح غیر منسوخ ہے یا نہیں اور عامل اس کا عامل سنت ہوگا یا نہیں؟ جو امر صحیح آپ کے نزدیک ہو۔ مفصل ارقام فرماویں۔

﴿جواب﴾:

میرا مسلک عدم رفع کا ہے کہ عدم رفع میرے نزدیک مرجح ہے جیسا کہ قدماء حنفیہ نے فرمایا (۱۳) اور طعن بندہ کے نزدیک دونوں پر روا نہیں۔ کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور احادیث دونوں طرف موجود ہیں اور عمل صحابہ بھی (۱۴) اور قوت و ضعف مختلف ہوتے ہیں

---

(۱۳):وقال أبو حنيفة وأصحابه: لايرفع الا فى الكتبيرة الأولى، وهو المشهور من مذهب مالک المعمول عند أصحابه، قال الباجى: وروى عنه فى المدونة: كان رفع اليدين ضعيفاً الا فى الافتتاح، اهـ......قال ابن عبدالبر: قال مالک: ان كان الرفع ففى الاحرام، وهو قول الكوفيين وأبى حنيفة وسائر أصحابه وسائر فقهاء الكوفة قديماً وحديثاً الخ.

وفى البدائع: روى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال: العشرة الذين شهد لهم رسول الله ﷺ بالجنة ماكانوا يرفعون أيديهم الا فى افتتاح الصلاة، وكذا فى العينى عن البدائع، وبه قال غير واحد من الصحابة والتابعين كما فى الترمذى. (اوجز المسالک الى موطأ مالک، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ج: ۲، ص: ۸۲، ۸۳، ط، دار القلم دمشق)

(۱۴):قال العلامة محمد يوسف الكاندهلوى رحمه الله: (وخالفهم فى ذلک آخرون فقالوا لا نرى الرفع الا فى التكبير الاولىٰ) وممن ذهب الى ذلک عمربن الخطاب وعلى بن ابى طالب وابن عمر وابن مسعود كما سيأتى الروايات عنهم عند المصنف وعند غيره وابوبكر الصديق عند البيهقى بسند جيد وذكر فى البدائع عن العشرة المبشرة وقال الترمذى و به يقول غير واحد من اهل العلم من

بالآخر دونوں معمول بہا ہیں۔سبیل الرشاد دیکھو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ، انتھٰی. وھذا بظاھرہ یستوعب جمیع اھل الکوفۃ ویؤیدہ ما نقل فی التعلیق الممجد عن الاستذکار لابن عبدالبر قال ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزی لانعلم مصرا من الامصار ترکوا باجماعھم رفع الیدین عند الخفض والرفع فی الصلوۃ الا اھل الکوفۃ فکلھم لایرفع الا فی الاحرام. انتھٰی. فھذہ العبارۃ صریحۃ فی استیعاب جمیع اھل الکوفۃ فی ترک رفع الیدین فی غیر افتتاح الصلوۃ وتدل ایضاً علی ان غیر اھل الکوفۃ تارکون ایضاً ولکن لیس من حیث المجموع وقد ذکر العجلی کما فی مقدمۃ نصب الرأیۃ انہ توطن الکوفۃ وحدھا من الصحابۃ نحو الف وخمسمائۃ صحابی بینھم نحو سبعین بدریاً وأخرج ابن سعد عن ابراھیم قال ھبط الکوفۃ ثلاثمائۃ من اصحاب الشجرۃ وسبعون من اھل بدر وقد کان فی الکوفۃ خلق کثیر من اصحاب الخلفاء الاربعۃ وغیرھم من اصفیاء الصحابۃ کما ذکر ھم ابن سعد فی طبقاتہ طبقۃ طبقۃ...الخ. (امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار، کتاب الصلوۃ، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا، ج: ۳، ص: ۱۹۲،ط، ادارۃ تالیفات اشرفیہ ،ملتان)

واخرج الترمذی عن سالم عن أبیہ قال: رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاۃ یرفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ، واذا رکع، واذا رأسہ من الرکوع. وزاد ابن أبی عمر فی حدیثہ: وکان لایرفع بین السجدتین. قال أبو عیسی: حدیث ابن عمر حدیث حسن صحیح.....وبھٰذا یقول بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ، منھم ابن عمر، وجابر بن عبداللہ، وأبو ھریرۃ، وانس، وابن عباس، وعبداللہ بن الزبیر، وغیرھم. الخ. (جامع الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج: ۱، ص: ۱۳۶، ۱۳۷، ط، الطاف اینڈ سنز، کراتشی)

مسئلہ آمین بالجہر

﴿سوال﴾:

دویم: تنویر میں مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں درباب جہر بآمین و کذا یظھر بعد التعمق فی الروایات والتحقیق ان الجھر بالتامین اولیٰ من خفضة لان روایة جھرہ اکثر واوضح من خفضة انتھٰی. لہٰذا مسلک جہر کے قوی ہونے کا از روئے روایات صحیح ہے یا نہیں اور عامل اس کا عامل باولویت ہوگا یا نہیں؟ عندالتحقیق آپ کے نزدیک جو ہو اس کو ارقام فرمایا جاوے۔

﴿جواب﴾:

علیٰ ہذا آمین بالجہر میں بھی جواب یہی ہے (۱۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱۵): فی الأوجز: وقال الأئمة الثلاثة بتأمین الامام، الا أنهم اختلفوا فی الجهر بعد اتفاقهم علی أنه لایجهر بها فی السرية، فقال الحنفية: لایجهر فی الجهرية أيضاً، وكذا عند المالكية كما فی الباجی، وقال الشافعی وأحمد: يجهر بها فی الجهرية، وفی السعاية قال الشافعی فی الجديد: ان المنفرد والامام والمأموم كل منهم يسر بآمين جهرية كانت الصلاة أو سرية. (أوجز المسالک الی موطأ مالک، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی التأمين خلف الامام، ج: ۲، ص: ۱۹۲، ط، دار القلم دمشق)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اعلاء السنن، كتاب الصلوة، باب ماجاء فی سنية التأمين والاخفاء بها، ج: ۲، ص: ۲۴۷تا ۲۵۱، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی/ ومعارف السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی التأمين، ج: ۲، ص: ۳۹۷، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشی/ وعمدة القاری، كتاب الأذان، باب جهر الامام بالتامين، ج: ۶، ص: ۷۳، ۷۴، ۷۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قومہ میں ہاتھ باندھنا

﴿سوال﴾:

درمختار میں باب صفة الصلوٰة وهو السنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة لا في قيام بين ركوع وسجود ردالمحتار ولاتكبيرات العيدين لعدم الذكر مالم يطل القيام فيضع ومقتضاه انه يعتمد ايضا في صلوٰة التسبيح. اس عبارت کا کیا مفہوم ہے اس قومہ صلوٰۃ التسبیح میں ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

حالت قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا چاہیے(۱۶) اوراس عبارت درمختار سے ہاتھ باندھنا نہیں نکلتا یہ کہتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔فقط



تشہد پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کیسے کیا جائے

﴿سوال﴾:

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی کتاب مالابد منہ میں فرماتے ہیں وانگشت خنصر وبنصر از دست راست عقد کند ووسطی وابہام را حلقہ کند۔ وانگشت شہادت

---

(۱۶):ويرسل اليدين في القومة بعد الرفع من الركوع باتفاق ائمتنا كذا قال الصدر الشهيد حسام الدين في واقعاته. (غنية المستملي في شرح منية المصلي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ص: ۳۲۰)

ويرسل في القومة الركوع وبين تكبيرات العيد. (الجوهرة النيرة على مختصر القدوري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۶۰، ط، مكتبه امداديه ملتان)

را کشادہ دارد وتشہد بخواند وقت شہادت اشارہ کند۔ یہ عبارت موافق امام صاحب ہے یا نہیں؟ اس سے ابتداء رفع سبابہ شروع التحیات سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا وقت شہادت کے رفع کیا جاوے یا اول ہی سے مرقوم فرمایئے۔

﴿جواب﴾:

بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے اور روقت اشارہ کے عقد کرتے ہیں اس کا پتہ بھی حدیث سے ملتا ہے اور ملا علی قاریؒ نے لکھا کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے دونوں طرح پر عمل درست ہے (۱۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱۷): فی الشامیة: الثانی بسط الأصابع الی حین الشهادة، فیعقد عندها ویرفع السبابة عند النفی ویضعها عند الأثبات، وهٰذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالأحادیث الصحیحه، ولصحة نقله عن أئمتنا الثلاثة. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفه الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۱۷، ۲۱۸، ط، دار عالم الکتب ریاض)

قال العلامة علی بن سلطان محمد القاری رحمه اللّٰه تعالیٰ: وقد قال صاحب مواهب الرحمن فی متنه ووضع یدیه علی فخذیه وبسط اصابعه واشار فی الصحیح ثم المعتمد عندنا انه لایعقد یمناه الا عند الاشارة لاختلاف الفاظ الحدیث واصناف العبارة وبما اخترناه یحصل الجمع بین الادلة فان بعضها یدل علی ان العقد من اول وضع الید علی الفخذ وبعضها یشیر الی ان لاعقد اصلا مع الاتفاق علی تحقق الاشارة فاختار بعضهم انه لایعقد ویشیر وبعضهم أنه یعقد عند قصد الاشارة ثم یرجع الی ماکان علیه والصحیح المختار عند جمهور اصحابنا انه یضع کفیه علی فخذیه ثم عند وصوله الی کلمة التوحید یعقد البنصر والخنصر ویحلق الوسطی والابهام ویشیر بالمسبحة رافعا لها عند النفی و واضعا لها عند الاثبات ثم یستمر علی ذلک لانه ثبت العقد عند الاشارة بلاخلاف ولم یوجد امر یغیره فالاصل ابقاء

تشہد کے وقت انگلی کب سے کب تک اٹھائے رکھے

﴿سوال﴾:

بعض اشخاص جس وقت التحیات میں بیٹھتے ہیں اول ہی سے انگشت شہادت اٹھا لیتے ہیں۔سلام پھیرنے تک حالانکہ حنفیوں کا یہ مذہب ہے کہ جب تشہد پر پہنچے تب انگلی اٹھائے بعد میں پست کرلے اس میں صحیح قول کیا ہے اور حنفی کو کس وقت سے کس وقت تک انگلی اٹھانا چاہیے اور اس میں امام اعظم صاحبؒ کیا فرماتے ہیں؟

﴿جواب﴾:

تشہد پر انگشت کو اٹھاوے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔(۱۸) فقط



الشئ علی ماهو علیه واستصحابه الی آخره امر. (بتزیین العبارة لتحسین الاشارة، ص: ۹،۱۰، ط، مکتبة الشرکة)

(وکذ فی تقریرات الرافعی علی رد المختار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الجزء الأول، ص: ۸۶، ۸۷، ط، دارعالم الکتب ریاض)

(۱۸):فی الکوکب: (وقبض أصابعه وبسط السبابة الخ) فیه دلالة علی أن المسبحة لاتوضع بعد الاشارة الی وقت التسلیم فان البسط لایتم الابرفعها. (الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ج: ۴، ص: ۳۷۳)

وعن الحلوانی یقیم الاصبع عند لااله ویضعها عند الاالله لیکون الرفع للنفی والوضع للاثبات. (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۲۰، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

وعندنا یرفعهاعند لااله ویضعها عند الاالله لمناسبة الرفع للنفی وملائمة الوضع للاثبات ومطابقة بین القول والفعل حقیقة. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا کیسا ہے

﴿ســـوال﴾:

رفع سبابہ میں عقد شروع قعود وتشہد سے اور رفع وقت شہادت کے سنت صحیحہ سے

المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد، الفصل الأول، ج: ۲، ص: ۵۷۵، ط، دارالكتب رياض)

قال العلامة الشيخ رضاء الحق دامت بركاتهم: محققین کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ انگلی اخیر تک اٹھائے رکھے مکمل نہ رکھدے بلکہ ہلکی سی جھکا دے جس کو اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے نیز نسائی شریف کی روایت کے موافق بھی ہے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

قال حدثني مالك بن نمير الخزاعي رضي الله تعالىٰ عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعداً في الصلاة واضعا ذراعيه على فخذه اليمنى رافعاً أصبعه السبابة قد أحناها شيئاً وهو يدعو. (رواه النسائي: ۱/۱۸۷، باب احناء الاشارة بالسباة، قديمي كتبخانه)

مراقی الفلاح میں ہے: يرفعها عند النفي أي نفي الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله: "لااله" ويضعها عند الاثبات أي اثبات الألوهية لله وحده بقوله: "الاالله" ليكون الرفع اشارة الى النفي والوضع الى الاثبات. (مراقي الفلاح: ص ۹۹، فصل في سننها، مكة المكرمة)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

تشہد پر انگشت شہادت کو اٹھادے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۳۳۱، مکتبہ رحمانیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

اشارہ کے بعد کی کیفیت کے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "يضعها" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو بالکلیہ گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، صرح به الملا علی القاری

ثابت ہے یا نہیں باوجود ثبوت اس کے عامل کو بُرا جاننا اور لا مذہب کہنا کیسا ہے اور یہ مذہب حنفیہ میں بھی ثابت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

عمل رفع سبابہ کا تشہد میں سنت ہے(۱۹) اس کے عامل کو بُرا جاننا زبون امر ہے حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرمادے اور حنفیہ بھی اس کی سنیت کے مقرر ہیں اس پر لا مذہب کہنا سخت نازیبا ہے۔فقط



رحمه اللّٰه تعالٰى لرواية أبى داؤد رافعاً أصبعه السبابة وقد أحناها شيئاً أى أمالها. (تزيين العبارة بتحسين الاشارة لعلى القارى رحمه اللّٰه تعالٰى ص۸) امدادالفتاوی میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔[احسن الفتاوی:۳/ ۳۱]۔واللہ اعلم۔(فتاوی دار العلوم زکریا، کتاب الصلاۃ، ج:۲،ص:۱۴۰،۱۴۱،ط،زمزم پبلشرز کراچی)

(۱۹):اخرج مسلم عن عامر بن عبداللّٰه بن الزبير، عن أبيه، قال: كان رسول اللّٰه ﷺ، اذا قعد فى الصلاة، جعل قدمه اليسرىٰ بين فخذه وساقه. وفرش قدمه اليمنىٰ، ووضع يده اليسرىٰ علٰى ركبته اليسرىٰ، ووضع يده اليمنىٰ علٰى فخذه اليمنٰى، واشار باصبعه. وفى فتح الملهم تحت هٰذا الحديث: قوله: (وأشار باصبعه) الخ: فيه اثبات الاشارة فى التشهد، وقد اتفقت الأئمة الثلاثة وأتباعهم على كون الاشارة فى جلسة التشهد سنة، كما حكاه العينى فى شرح الهداية، وكذا اتفق عليه أئمتنا الثلاثة وقدماء أتباعهم. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب صفة الجلوس فى الصلاة، وكيفية وضع اليدين على الفخذين، ج: ۴، ص: ۱۵۷، ۱۵۸، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

قعدہ اخیرہ کی فرضیت کس قدر ہے

﴿سوال﴾:
درفرضیۃ اخیرہ۔

﴿جواب﴾:
صحیح آنست کہ قاعدہ اخیرہ مقدار تشہد فرض ست (۲۰) چراکہ بتواتر معنوی ثابت شدہ کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ گاہ نمازے نخواندہ مگر آنکہ قعدہ اخیرہ بجا آوردہ اندواز آنجا کہ مفہوم صلوٰۃ امرے بود مجمل محتاج تفسیر و بیان لہٰذا فعل وقول رسول اللہ ﷺ تفسیر اجمال آن شدہ پس ہر چیز یکہ درادائے صلوٰۃ آنحضرت ﷺ واقع شد باید کہ فرض گردد مگر آنچہ کہ دلائل وقرائن مانع فرضیۃ درآن یافتہ شوند کہ آنہا واجب وسنت خواہد بود نہ فرض چنانکہ مثلاً

(۲۰):أخرج أبو داؤد عن القاسم بن مخيمرة قال: أخذ علقمة بيدي فحدثني أن عبدالله بن مسعود أخذ بيده، وأن رسول الله۔عليه السلام۔أخذ بيد عبدالله يعلمه التشهد فى الصلاة. فذكر مثل دعاء حديث الأعمش: اذا قلت هٰذ أو قضيت هٰذا فقد قضيت صلاتک ان شئت أن تقوم [فقم]، وان شئت أن تقعد فاقعد. وفى شرح العينى تحت هٰذا الحديث: وقد استدل أصحابنا بهٰذا الحديث فى مسائل:....الثالثة: استدل به أصحابنا على فرضية القعدة الأخيرة، وذلک لأنه۔ عليه السلام۔ علق تمام الصلاة بالقعود، ومالايتم الفرض الا به فهو فرض، وهو حجة على مالک، حيث لم يفترض القعدة الأخيرة. (شرح سنن أبى داؤد للعينى، كتاب الصلاة، باب التشهد، ج: ۴، ص: ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ط، مكتبة الرشد رياض)

يجب أن يعلم بأن القعدة الأخيرة فرض عندنا...وقدر الفرض فيها مقدار قراء ة التشهد. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى فى القعدة الأخيرة، ج: ۲، ص: ۱۲۸، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

قراءۃ فاتحہ کہ باوصف وقوعش در صلوات رسالت مآب علیہ وسلم فرض تنوان شد چرا کہ در صورت فرضیۃ اوزیادت برنص قطعی **فاقرأ ماتیسر من القرآن** (۲۱). لازم می آید وعلی ہذا قیاس در دیگر امور واما اینکہ این قعدہ اخیرہ بطور فرضیۃ واقع شدہ پس دلیلش حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ است کہ بعد تعلیم اداء قعدہ وقرأۃ تشہد گفت **اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوٰتک** (۲۲) چہ مشا الیہ اول درین حدیث قول تشہد است در حالت قعدہ نہ مطلق تشہد بہر جا کہ باشد چرا مشار الیہ نبود ودیگر در حالت جلسہ اخیرہ ومشار الیہ ثانی قعدہ است مقدار تشہد نہ مطلق قعدہ بہمیں علت مذکور خلاصہ کلام ایں شد کہ چون گفتنی ایں تشہد را در حالت قعدہ یا فعل قعدہ بجا آوردی خواہ قدر تشہد گفتہ باشی یا نہ پس نماز تمام شد ایں خود ظاہر است کہ گفتن تشہد در قعدہ جز قعدہ قدر تشہد حاصل نیاید اما نفس قعدہ قدر تشہد بدون قول تشہد حاصل توان شد پس معلوم شد کہ فعل قعدہ قدر تشہد فرض است چرا کہ تمامیت صلوٰۃ معلق بدان فرمود اگر قعدہ کم از قدر تشہد کرد نمازش نہ شد چرا کہ مشار الیہ ہموں قعدہ قدر تشہد است نہ مطلق واگر تشہد خواند در سجدہ مثلاً وقعدہ در تشہد نہ کرد تا ہم نماز نشد چرا کہ قعدہ قدر تشہد بہر حال ضروریست وتمامیت ذاتی کہ بدون آن ذات شے ناقص ماند بارکان وشرائط است وتمامیت صفتی کہ ذات شے گو تمام باشد مگر نقصان در کمال آن باشد در وجوب است وچونکہ در حدیث لفظ تمت مطلق واقع شد واز مطلق فرد کامل مراد بود بہ تمامیت ذات صلوٰۃ مراد خواہد بود

---

(۲۱): (سورة المزمل: ۲۰)

(۲۲):وفي البناية: (لقوله عليه السلام لابن مسعود رضى الله عنه حين علمه التشهد اذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتک) ش: أخرجه أبوداؤد فى سننه حدثنا عبدالله بن محمد النفيلى ثنا زهير ثنا الحسن عن القاسم بن مخيمرة قال: أخذ علقمة بيدى فحدثنى أن عبدالله بن مسعود أخذه بيده وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد عبدالله فعلمه التشهد فى الصلاة...الخ. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۵۷، ط، دار الكتب رياض)

نہ تمامیت صفت و در حدیث فهي خداج (۲۳) غیر تمام تمامیت صفت تا زیادت بر کتاب اللہ لازم نیاید و این لفظ حدیث اذا قلت الخ ابن ہمام از دار قطنی روایت کرد فرماید کہ اگرچہ ایں را موقوف بر ابن مسعود دارند مگر مثل این موقوف کہ قیاس رانشاید حکم مرفوع دار (۲۴) وکما ہوا لمقرر و این حدیث ہر چند واحد است و باحادیث فرضیت نتواند شد مگر

(۲۳):اخرج أبو داؤد عن العلاء بن عبدالرحمٰن انه سمع ابا السائب مولى هشام بن زهرة يقول: سمعت اباهريرة يقول: قال رسول اللهﷺ: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بام القرآن، فهي خداج، فهي خداج، فهي خداج، غير تمام. الخ. وفى البذل تحت هذا الحديث: (لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي) أى صلاته (خداج، فهي خداج، فهي خداج) أى ناقصة أو منقوصة أو ذات نقصان.....(غير تمام) قال القارى: بيان خداج أو بدل منه، وفى نسخة: غير تام، أى غير كامل، قيل انه تاكيد، وقيل انه من قول المصنف، تفسير للخداج، ذكره ابن الملك، والأظهر أنه ليس من كلام المصنف، بل من كلام أحد الرواة، وهو صريح فيما ذهب اليه علماؤنا من نقصان صلاته، فهو مبين لقوله عليه السلام: لاصلاة، ان المراد الكمال لاالصحة.الخ. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة فى صلاته، ج: ۴، ص: ۲۱۸، ۲۱۹، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

(۲۴):وفى الفتح: قوله: (اذا قلت هٰذا) تقدم أنها مدرجة من ابن مسعود، وأن المدرج الموقوف له حكم المرفوع. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۳۲۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وقال العلامة عبدالحى اللكنوى رحمه الله تعالىٰ فى حاشية الهداية: الأصح أنه مدرج فى آخر الحديث من قول ابن مسعود، لكنه لايضر، فان للموقوف فى مالايعقل بالرأى حكم المرفوع، كذا فى فتح القدير. (الهداية، كتاب الصلاة، المجلد الأول، جزء الأول، ص: ۳۰۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

مقررہ اصول است کہ خبر واحد چون تفسیر مجمل قطعی باشد انچہ مستفاد ازیں خبر واحد باشد ملحق بقطعی گردد و موجب فرضیت باشد ازیں تقریر فرضیت قعدہ اخیر قدر تشہد بر ارباب علم واضح خواہد بود نہ مطلق قعدہ کما زعم البعض ایں است انچہ از کتب ملتقط شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم



نوافل میں محبت رسول کی بناء پر رفع یدین کرنا

﴿سوال﴾:

اگر تنہا نوافل وغیرہ رفع یدین محض بخلوص نیت اتباع و محبت کے کرلیا کرے۔ کہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ احادیث صحیحہ کثیرہ متواترہ و عمل صحابہ محدثین و مجتہدین و بعض احناف رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے تو اسی صورت میں اجازت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

مقلد حنفی کے نزدیک باتباع اپنے امام کے یہ فعل نہ کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک اس میں احتمال نسخ ہے (۲۵) اور منسوخ پر عمل درست نہیں ہوتا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے

(۲۵): اخرج الطحاوی عن مجاهد قال: صليت خلف ابن عمر رضی اللّٰه عنهما فلم يكن يرفع يديه الا فی التكبيرة الأولٰى من الصلاة.

قال أبو جعفر رحمه اللّٰه: فهٰذا ابن عمرؓ قد رأىٰ النبی ﷺ يرفع، ثم قد ترك هو الرفع بعد النبی ﷺ، ولايكون ذلك الا وقد ثبت عنده نسخ ما قد كان رأىٰ النبی ﷺ فعله، وقامت الحجة عليهم بذلك. وفی نخب الأفكار تحت هٰذا الحديث: هذا جواب عن حديث ابن عمر الذی هو احدی حجج أهل المقالة الأولٰى، وهو الحديث الذی رواه الزهری، عن سالم، عن أبيه قال: رأيت النبی ﷺ اذا افتتح الصلاة يرفع يديه حتٰى يحاذی بهما منكبيه، واذا أراد أن يركع، وبعد مايرفع، ولايرفع بين السجدتين. وهذا حديث أخرجه الجماعة، وهو حديث صحيح بلاخلاف، ولكنه منسوخ، والدليل عليه ماروواه مجاهد أنه قال: صليت

انگشتری سونے کی اور حریر پہن کر منسوخ فرما دیا(۲۶)۔اب کوئی باتباع حدیث اس عمل کو

خلف ابن عمرؓ فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الأولٰی من الصلاة.

وقد ذکرنا عن قریب أن الراوی اذا عمل بخلف ما رویٰ أو أفتٰی بخلافه دل ذلک علی انتساخ الحکم الأول عنده والا لم یکن له المخالفة. (نخب الأفکار فی تنقیح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار، کتاب الصلاة، باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل فی ذلک رفع أم لا؟، ج: ۴، ص: ۱۷۹، ط، دار النوادر سوریا دمشق، مکتبه نور الدین طالب بیروت لبنان)

(۲۶): قال محمد بن موسی الهمدانی قرأت علی ابی عیسی الحافظ اخبرک الحسین بن احمد ابو علی انا ابو نعیم انا ابو احمد العبدی انا عبداللّٰه بن محمد انا اسحاق انا محمد بن بشر ثنا عبیداللّٰه عن نافع عن ابن عمرؓ قال اتخذ رسول اللّٰهﷺ خاتما من ذهب وجعل فصه مما یلی بطن کفه فاتخذ الناس الخواتیم فالقاه رسول اللّٰهﷺ وقال لا البسه ابداً، قال ثم اتخذ رسول اللّٰهﷺ خاتما من ورق فادخله فی یده ثم کان فی ید ابی بکر ثم کان فی ید عمر ثم کان فی ید عثمان حتی هلک منه فی بئر اریس. (کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار، ص: ۲۳۲، ط، دائرة المعارف العثمانیة، حیدر آباد دکن)

واخرج الترمذی عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ قال: قدم انس بن مالک فأتیته فقال: من انت؟ أنا واقد بن عمرو، قال: فبکی وقال: انک لشبیه بسعد، وان سعداً کان من اعظم الناس واطول، وانه بعث الی النبیﷺ جبة من دیباج منسوج فیها الذهب، فلبسها رسول اللّٰهﷺ فصعد المنبر فقام أو قعد، فجعل الناس یلمسونها، فقالوا: ما رأینا ثوباً قط، فقال: أتعجبون من هٰذا؟ لمنادیل سعد فی خیر مما ترون. قال ابو عیسٰی: هٰذا حدیث حسن صحیح. وفی تحفة تحت هٰذا الحدیث: (فلبسها رسول اللّٰهﷺ) کان هٰذا قبل النهی عن الحریر کما فی روایة احمد المذکورة. (تحفة الأحوذی، کتاب اللباس، ج: ۵، ص: ۳۸۸، ۳۸۹، رقم: ۱۷۷۷، ط، دار الکفر)

کرے تو کب حلال ہوگا۔ پس ایسا ہی اس فعل پر عمل کرنا حنفی کونہیں چاہیے۔ البتہ اگر محقق عالم ہے اور استحباب اس فعل کا جزم مثل قول امام شافعیؒ کے ہو تو اگر کر لیوے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر اتباع حدیث کے لئے بہت سے امور ہیں۔ اس فعل مشتبہ کے کرنے میں کیا بڑا ثواب امید کیا جاتا ہے۔ جوانجام اس کا فساد ہو اور بفعل مستحب ترک واجبات کرنا پڑے اور تواتر سے اس کا ثبوت اولاً محل کلام ہے ثانیاً متواتر فعل بھی منسوخ ہوجاتا ہے۔ نفس تواتر سے جواز عمل نہیں ہوجاتا۔ بہر حال صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف ہو چکا ہے۔ عدم رفع بھی بہت سے صحابہ کا مذہب ہے (۲۷) لہٰذا غیر رفع بھی تتبع حدیث وصحابہ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وأخرج ابوداؤد عن عبداللّٰه بن زرير يعنى الغافقى، انه سمع على بن أبى طالب يقول: ان نبى اللّٰه ﷺ أخذ حريراً فجعله فى يمينه، وأخذ ذهباً فجعله فى شماله، ثم قال: ان هٰذين حرام على ذكور امتى. (سنن ابى داؤد، كتاب اللباس، باب فى الحرير للنساء، ص: ۵۷۲، رقم: ۴۰۵۷، ط، دار السلام رياض)

(۲۷):وفى البدائع: روى عن ابن عباس رضى اللّٰه عنهما أنه قال: العشرة الذين شهد لهم رسول اللّٰه ﷺ بالجنة ماكانوا يرفعون أيديهم الا فى افتتاح الصلاة، وكذا فى العينى عن البدائع، وبه قال غير واحد من الصحابة والتابعين كما فى الترمذى. (اوجز المسالك الى موطأ مالك، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ج: ۲، ص: ۸۳، ط، دار القلم دمشق)

وعن علقمة قال: قال عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه الا اصلى بكم صلوة رسول اللّٰه ﷺ فصلى فلم يرفع يديه الا فى اول مرة رواه الثلاثة وهو حديث صحيح. (آثار السنن، كتاب الصلاة، باب ترك رفع اليدين فى غير الافتتاح، ص: ۱۳۲، ۱۳۳، رقم: ۴۰۲، ط، مكتبه امداديه ملتان)

وقال ابن أبى شيبة حدثنا أبو بكر قال: نا وكيع عن ابن أبى ليلى عن الحكم، وعيسى عن عبدالرحمٰن بن أبى ليلى عن البراء بن عازب: أن النبى ﷺ كان اذا

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اگر قرأۃ کی نیت سے پڑھ لیوے گا تو کیا گناہ گار ہوگا؟

﴿جواب﴾:

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بہ نیت قرأۃ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ منع فرماتے ہیں۔ بطور دعا مضائقہ نہیں (۲۸) اگر قرأۃ کی نیت سے پڑھ لیوے گا تو گنہگار بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ محدثین اور شافعی صاحب رحمہم اللہ کے نزدیک سنت ہے (۲۹) لہٰذا گنہگار بھی نہ ہوگا۔



افتتح الصلاة رفع يديه، ثم لايرفعهما حتى يفرغ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لايعود، ج: ٢، ص: ٦٤، رقم: ٢٤٥٢، ط، مكتبة الرشد رياض)

(٢٨):في التاتار خانية: وفي فتاوى سمرقند: من قرأ في صلاة الجنازة بفاتحة الكتاب ان قرأ بنية الدعاء فلابأس، وان قرأ بنية القراء ة لايجوز أن يقرأ، لأن صلاة الجنازة محل الدعاء وليس بمحل القراء ة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل والثلاثون في الجنائز، القسم الثاني في كيفية الصلاة على الميت، ج: ٣، ص: ٧٤، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

وفي المحيط والتجنيس: ولو قرأ الفاتحة فيها بنية الدعاء فلابأس به وان قرأها بنية القراء ة لايجوز لأنها محل الدعاء دون القراء ة اهـ. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج: ٢، ص: ٣٢١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲۹): صحیح یہ ہے کہ نماز جنازۃ میں قرأت فاتحہ شوافع حضرات کے نزدیک اُرکان صلاۃ میں سے ہے۔

جمعہ کی سنتیں کتنی ہیں

﴿سوال﴾:

بعد جمعہ کے سنت چار رکعت پڑھنی چاہیے یا چھ رکعات؟

قال العلامة شهاب الدين احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمه اللّٰه تعالٰی: (باب) مشروعية (قراء ة فاتحة الكتاب) فی الصلاة (علی الجنازة) وهی من أركانها لعموم حديث لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب وبه قال الشافعی وأحمد. الخ. (ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب استحباب قراء ة فاتحة الكتاب علی الجنازة، ج: ۲، ص: ۴۳۲، ط، مكتبة الكبری الاميرية مصر)

وقال العلامة النووی رحمه اللّٰه تعالٰی: فأركانها سبعة: الخامس: قراء ة الفاتحة بعد التكبيرة الأولی، فظاهر كلام الغزالی، أنه ينبغی أن تكون الفاتحة عقب الأولی متقدمة علی الثانية، لكن حلی الرويانی وغيره عن نصه: أنه لو أخر قراء تها الی التكبيرة الثانية، جاز. (روضة الطالبين وعمدة المفتين، كتاب الجنائز، فصل فی كيفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۲۵، ط، المكتب الاسلامی بيروت لبنان)

وقال العلامة المحدث الكبير محمد انور الكشميری نور اللّٰه مرقده: لايجب الفاتحة فی صلاة الجنازة، وعند مالك وأبی حنيفة ولو قرأها فلا بأس، وقال الشافعی: ان قراء ة الفاتحة فريضة. (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، كتاب الجنائز، باب ماجاء فی القراء ة علی الجنازة بفاتحة الكتاب، ج: ۲، ص: ۳۲۸، ط، دار احياء التراث العربی بيروت لبنان/ وكذا فی النجم الوهاج فی شرح المنهاج، كتاب الجنائز، فصل فی الصلاة علی الميت، ج: ۳، ص: ۴۴، ۴۵، ط، دار المنهاج المملكة السعودية/ و البيان فی مذهب الشافعی، كتاب الجنائز، باب الصلاة علی الميت، ج: ۳، ص: ٦٦، ط، دار المنهاج المملكة السعودية/وامام الكلام فی مايتعلق بالقراة خلف الامام،الخاتمة فی قرأة الفاتحة فی صلاة

﴿جواب﴾:

بعد جمعہ کے چار رکعت سنت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہیں اور امام ابو یوسف نے چھ رکعت فرمائیں اول چار رکعت پھر دو جس پر عمل کرے درست ہے (۳۰)۔



اعتکاف کتنے دن کا کرنا چاہیے

﴿سوال﴾:

اعتکاف اگر پورے دس روز کا نہیں کیا تو ادائے سنت ہوئی یا نہیں؟ فقط

﴿جواب﴾:

الجنازة، ص: ۲۷۰، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(۳۰): عن أبى هريرة قال: قال رسول اللهﷺ: اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعا. وفى فتح الملهم تحت هٰذا الحديث: قال ابن الملک: وهٰذا يدل على كون السنة بعدها أربع ركعات، وعلى الشافعى فى قول. وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وعن أبى يوسف: أن السنة بعدها ست، جمعا بين الحديثين، أو لما روى عن على: أنه قال: من كان مصليا بعد الجمعة فليصل ستاً. وهو مختار الطحاوى. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ج: ۵، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، ط، دار أحيا التراث العربى بيروت لبنان)

وقبل الظهر والجمعة وبعدها أربع كذا فى المتون. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، ج: ۱، ص: ۱۱۲)

وعند ابى يوسف السنة بعد الجمعة ست ركعات وهو مروى عن على رضى الله عنه والافضل ان يصلى اربعا ثم ركعتين للخروج عن الخلاف. (غنية المستملى في شرح منية المصلي، كتاب الصلاة، باب صلاة النوافل، ص: ۳۸۹)

اعتکاف مسنون تو پورے دس رات دس دن کا ہوتا یا نو روز کا اگر چاند ۲۹ دن کا ہو اور اگر خیال ادائے سنت کا نہیں تو جس قدر چاہیے کرلیوے(۳۱)۔فقط والسلام



(۳۱):وینقسم الی واجب وهو المنذور تنجیزاً أو تعليقاً والی سنة مؤكدة وهو فی العشر الاخير من رمضان والی مستحب وهو ماسواهما هكذا فی فتح القدير. (الفتاوی الغالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف، ج: ۱، ص: ۲۱۱)

(وكذا فی رد المختار علی الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ج: ۳، ص: ۴۳۰، ۴۳۱، دار عالم الكتب رياض)

قرأت اور تجوید کا بیان

علم تجوید کا سیکھنا کیسا ہے

﴿سوال﴾:
علم تجوید فرض عین ہے یا کفایہ اور کہاں تک مستحب ہے؟

﴿جواب﴾:
علم تجوید جس سے کہ تصحیح حروف کی ہوجاوے کہ جس سے معانی قرآن شریف کے نہ بگڑیں یہ فرض عین ہے۔ مگر عاجز معذور ہے اور اس سے زیادہ علم قرأۃ وتجوید فرض کفایہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱):عن عبیدة الملیکی، وکانت له صحبة، قال: قال رسول اللهﷺ: یا أهل القرآن لاتتوسدوا القرآن، واتلوه حق تلاوته.الخ. وفی المرقات تحت هذا الحدیث: قال ابن حجر: فیه دلالة علی أن کل ما أجمع القراء علی اعتباره من مخرج ومد وغیرهما وجب تعلمه وحرم مخالفته. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الفضائل القرآن، باب آداب التلاوة ودروس القرآن، الفصل الثالث، ج: ۵، ص:۸۷، رقم: ۲۲۱۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

فی اعلاء السنن: وقال ابن الجزری فی مقدمته:

والأخذ بالتجوید حتم لازم　　من لم یجود القرآن آثم
لأنه به الاله أنزلا　　وهکذا منه الینا وصلا

قلت: وقد صرح بوجوب التجوید وتصحیح الحروف فقهاؤنا الحنفیة ایضاً. الخ. (اعلاء السنن، کتاب الصلاة،باب ماجاء فی وجوب تجوید القرآن،ومعرفة أوقافه، وما یناسبه، ج: ۴، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

قرآن شریف کس لہجہ میں پڑھیں

﴿سوال﴾:

مصری لہجہ میں قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے ورا گرامام مصری لہجہ میں نماز ادا کرے تو نماز میں کوئی نقصان تو نہ ہوگا؟ فقط

﴿جواب﴾:

لہجہ قرآن شریف کوئی نوع نہیں کسی لہجہ میں پڑھو۔مگر ادائے حروف میں کمی بیشی نہ ہو(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وفی الشامية: قال العلامی فی فصوله: من فرائض الاسلام تعلم مايحتاج اليه العبد فی اقامة دينه واخلاص عمله للّٰه تعالیٰ ومعاشرة عباده. وفرض على كل مكلف و مكلفة بعد تعلمه علم الدين والهداية تعلم علم الوضوء والغسل و الصلاة والصوم، وعلم الزكاة لمن له نصاب، والحج لمن وجب عليه، والبيوع على التجار ليحترزوا عن الشبهات و المكروهات فی سائر المعاملات،وكذا أهل الحرف، وكل من أشتغل بشئ يفرض عليه علمه و حكمه ليمتنع عن الحرام فيه.(ردالمحتار المقدمة، ج: ١، ص: ١٢٥، ١٢٦، ط،دار عالم الكتب، رياض)

(٢):عن يعلى بن مملك: انه سأل ام سلمة زوج النبیﷺ عن قراءة النبیﷺ وصلاته، فقالت: وما لكم وصلاته؟ وكان يصلی ثم ينام قدر ما صلی، ثم يصلی قدر ما نام، ثم ينام قدر ما صلی حتی يصبح، ثم نعتت قراءته، فاذا هی تنعت قراءة مفسرة حرفاً حرفاً. وفی التحفة تحت هٰذا الحديث: (قراءة مفسرة) أی مبينة (حرفاً حرفاً) أی كان يقرأ بحيث يمكن عد حروف ما يقرأ والمراد حسن الترتيل والتلاوة على نعت التجويد. (تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء كيف كانت قراءة النبیﷺ، ج: ٨، ص: ٢٤٠، ٢٤١، ط،

عیدین و جمعہ کی نماز میں مخصوص سورتیں پڑھنا

سوال:

زید امام جامع مسجد ہے اور عیدین کی نماز بھی پڑھاتا ہے اور ہمیشہ زید معمول سبح اسم اور ھل اتیٰ پڑھنے کا کرتا ہے اور جو اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا سوائے ان سورتوں کے اور تم کو یاد نہیں یا یہ خود ہی مخصوص ہیں تو وہ کہتا ہے کہ حدیث میں ان کا پڑھنا ثابت ہے اور اسی وجہ سے میں پڑھتا ہوں۔ لہٰذا ایسا معمول کر لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

ایسا معمول کر لینا درست ہے۔ لیکن اصرار نہ کرے کبھی اس کے خلاف بھی پڑھ لیا کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



دار الفکر)

(۳):وفی التحفة وغيرها يقرأ فيهما قدر ما يقرأ فی الظهر لانهما بدل منه وان قرأ بسورة الجمعة واذا جاءک المنافقون أو بسبح اسم ربک و هل اتاک حديث الغاشية تبركاً بالمأثور عنه عليه الصلاة والسلام على ما مر فی صفة الصلاة كان حسنا لكن يتركه احيانا لتلا يتوهم الغامة وجوبه. (حلبی كبير، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۱۶۵)

وفی الأوجز:قلت: هٰذا هو المشهور على الألسن: أن الحنفية لم يقولوا بندب ما ورد فی ذلک، وهٰذا النقل ليس بصحيح، بل كتبهم مصرحة بندب ذلک، نعم أنكروا الاستمرار عليه، قال فی البدائع وتبعه صاحب البحر: ينبغی للامام أن يقرأ فی كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة، مقدار ما يقرأ فی صلاة الظهر، ولو قرأ فی الأولى بسورة الجمعة، وفی الثانية بسورة المنافقون، أو فی الأولى بسبح اسم ربک الاعلٰى، وفی الثانية بسورة هل أتاک، فحسن، تبركاً بفعله عليه

تہجد میں قراءت کیسے پڑھیں

﴿سوال﴾:

زید تہجد کی نماز کبھی بارہ رکعت کبھی آٹھ رکعت کبھی چار رکعت ادا کرتا ہے۔ مگر اس صورت سے کہ کبھی بارہ میں چار رکعت قرأۃ جہر کے ساتھ ادا کرتا ہے اور کبھی چھ یا دو جہر کے ساتھ قرأۃ پڑھتا ہے اور باقی خفیہ بکر کا قول ہے کہ ایسے نہیں چاہیے یا تو جس قدر نماز تہجد کی پڑھو سب جہر کے ساتھ پڑھو یا سب اخفاء کے ساتھ پڑھو۔ اس صورت میں زید کا قول معتبر ہے یا بکر کا؟

﴿جواب﴾:

زید کا نماز تہجد میں جہر کرنا اور خفیہ سب طرح درست ہے(۴)۔ بکر کا خیال درست

السلام، ولكن لايواظب على قراء تها، بل يقرأ غيرها في بعض الأوقات، كيلا يؤدى الى هجر الباقي، ولايظنه العامة حتما، اهـ.

وكذا صرح به ابن عابدين في ردالمحتار، وابن الهمام في الفتح، وغيرهم، من فقهاء الحنفية. (أوجز المسالك الى مؤطا مالك، كتاب الجمعة، باب القراء ة في صلاة الجمعة والاحتباء، ومن تركها من غير عذر، ج: ۲، ص: ۴۸۹، ۴۹۰، ط، دار القلم دمشق)

(وكذا في اعلاء السنن، كتاب الجمعة، باب القراء ة في صلاة الجمعة، ج: ۸، ۸۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(۴): في ملتقى الأبحر: وخير المنفرد في نفل الليل.

وفي مجمع الانهر تحته: (وخير المنفرد) بين الجهر والأخفاء (في نفل الليل) لأن النوافل اتباع الفرائض لكونها مكملات لها فيخير فيها كما يخير في الفرائض. الخ. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الابحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۵۵، ۱۵۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بسم اللہ کو تمام قرآن مجید میں کہاں پڑھے

سوال:

بسم اللہ شریف کو ختم قرآن شریف میں سورہ نمل کے سوا کے جو جزو قرآن ہے اس کو سورۂ اخلاص ہی پر پڑھنا چاہیے یا اور کسی سورۃ پر بھی پڑھنا بلا تخصیص درست ہے؟

جواب:

بسم اللہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرآن کی آیت ہے اور کسی سورۃ کا جزو نہیں اس کو ایک بار خواہ کہیں پڑھ دیوے درست ہے خصوصیت قل ھو اللہ کی نہیں جہاں چاہے پڑھ دیوے (۵)۔ البتہ یہ عقیدہ کرنا کہ سوائے قل ھو اللہ کے اور کسی سورت پر درست نہیں بدعت

وفی التاتارخانیة: وأما نوافل اللیل فلابأس بالجهر فیها، لکن الأفضل أن یکون بین الجهر والاخفاء. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی فرائض الصلاة وواجباتها وسننها وآدابها، فصل فی القراءة، ج: ۲، ص: ۶۱، ط، مکتبة زکریا)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، فرع فی تکبیرة الافتتاح أو ما یقوم مقامها، ج: ۱، ص: ۳۰۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۵):قال الامام المحدث الفقیه الشیخ محمد عبد الحی اللکنوی الهندي رحمه اللّٰه تعالیٰ: قد صرحوا أن ختم القرآن بجمیع أجزءه فی التراویح مرة سنة مؤکدة، حتی لو ترک آیة منه لم یخرج عن العهدة، وقد ثبت أن البسملة أیضاً آیة منه علی الأصح، فیستخرج منه أنه لو قرأ تمام القرآن فی التراویح، ولم یقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السور سوی مافی سورة النمل، لم یخرج عن عهدة السنیة، ولو قرأها الامام سرا خرج عن العهدة، لکن لم یخرج المقتدون عن العهدة،

ہوگا(٦)۔ورنہ کچھ حرج نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا

سوال:

پانی پتی کے قاری تراویح میں شروع ہرسورت پر بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں یہ درست ہے یانہیں اگر درست ہے توکس امام کے نزدیک؟

جواب:

بسم اللہ جہر سے پڑھنا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے(٧)۔مگر چونکہ یہ امر قرأت تعارف ہند کے موافق ہےاس لئے ان پراعتراض نامناسب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وبه أفتيت حين سئلت في سنة أربع وثمانين بعد الألف والمائتين من الهجرة عن هذه المسألة. وقد أفتى به أبي و أستاذي نور الله مرقده مرات وكرات، وصرح به في قمر الأقمار لنور الأنوار.(احكام القنطرة في احكام البسملة،الباب الثاني في نبذ من أحكام البسملة، ص: ١٧،ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية،كراتشي)

(٦):في المرقات: من اصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الاول، ج:٣،ص: ٢٦، رقم: ٩٤٦،ط، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان)

وفي الاعتصام:ومنها وضع الحدود والتزام الكيفيات والهيئات المعينة، والتزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام، ج: ١، ص: ٢٦، ط، مكتبة التوحيد)

(٧): قال الامام المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الحي اللكنوي الهندي

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص نماز تراویح یا اور کوئی نماز لوگوں کو پڑھاتا ہے اور ہر رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھتا ہے اور ہر سورت کے اول میں بسم اللہ بھی جہر سے کہتا ہے تو ہر سورت کے ساتھ نماز میں بسم اللہ کا ملانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز جہری میں بسم اللہ آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ پڑھنا فضیلت رکھتا ہے اور اکثر حافظوں کا یہ دستور ہے کہ نماز تراویح میں کسی سورۃ کے اول تمام قرآن میں بسم اللہ نہیں پڑھتے۔ صرف سورۂ اخلاص کے اول بسم اللہ پڑھتے ہیں سو یہ فعل ان کا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر ہر سورت کے اول نماز تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے قرآن کی قرأۃ کامل ہوگی یا ناقص رہے گی؟ بینوا توجروا

﴿جواب﴾:

مذہب حنفیہ میں بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا سنت ہے اور جہر سے پڑھنا ترک اولیٰ ہے

رحمه اللّٰه تعالیٰ: اختلفوا فی قراء ة البسملة فی الصلاة عند الشروع فی القراء ة ... ..ثم مع قراء تها اختلفوا فی الجهر ایضاً علی ثلاثة اقوال:.....والثالث: أنه یسن السر، ویکره الجهر، وهو قول أصحابنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ، وقال الاتقانی فی التبیین شرح منتخب حسام الدین: عندنا لایجهر، وعند الشافعی یجهر، وقد أدرک أبو حنیفة أنساً وغیره من الصحابة، والحال فی أمور الدین أشهر وأظهر للصحابة والتابعین من غیرهم، وماروی أنه علیه الصلاة والسلام جهر فقد طعن فیه ائمة الحدیث، لأن ندوة الحدیث وعدم شهرته فیما فیه ابتلاء دلیل الافتراء والنسخ، فلایسمع، وقد قال ابراهیم النخعی: الجهر بالتسمیة بدعة، وهو ممن أدرک أکابر. انتهٰی. (احکام القنطرة فی أحکام البسملة، الباب الثانی فی نبذ من أحکام البسملة، ص: ۳۹، ۴۰، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

اور تراویح میں جو قرآن کا ختم ہوتا ہے اس میں بھی مذہب حنفیہ کے موافق یہی حکم ہے مگر حفص قاری جن کی قرأۃ اب ہم لوگوں میں شائع ہے ان کے نزدیک بسم اللہ جزو ہر سورت کا ہے اور جہر سے پڑھنا ان کے نزدیک ضرور ہے پس اگر اقتداء سے ان کے کوئی ہر سورت پر جہر سے بسم اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں جیسا بعض قراء کا دستور ہے تو اس حالت میں قرآن کامل ہونا حفص کے نزدیک جہر بسم اللہ پر موقوف ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک دفعہ کہیں جہر سے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے بہرحال دونوں طرح درست ہے۔ ایسے امور میں خلاف ونزاع مناسب نہیں کہ سب مذاہب صحیح ہیں (۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔

یہ قول ٹھیک ہے اور لاریب احادیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہیں یعنی بسم اللہ کا پڑھنا نماز میں جہراً بھی آیا ہے اور سراً بھی ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہورہا ہے تو یہ سنت مردہ کے حکم میں ہے پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سوشہیدوں کا ثواب ملے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں خواہ وہ فرض نمازیں ہوں جن میں قرأت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ جیسے فجر، عشاء، مغرب، خواہ

(۸): قال الامام المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الحی اللكنوی الهندي رحمه اللّٰه تعالیٰ: قد صرحوا أن ختم القرآن بجميع أجزء ه فی التراويح مرة سنة مؤكدة، حتى لو ترك آية منه لم يخرج عن العهدة، وقد ثبت أن البسملة أيضاً آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لو قرأ تمام القرآن فی التراويح، ولم يقرأ البسملة فی ابتداء سورة من السور سوى مافی سورة النمل، لم يخرج عن عهدة السنية، ولو قرأ ها الامام سرا خرج عن العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة، وبه أفتيت حين سئلت فی سنة أربع وثمانين بعد الألف والمائتين من الهجرة عن هذه المسألة. وقد أفتى به أبی و أستاذی نور اللّٰه مرقده مرات وكرات، وصرح به فی قمر الأقمار لنور الأنوار. (احكام القنطرة فی احكام البسملة، الباب الثانی فی نبذ من أحكام البسملة، ص: ۱۷، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية، كراتشی)

تراویح کی نماز ہو(۹)۔حمید اللہ مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ۔



(۹): نماز میں جہراً تسمیہ پڑھنے کے بارے جو اُحادیث منقول ہیں علماء محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ روایات یا تو ضعیف ہیں یا موضوع۔حضرت امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ تسمیہ کا جہراً پڑھنا بدعت ہے۔فقہاء احناف کے نزدیک نماز میں جہراً تسمیہ کا پڑھنا مکروہ ہے،البتہ نماز میں سورۃ فاتحہ سے قبل تسمیہ کا سراً پڑھنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،حضرت عبداللہ بن زبیرؓ،حضرت عمار بن یاسرؓ،حضرت عبداللہ بن المغفلؓ،امام حاکمؒ،امام حسن بن ابی الحسنؒ،امام شعبیؒ،امام ابراہیم نخعیؒ،امام سفیان ثوریؒ،امام اوزاعیؒ،امام عبداللہ بن مبارکؒ،امام قتادۃؒ،حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ،امام اعمشؒ،امام زہریؒ،امام مجاہدؒ،امام حمادؒ،امام ابن عبیدؒ،امام احمد بن حنبلؒ،امام اسحاقؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال الامام المحدث الفقيه الشيخ محمد عبد الحى اللكنوى الهندي رحمه اللّٰه تعالىٰ: اختلفوا فى قراء ة البسملة فى الصلاة عند الشروع فى القراء ة.....ثم مع قراء تها اختلفوا فى الجهر ايضاً على ثلاثة اقوال:.....والثالث: أنه يسن السر، ويكره الجهر، وهو قول أصحابنا رحمهم اللّٰه تعالىٰ، وقال الاتقانى فى التبيين شرح منتخب حسام الدين: عندنا لايجهر، وعند الشافعى يجهر، وقد أدرك أبو حنيفة أنساً وغيره من الصحابة، والحال فى أمور الدين أشهر وأظهر للصحابة والتابعين من غيرهم، وماروى أنه عليه الصلاة والسلام جهر فقد طعن فيه ائمة الحديث، لأن ندوة الحديث وعدم شهرته فيما فيه ابتلاء دليل الافتراء والنسخ، فلايسمع، وقد قال ابراهيم النخعى: الجهر بالتسمية بدعة، وهو ممن أدرك أكابر. انتهىٰ. (احكام القنطرة فى أحكام البسملة، الباب الثانى فى نبذ من أحكام البسملة، ص: ۳۹، ۴۰، ط، ادارة القرآن والعلوم السلامية كراتشى)

وقال ايضاً: وقد سلك أصحابنا ومن تبعهم فى الاخفاء فى الجواب عن أدلة الجهر مسالك، فمنهم من سلك مسلك الترجيح، وقالوا: أحاديث السر مقدمة على أحاديث الجهر بوجوه: أحدها: أنه ليس حديث الجهر الذى يدل عليه صريحا

دل میں قرأت ادا کرنا

﴿سوال﴾:

قرأت نماز میں بجائے زبان کے دل سے پڑھ لے تو نماز درست ہوگی یا نہیں اور

فی الصحاح الستة، وأحاديث السر مروية فيه، وهٰذا كاف فى تضعيف أحاديث الجهر، فالبخارى مع شدة تعصبه وفرط تحمله على مذهب أبى حنيفة لم يودع فى صحيحه منها حديثاً، وكذلك مسلم، فانهما لم يذكرا فى هٰذا الباب الا حديث أنس الدال على الاخفاء، ومسألة الجهر بالبسملة من أعلام المسائل، ومعضلات الفقه وأكثرها دوراناً فى المناظرة، والبخارى كثير التتبع مما يرد على أبى حنيفة بمخالفة السنة، فيذكر الحديث، ثم يعرض بذكره، ويقول: قال رسول اللهﷺ: كذا وكذا، وقال بعض الناس كذا، فيشير ببعض الناس اليه، ويشنع به عليه، وكيف يخلى كتابه من أحاديث الباب، وقصد الرد على أبى حنيفة فى قوله: ان الأعمال ليست من الايمان مع غموض ذلك كثير من الفقهاء، ومسألة الجهر مما تدور فيه الآراء.

ولو حلف أحد أن البخارى لو اطلع على حديث من أحاديث الجهر موافق لشرطه، أو قريباً منه لم يخل منه كتابه، وكذلك مسلم لصدق. ومع عزل النظر عن ذلك نقول: هٰذا أبو داؤد والترمذى وابن ماجة مع اشتمال كتبهم على الأسانيد السقيمة والأحاديث الضعيفة لم يخرجوا منها شيئاً، فلولا أنهم علموا ضعفها لما كان كذلك، كذا فى نصب الراية فى تخريج أحاديث الهداية، وفتح القدير وغيرهما.

وثانيهما: ما فى نصب الراية والبناية وغيرهما من أنه لم يخرج أحاديث الجهر أحد من أصحاب المسانيد المعتبرة.... وأما الدارقطنى فكتابه مملوء من الأحاديث الضعيفة والغريبة والشاذة والمعللة، وحكى أنه لما دخل مصر سأل بعض أهلها تصنيف شيء فى الجهر بالبسملة، فصنف فيه جزءً، فأتاه بعض المالكية

درود شریف یا قرآن شریف یا وظیفہ دل سے پڑھے تو ثواب زبانی حاصل ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا نہ آہستہ نہ پکار کر تو نہ فرض قرأت ادا ہوا نہ سنت تسبیحات

فأقسم عليه أن يخبره بالصحيح من ذلك، فقال: كل ما روى عن النبیﷺ فی الجهر فليس بصحيح.....و قال بعض الحفاظ: انما كثر الكذب فی أحاديث الجهر على رسول اللّٰهﷺ وأصحابه لأن الشيعة ترى الجهر، وهم أكذب الطوائف، فوضعوا فی ذلک أحاديث، ولذلک ترى غالب أحاديثه مسندة من أهل التشيع، وبالجملة فلا عبرة لمخرجی أحاديث الجهر ورواتها خصوصاً فی مقابلة أصحابه الصحاح.

وثالثها: أن رواة أحاديث الجهر ضعفاء، ولم يوجد حديث منها لايكون فيه ضعف، كما بسطه الزيلعی ناقلا عن العلامة ابن عبدالهادی والحازمی وغيرهما، فكيف تعادل أحاديث السر التی رواتها من رواة الصحاح. (احكام القنطرة فی أحكام البسملة، الباب الثانی فی نبذ من أحكام البسملة، ص: ۵۳، ۵۴، ۵۵، ط، ادارة القرآن)

وفی غنية المستملی: وعنه صليت خلف النبیﷺ ابی بكر وعمر فكلهم يخفون بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم وفی لفظ ان رسول اللّٰهﷺ كان يسر ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم واباابكر وعمر وروى الطبرانی ثنا محمد بن ابی السری ثنا معتمر بن سليمان عن ابيه عن الحسن عن انس ان رسول اللّٰهﷺ كان يسر ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم واباابكر وعمر وعثمان وعليا. انتهٰى. وهو مذهب الثوری وابن المبارک وقال ابن عبدالبر وابن المنذر هو قول ابن مسعود وابن زبير وعماربن ياسر وعبداللّٰه بن المغفل والحاكم والحسن بن ابی الحسن والشعبی والنخعی والاوزاعی وعبداللّٰه بن المبارک وقتادة وعمر بن عبدالعزيز والاعمش والزهری ومجاهد وحماد و ابن عبيد واحمد واسحاق رحمهم اللّٰه. (غنية المستملی فی

(درمختار میں ہے)(۱۰)۔



حرف ضاد ادا کرنے کا طریقہ

﴿سوال﴾:

یہاں پر ایک شخص قاری محمد تقی صاحب شاگرد قاری نجیب اللہ صاحب پانی پتی ہیں اور قاری صاحب نہایت مستند قاری ہیں عرصہ دو سال کا ہوجاوے گا کہ میں بھی ان سے قرأت سیکھتا ہوں (اور حکیم مولوی محمد صدیق صاحب نابینا مرادآبادی نے بھی کچھ روز ان

شرح منية المصلي، صفة الصلاة، ص: ۳۰۸)

(وكذا في البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۰): في الدر المختار: وأدنى المخافتة اسماع نفسه. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۵۲، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفي منحة الخالق: ولو قرأ بقلبه ولم يحرك لسانه فانه لايجوز. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۸۸، ط: دار الكتب العلميةبيروت لبنان)

وفي الفتاوى التاتارخانية: ولو قرأ بقلبه ولم يحرك لسانه فانه لايجوز، ولو حرك لسانه بالحروف أجزاه، وإن كان لايسمع منه. (الفتاوى الثاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، ج: ۲، ص: ۶۰، ط: مكتبه زكريا ديوبند الهند/ البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، ج: ۲، ص: ۳۰۱، ط: دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

سے قرأت سیکھی تھی) تو میرے پڑھنے کی وہ اکثر تعریف کیا کرتے ہیں اور حروف تو ادا ہوتے ہیں مگر حرف ضاد کو فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حرف کبھی مخرج ظاء سے ادا کرتے ہو اور کبھی مخرج ضاد سے بھی نکلتا ہے مگر قرأت بالجہر میں عمداً ایسا نہیں کرتا ہوں بلکہ بمجبوری زبان خاص مخرج پر نہیں پہنچتی اور اگر کبھی نماز پڑھتا ہوں تو مجھ کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ زبان خاص مخرج پر نہیں پہنچتی کبھی وہاں جا کر لوٹ آتی ہے پہلے اس کے کہ حرف پورا ادا ہو تو جو ہی نکل جاوے وہ ہی رہنے دیتا ہوں یہ نہیں کہ پھر اس لفظ کو دوبارہ لوٹوں۔ لہٰذا حضور تحریر فرماویں کہ جو ایک مرتبہ ادا ہو وہی کافی ہے یا اعادہ ان الفاظ کا کیا کروں۔ عالموں سے کہا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ مخرج سے ہم ادا نہیں کرتے مگر دال و ضاد فرق کرتے ہیں۔ یہ مخرج علیحدہ بنا رکھا ہے میرے نزدیک دال کے آگے واؤ لگا کر اس کو مفخم کر دیا باوجودیکہ دال کی صنعت تفخیم کی نہیں ہے اور حضور خاص مخرج ضاد سے کسی طرح یہ حرف مشابہ دال نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا گذارش ہے کہ یہ لوگ معذور بھی نہیں ہیں اور قرأت کا مخرج حروف کی جانب ان کا خیال ہی نہیں تو ایسے شخصوں کے پیچھے ہوگی یا نہیں اور میری نماز یا قاری کامل کی نماز ایسے شخصوں کے پیچھے ہو جاوے گی یا نہیں یا ترک جماعت کی جاوے اور اعادہ نماز ہر وقت کا نہایت مشکل ہے کیونکہ عام طور سے مشابہ بالدال ہی پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دال نہیں پڑھی بلکہ ایک مخرج علیحدہ ادا کیا ہے دیگر حروف کا فرق کرنا اس سے آسان ہے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پارۂ عم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حرف تو جدا ہے۔ مگر مشابہ بالدال سے مشابہ بالظاء پڑھنا اچھا ہے کیونکہ ضاد و ظاء اکثر صفات میں یکساں ہیں اور قریب المخرج بھی ہیں اور دال بعید المخرج بھی ہے اور مفخم نہیں لہٰذا حضور فتویٰ تحریر فرماویں۔

﴿جواب﴾:

د۔ ظ۔ ض کے حرف جداگانہ اور مخارج جداگانہ ہونے میں تو شک نہیں ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ قصداً کسی حرف کو دوسرے کے مخارج سے ادا کرنا سخت بے ادبی اور

بسا اوقات باعث فساد نماز ہے مگر جو لوگ معذور ہیں اور ان سے یہ لفظ اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا اور وہ حتی الوسع کوشش کرتے رہتے ہیں ان کی نماز بھی درست ہے۔ اور دال پر ظاہر ہے کہ خود کوئی حرف نہیں ہے بلکہ ضاد ہی ہے اپنے مخرج سے پورے طور پر ادا نہیں ہوا۔ تو جو شخص دال خالص یا ظا خالص عمداً پڑھے اس کے پیچھے تو نماز نہ پڑھیں مگر جو شخص دال پُر کی آواز میں پڑھتا ہے آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں (۱۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱۰):وان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما أشبه ذلک لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع الثاء اختلف المشايخ قال أكثرهم لاتفسد صلاته هكذا فى فتاوى قاضيخان. وكثير من المشايخ أفتوا به قال القاضى الامام أبو الحسن والقاضى امام ابو عاصم ان تعمد فسدت وان جرى على لسانه أو كان لايعرف التميز لاتفسد وهو أعدل الاقاويل والمختار هكذا فى الوجيز للكردرى. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارئ، ج: ۱، ص: ۷۹)

(وكذا فى الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل فى القرأة فى القرآن خطأ الخ، ج: ۱، ص: ۱۴۱، ۱۴۳)

(وكذا فى جواهر الفقه،رفع التضاد عن احكام الضاد، ج: ۳، ص: ۳۶، ط، مكتبه دار العلوم كراتشى)

حرف ضاد ادا کرنے کا طریقہ

﴿سوال﴾:

چند اشخاص حرف (ض) (دوآد) قرآن شریف میں پڑھنے سے اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم قرآن شریف میں (دوآد) پڑھتے ہو تو عربی لفظ جو بزبان اردو بولتے ہو تو وضو کو (ودو) کیوں نہیں کہتے اور ضیاء الدین کو (دیاء الدین) کیوں نہیں کہتے یہ بھی عربی لفظ میں تو قرآن شریف میں (نہ دآد) کا پڑھنا صحیح ہے یا (دوآد) پڑھنا چاہئے۔ زیادہ والسلام۔

راقم احقر العباد حمایت اللہ ساکن شمس پور ضلع ایٹہ پرگنہ پٹیائی معرفت جناب عبدالعلیم خان صاحب بھونگامی۔ فقط

﴿جواب﴾:

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصلی مخرج سے ادا کرنا واجب ہے اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پُر کی صورت سے بھی نماز ہو جاوے گی (۱۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب صحیح بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ وتوکل علی العزیز الرحمٰن۔ الجواب صحیح خلیل

---

(۱۱): وان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالظاء مع الصاد فقرأ الظالحات تفسد صلاته عند الکل وان لایمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیه قال أکثرهم لاتفسد صلاته. (الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، فصل فی القرأة فی القرآن خطأ الخ، ج: ۱، ص: ۱۴۱)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القارئ، ج: ۱، ص: ۷۹)

احمد مدرس اول مدرسہ سہارنپور، الجواب صحیح عنایت اللہ الٰہی عفی عنہ مدرس مدرسہ سہارنپور۔
الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ الٰہی عاقبت محمود گردان مدرس اول مدرسہ دیوبند، الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند، الجواب صحیح احق الزمان گل محمد خان مدرس مدرسہ دیوبند، الجواب صحیح اشرف علی عفی عنہ، از گروہ اولیاء اشرف علی ۱۳۰۰ھ۔



قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ

سوال:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقولکم رحمکم اللہ قرآن شریف مطبوعہ ہند میں اکثر مقامات پر علامات وقف جیسے ج، ط، ص، ز، صلی، سکنہ، صل وقف لازم، وقف غفران، وقف النبی، وقف جبرئیل، وقف منزل، لا ط ج ض وغیرہ ہیں ان علامات پر حسب قرأت حفاظ ہند وقف کرنا حدیث صحیح متصل السند مرفوع سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور قرأت نبی ﷺ میں کہاں کہاں وقت ہوتا تھا۔

جواب:

واللہ الموفق للصواب امابعد! خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم والنسائی وزاد کل ضلالۃ فی النار. وقف کرنا علامات مذکورہ پر بدعت ہے اور مرتکب بدعت کا آگ میں داخل ہوگا۔ اور محدث ان علامات کا اب طیفور خراسانی سجاوندی ہے کہ اس نے دو کتابیں اس بارہ میں تالیف کی ہیں۔ ایک مدلل کہ اس میں دلائل حسب قواعد عربیت وقیاس ذکر کئے ہیں اور دوسری ملخص اس میں سے مدلل غیر مدلل کسی ایک میں حدیث کا ذکر نہیں تو جاننا چاہئے کہ وقف سنت وہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت

ہواوران سے سوائے آیت کے کہیں وقف ثابت نہیں۔ عن ام سلمة انها ذكرت او كلمها غيرها فقالت قرأة رسول الله صلى الله عليه وسلم بسم الله الرحمٰن الرحيم الحمد لله رب العالمين الرحمٰن الرحيم ملك يوم الدين يقطع قرأة اٰية اٰية وفى رواية قرأت الفاتحة كلها وقطعها اٰية اٰية الى آخره رواه احمد وابوداؤد والترمذى وابن خزيمه والحاكم والدارقطنى وغيرهم كما فى الاتقان (۱۲). پس معلوم ہوا کہ درمیان آیت کے وقف کرنا بدعت ہے جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہوا کہ قرأة رسول الله ﷺ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم الحمد لله رب العالمين. الرحمٰن الرحيم ملك يوم الدين. الخ. تھی۔ یعنی قطع فرماتے ہیں آپ قرأۃ اپنی کو آیت آیت مگر وقف اضطرار میں میں کہ جب سانس رک جائے اور آگے چلنے کی طاقت نہ رہے تو درست ہے کہ لايكلف الله نفساً الا وسعها (۱۳). حرره راجى الى رحمة الله العالمين. الى رحمة الله المعين ابو البركات محمد عفا عنه الله الصمد حفيظ الدين.

وقف علامات مذکورہ پر کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے حدیث صحیح سے صرف آیات پر وقف ثابت ہے۔ کتبہ محمد بشیر۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح سنت نبویہ سے اور عمل صحابہ سے اور نیز تابعین سے وقف ثابت ہے۔ صرف آیات پر پس سوآیت کے وقف کرنا بدعت ہوگا چنانچہ اس کی تحقیق بخوبی رسالہ ازالہ وتحفۃ القرأۃ میں ہوگئی۔ حررہ الحافظ عبداللہ پشاوری۔ مہر عبداللہ۔

یہ علامات مذکورہ اوران پر وقف کرنا قرون صحابہ میں اور کسی حدیث صحیح میں ثابت نہیں صرف آیتوں پر وقف کرنا ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سلامت اللہ عفی عنہ۔

---

(۱۲): (الاتقان فى علوم القرآن، النوع التاسع عشر: فى عدد سورة وآياته و كلماته وحروفه، فصل فى عد الآى، الجزء الثانى، ص: ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲)

(۱۳): (سورة البقرة: ۲۸۶)

الجواب صحیح سید محمد نذیر حسین۔

جواب ہذا حسب قواعد نبویہ صحیح ہے حسبنا اللہ بس۔ حفیظ اللہ۔ الجواب صحیح سید محمد عبدالسلام۔ بیشک آیات پر وقف کرنا سنت نبویہ ہے خلاف اس کے ثابت نہیں۔ کتبہ محمد صدیق۔ ابومحمد یعقوب انصاری۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً امابعد! اس مجیب اوراس کے مصدقین نے نہایت کم فہمی اور غایت جورعلی الائمہ کو کام فرمایا۔ سنو کہ روایات قرأت قرآن شریف متواتر ومشہور وشاذ سب کے سب معتبر تمام امت کے نزدیک میں کسی عالم حقانی اور مجتہد کوانکارنہیں کہ سب کا استناد بسند صحیح۔ فخر عالم الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہوتا ہے۔ اور کوئی قرأت ان میں سے نہ بدعت ہے نہ مخترع اگرچہ اختلاف الفاظ کا ہو یا حرکات سکنات کا یا طرز اداء قرأت کا یا کچھ اوراگران سے ایک شخص نے ایک رائے اور ایک طرز کواپنے استادوں سے سیکھا ہے تو وہ دوسری روایت وقرأت پر کچھ اعتراض نہیں کرتا۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں **ملک یوم الدین** اور **مالک یوم الدین** دوقرأت ہیں (۱۴) اوردونوں متواتر مگر مالک پڑھنے والا ملک پڑھنے والے پر اور ملک پڑھنے والا مالک پڑھنے والے پر اعتراض نہیں کرتا اوراس کو خاطی نہیں جانتا۔ ایسا ہی **واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ** (۱۵). میں ایک نے بکسر خاء پڑھا ہے۔ بصیغہ امر دوسرے نے بفتح خا بصیغہ ماضی (۱۶) مگر یہ اس پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ وہ

---

(۱۴):فی فتح البیان: (مالک) قد اختلف العلماء أیما أبلغ "ملک" أو "مالک" والقراء تان مرویتان عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وأبی بکر وعمر، ذکرھما الترمذی، فذھب الی الأول أبو عبید والمبرد، ورجحہ الزمخشری، والی الثانی أبو حاتم والقاضی أبو بکر بن العربی. (فتح البیان فی مقاصد القرآن، ج: ۱، ص: ۴۶، ط، المکتبة العصریة بیروت)

(۱۵):(سورۃ البقرۃ: ۱۲۵)

(۱۶):وقرأ جمھور الناس: "وَاتَّخِذُوا"، بکسر الخاء، علی جھة الأمر لأمة

اس پر بلکہ ہر ایک دونوں کوحق اور صحیح جانتا ہے ثابت بالتواتر علی ہٰذا و الیـل اذا یـغشـی والـنهـار اذا اتـجلی و ماخلق الذکر و الانثیٰ (۱۷) کہ قراء سبعہ و ماخلق پڑھتے تھے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ والذکر والانثی پڑھتے تھے اور ماخلق نہیں پڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت ﷺ کی زبان سے یہ لفظ یہاں نہیں سنا (۱۸) مگر ماخلق پڑھنے والوں پر بھی انکار نہیں کرتے تھے۔ علیٰ ہٰذا دیگر امور میں کہ ان میں اختلاف ہے ہر شخص جس طرح اس نے استادوں سے سنا پڑھتا ہے مگر دوسروں پر اعتراض نہیں کرتا کیونکہ سب کے پاس سند متصل الیٰ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہے اور یہ قراء سبعہ زمانہ مشہود لہا بالخیر میں ہیں اور مقبول تمام امۃ حقہ ہیں کہ یا تابعی ہیں یا تبع تابعی اور روایت ان کی

محـمـد ﷺ، وقـرأ نـافـع، وابن عامر، "وَاتَّخَذُوْا"، بفتح الخاء، على جهة الخبر. (جواهر الحسان فى تفسير القرآن، ج: ١، ص: ٣١٤، ط، دار احياء التراث العربى بيروت لبنان)

(١٧):(سورة الليل: ١/٢/٣)

(١٨):وقرأ جمهور الصحابة "وما خلق الذكر"، وقرأ على بن أبى طالب وابن عبـاس وعبـدالـلّٰه بن مسعود وأبو الدرداء وسمعها من النبى ﷺ وعلمقة وأصحاب عبداللّٰه: والذكر والأنثى" وسقط عندهم. (المحرر الوجيز، ج: ٥، ص: ٤٩٠، ط، دار الكتب بيروت لبنان)

وروى عـن ابـن مسـعـود أنـه كـان يـقـرأ: والنهار اذا تجلى. والذكر والأنثى، ويسـقـط: ومـا خـلـق. وفـى صـحـيـح مسـلـم عن علقمة قال: قدمنا الشام، فأتانا أبو الـدرداء، فـقـال: فيـكـم أحـد يقرأ على قراءة عبداللّٰه؟ فقلت: نعم، أنا. قال: فكيف سـمـعـت عـبـدالـلّٰه يقرأ هٰذه الآية: (والليل اذا يغشىٰ)؟ قال: سمعته يقرأ: والليل اذا يـغشـى. والـذكـر والأنثى. قـال: وأنـا واللّٰه هكذا سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقرؤها، ولـكـن هـؤلاء يـريدون أن أقرأ: وما خلق، فلا أتابعهم. (الجامع لاحكام القرآن، ج: ٢٢، ص: ٣٢١، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

صحابہ کرام وتابعین سے ہے(۱۹)۔ پس ایسی حالت اختلاف میں ایک کو سنت اور ایک کو

(۱۹):فی قمر الاقمار: القراء السبعة: وهم نافع المدنی، وابن كثير عبداللّٰه المكی، وأبو عمرو البصری، وابن عامر الدمشقی، عاصم كوفی، وحمزة، والكسائی علی، وهما كوفيان، كذا فی الشاطبية. (قمرالاقمار حاشية علی نور الانوار، ج: ۱، ص: ۲۳، ط، مكتبة البشریٰ كراتشی)

نافع المدنی: هو نافع بن عبدالرحمٰن بن أبی نعيم القارئ امام أهل المدينة فی القراءة مولی بنی ليث. روی عن فاطمة بنت علی بن أبی طالب، وعبدالرحمٰن بن هزمز الأعرج، ونافع مولی ابن عمر. قال أبو طالب عن أحمد بن حنبل: كان يؤخذ عنه القرآن، قال أبو قرة موسٰی بن طارق: سمعت نافع بن أبی نعيم يقول: قرأت علی سبعين من التابعين. وروی أبو فراس القرشی عن الأصمعی قال: كنت أجالس نافع بن أبی نعيم، و كان من القراء الفقهاء العباد. توفی سنة وستين ومائة. (انظر: تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج: ۲۹، ص: ۲۸۱، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وتذهيب تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج: ۹، ص: ۱۸۴)

ابن كثير عبداللّٰه المكی: هوعبداللّٰه بن كثير ابن عمرو بن عبداللّٰه بن زاذان بن فيروزان بن هرمز الامام العلم مقریء مكة، وأحد القراء السبعة أبو معبد الكنانی الداری المكی مولی عمرو ابن علقمة الكنانی. وذكر أبو عمرو الدانی المقریء انه أخذ القراءة عن عبداللّٰه بن السائب المخزومی صاحب النبی ﷺ. والمعروف انه أخذ القراءة عن مجاهد. عن ابن عيينة قال: كان ابن كثير يبيع العطر قديما، وقال شبل بن عباد: ولد ابن كثير بمكة سنة ۴۸ ومات سنة عشرين ومئة. قال ابن سعد: كان ابن كثير المقریء ثقة، له أحاديث صالحة، مات سنة اثنتين وعشرين ومئة. (انظر: تهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج: ۱۵، ص: ۴۷۰، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وسير أعلام النبلاء، ج: ۵، ص: ۳۱۸، ۳۱۹، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

بدعت کہنا کتنا بڑا ظلم ہے معاذ اللہ اسی طریق پر حال اوقاف کا ہے کہ یہ قراء سبعہ معتبرہ اپنے اپنے اساتذہ سے جیسا انہوں نے سنا ہے ویسا ہی پڑھتے ہیں اور ان کے بعد ان کے شاگرد

أبو عمرو البصری: هو أبو عمرو بن العلاء ابن عمار بن العريان التميمی ثم المازنی البصری شيخ القراء والعربية وأمه من بنی حنيفة. اختلف فی اسمه علی أقوال: أشهرها زبّان، وقيل العريان. استوفينا من أخباره فی طبقات القراء.وقرأ القرآن علی سعيد بن جبير ومجاهد، ويحيیٰ بن يعمر، وعكرمة، وابن كثير، وطائفة. قال أبو عبيدة: كان أعلم الناس بالقراء ات والعربية.وهو حجة فی القراء ة صدوق. ذكر غير واحد أن وفاته كانت فی سنة أربع وخمسين ومئة. وهو ابن ست وثمانين سنة. (انظر: سير أعلام النبلاء، ج: ٦، ص: ٤٠٧، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وتذهيب تقريب التهذيب، ج: ٦، ص: ١٢٩، ط، مكتبة الرشد رياض)

ابن عامر الدمشقی: هو عبداللّٰه بن يزيد بن تميم بن ربيعة اليحصبی المقریء الدمشقی، كنيته أبو عمران. ولی قضاء دمشق بعد أبی ادريس الخولانی، وقرأ القرآن علی المغيرة بن أبی شهاب المخزومی، وقرأ المغيرة علی عثمان بن عفان. وروينا باسناد قوی أنه قرأ علی أبی الدرداء، والظاهر أنه قرأ عليه من القرآن. اتخذه اهل الشام اماما فی قراء ته واختياره ومات يوم عاشوراء سنة ثمان ومئة، وله سبع وتسعون سنة. (انظر:سير أعلام النبلاء، ج: ٥، ص: ٢٩٢، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وتهذيب التهذيب، ج: ٥، ص: ٢٧٥، ط، دائرة المعارف النظامية هند/ وتهذيب الكمال فی أسماء الرجال، ج: ١٥، ص، ١٤٣، ١٤٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

عاصم كوفی: هو عاصم بن بهدلة، وهو ابن أبی النجود الأسدی، مولاهم، الكوفی، حجة فی القراء ة، وحديثه فی الصحيحين، أحد السبعة القراء،وقال عبداللّٰه بن أحمد بن حنبل: سألت أبی عنه، فقال: كان رجلا صالحا قارئا للقرآن،

ویسا ہی ادا کرتے چلے آئے تو تقرر اوقاف کا ان طبقات میں ہو چکا ہے نہ سجاوندی نے وضع کیا۔ نہ کسی دوسرے نے البتہ ان کا تسمیہ اصطلاحاً کہ یہ وقف لازم ہے یہ ط ہے یہ پیچھے ہوا ہے سو اس طرز سے قرأت میں کچھ تفاوت نہیں اور تسمیہ اوقاف میں کچھ حرج لازم نہیں آتا۔ اور جیسا کہ حضرت محمد ﷺ کا پڑھنا کمی زیادتی کلمات یا تغیر و تبدل سکنات میں یا تمدید صورت میں مختلف طرح سے ثابت ہوا ہے ایسے ہی اوقاف کا حال ہے کہ آپ کا فقط ایک طرز وقف کا ہو یہ ہرگز ثابت نہیں اسی واسطے یہ قراء سبعہ معتبرہ مثلاً وقف میں اختلاف رکھتے

وأهل الكوفة يختارون قراءته. ومات سنة ثمان وعشرين ومئة. (انظر: تهذيب الكمال فى أسماء الرجال، ج: ١٣، ص: ٤٧٣، ٤٧٦، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وتذهيب تقريب التهذيب، ج: ٣، ص: ٥، ٦، ط، مكتبة الرشد رياض)

حمزة: هو حمزة بن حبيب ابن عمارة بن اسماعيل، الامام القدوة،شيخ القراءة، أبو عمارة التيمى، مولاهم الكوفى الزيات، مولى عكرمة بن ربعى. وكان امام قيما لكتاب الله، قانتا لله، ثخين الورع، رفيع الذكر، عالما بالحديث والفرائض. وقال ابو بن منجويه: كان من علماء زمانه بالقراء ات، وكان من خيار عباد الله عبادة، وفضلا، وورعاً، ونسكاً. توفى سنة ثمان وخمسين ومئة، وله ثمان وسبعون سنة فيما بلغنا. والصحيح: وفاته فى سنة ست وخمسين ومئة. (انظر:سير أعلام النبلاء، ج: ٧، ص: ٩٠، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان/ وتهذيب الكمال فى أسماء الرجال، ج: ٧، ص، ٣١٤، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

الكسائى على: هوعلى بن حمزة بن عبدالله بن قيس بن فيروز الاسدى مولاهم الكوفى الكسائى احد ائمة القراء ة والتجويد فى بعداد. اخذ القراء ة عن حمزة الزيات مذاكرة وقرأ عليه القرآن اربع مرات. وقال الانبارى كان اعلم الناس بالنحو والعربية والقرآت. روى عنه القرأت ابو عمر الدورى وابو الحارث الليث بن خالد ونصير بن يوسف. وله مع سيبويه المناظرة المشهورة. (انظر: تهذيب التهذيب، ج: ٧، ص: ٣١٣، ط، دائرة المعارف النظامية هند)

ہیں۔ نافع مدنی جہاں بلحاظ معنی ٹھہرنا مناسب ہو وہاں ٹھہرتے ہیں اور آیت کی کچھ رعایت نہیں کرتے ہو یا نہ ہو صرف لحاظ معنی کا کرتے ہیں اور ابن کثیر اور حمزہ جہاں سانس ٹوٹ جاوے تو وہاں وقف کرتے ہیں۔ اگرچہ بیچ میں آیت آجاوے اور عاصم اور کسائی جہاں کلام ختم ہو وہاں ٹھہرتے ہیں اگرچہ آیت اس جگہ ہو یا نہ اور ابو عمرو بصری آیت پر وقف کرتے ہیں اور یہ سب اپنی وضع کو معمول بہ اور مستحسن جانتے ہیں اور دوسرے کی رائے یا مذہب پر اعتراض یا طعن بدعت کا نہیں کرتے کیونکہ سب کے پاس حجت شرعیہ موجود ہے الحاصل ان طبقات میں سب قراء اور ائمہ اعلام اس بات پر اجماع اور اتفاق رکھتے تھے کہ آیت وغیر آیت پر دونوں جگہ وقف جائز ہے اور کسی ایک نے بھی اس وقت میں اس کا خلاف نہیں کیا۔ پس بحکم قول نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتجتمع امتی علی الضلالۃ (۲۰) یہ امر جائز ہوگیا۔ قال اللّٰہ تعالٰی ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وساء ت مصیراً (۲۱). من بعد اگر کوئی خرق اجماع کرے تو وہ خود خاطی ہے پس جیسا مجیب اور اس کے اتباع نے اختیار کیا ہے۔ یہ کسی اہل حق کا مذہب نہیں ہے اور گویا مجیب نے تمام اہل حق کو مبتدع ٹھہرایا۔ معاذ اللہ اور یہ سب اسی اتقان سے جس سے مجیب اسناد و استدلال کرتا ہے واضح ہے۔ ہر اہل علم اس کو دیکھ سکتا ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں ہرگز کسی طریقہ کو بدعت نہیں کہا بلکہ سب کو جائز اور متعارف لکھا ہے (۲۲)۔ پس ہر اہل عقل و عدم سمجھ سکتا ہے کہ مجیب نے

---

(۲۰):(اخرجہ ابن ماجۃ فی سننہ، فی کتاب الفتن، باب سواد الأعظم، ص: ۲۸۳، ط،قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراتشی)

(۲۱):(سورۃ النساء: ۱۱۵)

(۲۲):قال العلامۃ السیوطی: اصطلح الأئمۃ لأنواع الوقف والابتداء اسماء، واختلفوا فی ذلک، فقال ابن الأنباری: الوقف علی ثلاثۃ أوجہ: تام وحسن قبیح، فالتام: الذی یحسن الوقف علیہ والابتداء بما بعدہ، ولایکون بعدہ مایتعلق بہ

کس قدر جور کیا سب کو مبتدع بنا چھوڑا اور یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جو بہ سند صحیح متصل مروی ہے۔ جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے ایک اور روایت سے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔ حدثنا الليث عن عبدالله بن عبدالله بن ابی مليكه عن يعلى بن مملک انه سأل ام سلمة زوج النبی ﷺ عن قرأة النبی ﷺ وصلوته فقالت مالكم وصلوا كان يصلى ثم ينام قدر ما صلى ثم يصلى قدر ما نام ثم ينام قدر ما صلى حتى يصبح ثم تنعت قراء ته فاذا هی تنعت قرأة مفسرة حرفاً حرفاً(۲۳).

كقوله:(واولٰئک هم المفلحون) [البقرة: ۵]، وقوله: (ام لم تنذرهم لايؤمنون) [البقرة: ٦] والحسن: هو الذى يحسن الوقف عليه، ولايحسن الابتداء بما بعده كقوله: (الحمدللّٰه) لأن الابتداء بـ(رب العٰلمين) [الفاتحة: ۲] لايحسن، لكونه صفة لما قبله. والقبيح هو الذى ليس بتام ولاحسن كالوقف على بسم من قوله: بسم اللّٰه.[الفاتحة: ۱].....الخ.

تنبيهات: الأول: قولهم: لايجوز الوقف على المضاف دون المضاف اليه ولا كذا. قال ابن الجزرى: انما يريدون به الجواز الأدائى، وهو الذى يحسن فى القراءة ويروق فى التلاوة، ولايريدون بذلک أنه حرام ولا مكروه. (الاتقان فى علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون: فى الوقف والابتداء، ص: ۵۴۳، ۵۵۳)

(۲۳):(اخرجه الامام احمد بن حنبل فى مسنده فى مسند النساء، ص: ۱۹۷۵، رقم: ۲۷۰۹۹، ط، بيت الأفكار رياض/ والنسائى فى سننه فى كتاب الافتتاح، باب تزيين القرآن بالصوت، ص: ۱۴۱، رقم: ۱۰۲۳، ط، دار السلام رياض/ وأبو داؤد فى سننه فى كتاب الوتر، باب كيف يستحب الترتيل فى القراءة، ص: ۲۱۸، رقم: ۱۴٦٦، ط، دار السلام رياض/ والترمذى فى جامعه فى أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء كيف كانت قراءة النبی ﷺ، ص: ٦۵۷، رقم: ۲۹۲۳، ط، دار السلام رياض)

دیکھئے اس حدیث میں کوئی ذکر وقف علی الآیہ کا نہیں ہے اور دوسری روایت کہ جس میں ذکر وقف کا ہے اور اس کو دار قطنی (۲۴) نے اور ایک روایت سے ابوداؤد (۲۵) نے اور ترمذی نے نقل کیا ہے اس کی سند منقطع ہے کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ کے بعد یعلی بن مملک مذکور نہیں۔ لہذا وہ روایت منقطع ہوئی۔ اور یہ جماعت اس زمانہ کی جو اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں وہ حدیث مرسل منقطع کو حجت نہیں جانتے اور نہ اس پر عمل درست جانتے ہیں تعجب ہے کہ اس حدیث منقطع پر کس طرح اعتماد کر کے تمام امت مقبولہ کو مبتدع بنایا۔ ان کو اپنے قاعدہ کے موافق لازم تھا کہ اس روایت کیطرف التفات نہ کرتے۔ چنانچہ ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

حیث قال هذا حديث حسن صحيح غريب لانعرفه الامن حديث ليث بن سعد عن ابن ابی ملیکه عن يعلى بن مملك عن ام سلمة وقد روى ابن جريج هذا الحديث عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمة ان النبی ﷺ كان يقطع قرأة وحديث الليث اصح (۲۶) انتهٰى. وفيه بعد يسير حدثنا على بن حجر نا يحيى بن سعيد الاموی عن ابن جريج عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمة قالت كان رسول الله ﷺ يقطع قرأة يقرأ الحمد لله رب العالمين ثم يقف الرحمٰن الرحيم يقف وكان يقرأ ملك يوم الدين هذا حديث غريب وبه يقرأ ابو عبيدة ويختاره ولاهكذا روى يحيى بن سعيد

(۲۴):(سنن الدار قطنی، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراء ۃ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، ج: ۱، ص: ۱۴۱، رقم: ۱۱۶۰، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۲۵):(سنن ابی داؤد، کتاب کتاب الحزوف والقراء ات، ص: ۵۲۶، رقم: ۴۰۰۱، ط، دار السلام رياض)

(۲۶): (جامع الترمذی، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء كيف كانت قراء ة النبی ﷺ، ص: ۶۵۷، رقم: ۲۹۲۳، ط، دار السلام رياض)

الاموی وغیرہ عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمة ولیس اسناده بمتصل لان اللیث بن سعد روی هذا الحدیث عن ابن ابی ملیکة عن یعلی بن مملک عن ام سلمة انها وصفت قرأة النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرفاً حرفاً وحدیث اللیث اصح ولیس فی حدیث اللیث وکان یقرأ ملک یوم الدین (۲۷).

اسے دیکھو ترمذی نے کیسی منقطع بنا کر استدلال اس جماعة کا لغو ٹھہرادیا۔ مگر ہم لوگ چونکہ مرسل و منقطع ثقہ کو معتبر جانتے ہیں۔ ہم پر شرح اس حدیث کی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بیان فرمایا تو یہ نہیں کہا کہ تمام قرآن میں آپ اسی طرح کرتے تھے اور خاص اس ایک طریقہ قرأت اور وقف ہر آیت پر آپ کی قرأت کو حصر نہیں کیا تاکہ اس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے اس کے خلاف نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ آپ نے احیاناً ایسے ہی پڑھا ہے اور احیاناً دوسری طرح بھی پڑھا ہے۔ جو کہ اجماع قرون ثلثہ سے معلوم ہوا اگر اس میں کوئی لفظ حصر ہوتا تو استدلال ہوسکتا تھا۔ چونکہ اس میں کوئی لفظ حصر کا نہیں ہے تو ہرگز اس روایت سے تردید اس ایک طریقہ قرأت کے خلاف کی نہیں ہوسکتی دیکھو کہ اس ہی حدیث میں طرز تہجد آپ کا اس طرح پر روایت کیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کچھ نماز پڑھ کر اتنا ہی سورہتے تھے، پھر اٹھ کر دوبارہ آدھی نماز پڑھتے تھے پھر اسی قدر سورہتے تھے حالانکہ اور بہت سی روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ نے ایک ہی دفعہ ساری تہجد پڑھی ہے (۲۸)۔ استدلال مجیب بروایت ام سلمہ کے

---

(۲۷):(جامع الترمذی، أبواب القراء ات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب فی فاتحة الکتاب، ص: ۶۵۸، رقم: ۲۹۲۷، ط، دار السلام ریاض)

(۲۸):عن کریب مولی ابن عباسؓ: أن ابن عباسؓ أخبره: أنه بات لیلة عند میمونة أم المؤمنین وهی خالته. قال: فاضطجعت فی عرض الوسادة، واضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی طولها، فنام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا انتصف اللیل أو قبله بقلیل أو بعده بقلیل استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فجلس فمسح النوم عن وجهه بیده، ثم قرأ

موافق لازم آتا ہے کہ جیسے اس روایت میں طریقہ تہجد مروی ہے اس کے سوا اور جس قدر طریقے ہیں جن پر آپ کا عمل فرمانا خود روایات صحاح سے ثابت ہے وہ سب بدعت ہوں معاذ اللہ اور اس ہی روایت میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی قرأت ملک یوم الدین نقل کی ہے حالانکہ دوسری روایت میں مالک یوم الدین بھی آپ کا پڑھنا ثابت ہے(۲۹) پس جیسا کہ یہ طرز تہجد اور قرأت ملک یوم الدین احیاناً ہے نہ دائماً ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات احیاناً ہے نہ دائماً۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان تین امور کو جو فرمایا ہے اس میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں ہے کہ نفی دوسرے طریقہ کی ہو جائے علی ہذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفسرۃ حرفاً حرفاً فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرأت مستعجلاً کہ جس میں صحت لفظ وادائے حروف فوت نہ ہو بدعت ہو جائے بلکہ اس طرح پڑھنا ہی جائز ہے بلکہ بعض صحابہ کے نزدیک افضل ہے برحسب رائے مجیب چاہیے تھا کہ بدعت اور ناجائز ہو حالانکہ باجماع امت یہ جائز ہے صرف اختلاف افضلیت میں ہے

العشر يعني الآيات الخواتيم من سورة آل عمران، ثم قام الى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه، ثم قام يصلي، قال عبدالله بن عباس: فقمت فصنعت مثل ما صنع، ثم ذهبت فقمت الى جنب. فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني اليمنى ففتلها، فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر بواحدة. ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح. (رواه أبوعوانة في مسند أبي عوانة، كتاب الصلوات، باب بيان صفة قيام رسول الله ﷺ بالليل، ج: ٢، ص: ١٥، رقم: ٢٢٨٠، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

(٢٩): وقد روى عبدالرزاق عن معمر، عن الزهري، عن سعيد بن المسيب: أن النبي ﷺ وأبابكر وعمر كانوا يقرؤون: (ملك يوم الدين). (جامع الترمذي، أبواب القراءات عن رسول الله ﷺ، باب في فاتحة الكتاب، ص: ٦٥٨، ط، دار السلام رياض)

چنانچہ علامہ مجد الدین سفر السعادت میں فرماتے ہیں وعلماء را درین مسئلہ اختلاف ست کہ ترتیل با قلت قرأت افضل است یا سرعت با کثرت قرأت ابن عباس وابن مسعود میگویند ترتیل وتدبر با قلت قرأت افضل است وامیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجماعتے از صحابہ وتابعین وامام شافعی می گویند سرعت وکثرت قرأت افضل است اگرچہ حرفے رادہ حسنہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ ہر حرفے رادہ حسنہ است **لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف**. انتہٰی. اورطرفہ تماشہ یہ ہے کہ حدیث صحیح متصل السند ام سلمہؓ سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھتے تھے۔ مجیب اوراس کے اتباع نے اس طرز قرأت کو دائمی قرار دے کر قرأت مستعجلاً کو بدعت نہیں کہا حالانکہ ان کی فہم کے موافق اس کا بدعت ہونا بھی ضرور تھا۔ اور حدیث منقطع جس میں بقطع آیۃ آیۃ ہے اور حسب مذہب مجیب غیر معتبر اس پر اعتماد کر کے اوقاف مستحبہ کو بدعت قرار دیا۔ معاذ اللہ من ہذا الفہم الردی پھر دوسرا اعجوبہ یہ ہے کہ سائل حدیث متصل السند سے جواب مانگتا ہے اور مجیب صاحب منقطع السند سے جواب دیتے ہیں۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** اگر کہا جائے کہ اگرچہ اس جگہ اس روایت سے مستعجلاً پڑھنا بدعت معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ دوسری جگہ مستعجلاً پڑھنا ثابت ہے اس لئے وہ بدعت نہ ہوا تو جواب یہ ہے کہ خود اسی حدیث سے بروایت دارقطنی انعمت علیہم پر وقف نہ کرنا ثابت ہوگیا۔ باوجودیکہ یہاں پر آیت ہے اور دیگر روایات صحیحہ ونیز اجماع سے اور بہت سے موقع پر باوجود آیت ہونے کے وقف نہ کرنا ثابت ہے لہٰذا یہ بھی بدعت نہ ہونا چاہیے اور چونکہ ہندوستان میں قرأت عاصم کی شائع ہے تو اہل ہند کے اوقاف بھی مثل اوقاف عاصم کے ہیں الحاصل اس کے اوقاف کو بدعت کہنا سخت بے جا ہے۔ وقف کرنا رؤس آیات پر روایت مذکورہ سے ثابت ہوا اور غیر رؤس آیات پر روایت ہذا اور بہت سی روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہوا۔ پس قرأت قرآن میں دونوں طرح پڑھنا یعنی قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور مستعجلاً دونوں طرح سے درست ہے ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات بھی درست ہے اور عدم وقف بھی اصل یہ ہے کہ اوقاف ہی

تفسیر قرآن ہیں کہ فصل ووصل سے معنی قرآن کے واضح ہوجاتے ہیں۔ سوایسی طرح سے پڑھنا کہ جس سے توضیح مطلب ہوجائے مستحسن ہے اور بعض کج فہم جو اس تفسیر کو بدعت کہتے ہیں۔ یہ ان کی نہایت ہی کم فہمی ہے کیونکہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی نظیر قرون ثلثہ میں نہ پائی گئی ہو اور جب کہ یہ خود قرون ثلثہ میں پائی گئی تو کوئی ان کو کیسے بدعت کہہ سکتا ہے ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قراء تابعی ہیں یا تبع تابعی اور خود صحابہ سے روایت کرتے ہیں اگر بالفرض ان کا وجود قرون ثلثہ میں نہ پایا جاتا تب بھی یہ بدعت نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کی نظیر خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی جاتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آیت شریف سمیعاً بصیراً کو پڑھا تو آپ نے سمع اقدس وچشمان مبارک پر انگلی کا اشارہ فرمایا اور جب آیت شریف دکت الارض دکاً دکاً تلاوت فرمائی تو انگشان مبارک کو باہم دبا دیا پس جیسے یہ فعل آپ کا تفسیر کلام اللہ شریف کی واقع ہوئی ہے اور سنو کہ سائل نے کیفیت نماز تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریافت کی ہے اور یہ سوال فی الجملہ نامناسب تھا جیسا کہ کسی شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ روزہ کیسے رکھتے ہیں تو آپ ناخوش ہوئے اور اس سوال کو آپ نے ناپسند فرمایا پس اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا مالکم وصلٰوۃ یعنی آپ جیسی نماز تجھ سے کب ہوسکتی ہے تو اس سے کیا کرتا ہے لہٰذا جو فعل آپ کے اشد واحمر تھا وہ ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ یہ طریقہ سب طریق سے احمر واشد ہے اور طریقہ قرأت کا بھی وہی فرمایا کہ جو نفس پر اشد ہے یعنی بقرأۃ مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھنا اور ہر آیت پر وقف کرنا کہ اس میں دیر زیادہ لگتی ہے اور آپ کو قرآن شریف بھی زیادہ پڑھنا ہوتا تھا۔ نہ یہ کہ آپ ہمیشہ نماز وقرآن اسی طرح پڑھتے تھے۔ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کے سوا کوئی طریقہ معلوم ہی نہ تھا۔ بلکہ یہ طریقہ شدید تھا اس لئے اس کا بیان کرنا مناسب تھا پس انہوں نے اسی کو بیان فرمایا۔ سو اولاً یہ طریقہ خاص قرأت تہجد کا ہے نہ مطلق قرأت قرآن کا نماز وخارج نماز میں مثلاً نماز مغرب میں آپ نے سورہ اعراف پڑھی (۳۰)۔ اگر سورہ اعراف بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور ہر آیت

(۳۰): وروی النسائی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ فی صلاۃ المغرب

پر وقف کے التزام سے پڑھی جاتی تو مغرب کے وقت مستحب میں ہرگز تمام نہ ہوسکتی بلکہ عشاء کا وقت ہو جاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس وقت مستعجلاً قرأت پڑھی تھی۔ ایسے ہی نماز تہجد میں بھی احیاناً کیونکہ تہجد کا بھی آپ کا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ آل عمران ونساء کا پڑھنا ثابت ہے(۳۱) حالانکہ وقت تہجد میں بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً بالتزام وقف ہر ہرآیت ساری نماز میں بھی یہ سورتیں نہیں ہوسکتیں رہا حال اوقاف تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق اس کے جواز پر ہے(۳۲) خلاف پرنہیں ہے بلکہ خود اس حدیث کے

بسورة الاعراف فرقها فی رکعتین. صححه أبو محمد عبدالحق. (الجامع لأحکام القرآن، ج: ۹، ص: ۱۴۹، ط، مؤسسة الرسالة بیروت لبنان/ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب القراءة فی المغرب بـ المٓصٓ، ص: ۱۳۹، رقم: ۹۹۲، ط، دار السلام ریاض)

(۳۱):عن حذیفةؓ قال: صلیت مع رسول اللهﷺ ذات لیلة فافتتح بسورة البقرة فقرأ بمائة آیة لم یرکع فمضی، قلت: یختمها فی الرکعتین فمضی، قلت: یختمها ثم یرکع فمضی، حتی قرأ سورة النساء، ثم قرأ سورة آل عمران، ثم رکع نحواً من قیامه یقول فی رکوعه: سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم ثم رفع رأسه فقال: سمع الله لمن حمده ربنا لک الحمد وأطال القیام، ثم سجد فأطال السجود یقول فی سجوده: سبحان ربی الأعلی، سبحان ربی الأعلی، سبحان ربی الأعلی لایمر بآیة تخویف أو تعظیم لله عزوجل الا ذکره. (سنن نسائی ،کتاب التطبیق، ص: ۱۵۶، رقم: ۱۱۳۴، ط، دار السلام ریاض)

(۳۲):عن القاسم بن عوف البکری قال:سمعت عبدالله بن عمرؓ یقول: لقد عشنا برهة من دهرنا، وان أحدنا لیؤتی الایمان قبل القرآن، وتنزل السورة علی محمدﷺ، فنتعلم حلالها وحرامها، وما ینبغی أن یوقف عنده منها منها، کما تتعلمون أنتم القرآن الیوم ولقد رأینا الیوم رجالاً یأتی أحدهم القرآن قبل الایمان، فیقرأ ما بین فاتحته الی خاتمته مایدری ما أمره، ولازجره، ولا ما ینبغی أن یوقف

اندر جحت موجود ہے۔ دیکھو دار قطنی نے جو اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ ہیں و عد بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم آیة ولم یعد علیھم (۳۳) جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے انعمت علیھم پر وقف نہیں کیا۔ حالانکہ انعمت علیھم آیت ہے۔ نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی تین قاری کہ سبعۃ متواترہ کے روای ہیں اور قرأت ان کی قطعی ہے یہاں آیت کہتے ہیں اور آیات کا حال سماع سے تعلق رکھتا ہے کہ یہ امر توفیقی ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف وغیرہ میں مصرح ہے۔ اور اتقان وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے اور رسول اللہ ﷺ وقف آیت پر اسی واسطے کرتے تھے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں آیت ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگوں کو یہاں آیت ہونا معلوم ہو گیا تو بسا اوقات نہیں بھی کرتے تھے۔ پس بتواتر ثابت ہو گیا کہ یہاں آیت آپ نے کی ہے اور اس روایت ام سلمہؓ سے یہاں وقف نہ کرنا ثابت ہو گیا۔ اور یہ دونوں فعل رسول اللہ ﷺ کے ہیں تو اس سے عدم توقف آیت پر ثابت ہو گیا۔ علی ہذا جہاں اختلاف قرأۃ آیات میں ہے کہ بعض کے نزدیک

عنده منه. أخرجه النحاس واحتج به هو، وابن الجزري، كما في الاتقان[١ :٨٨]، ورجاله كلهم ثقات الا الأنبارى فلم أجد من ترجمه. وأخرجه الطبرانى فى الأوسط ورجاله رجال الصحيح، كذا في مجمع الزوائد [١ :٦٦]. واخرجه الحاكم فى المستدرك [١ :٣٥]، وصححه بهٰذا السند سوى الأنبارى، وأقره عليه الذهبى، وقال: على شرطهما، ولاعلة له اهـ. وقال العلامة العثمانيؒ تحت هٰذا الحديث: قلت: والحديث نص فى ثبوت الوقف فى أوساط الآيات، وأن ذلك اجماع من الصحابة، فانه هو الذى تمس الحاجة الى تعليمه وتعلمه دون الوقف على رؤس الآى، فان الآيات فى أنفسها مقاطع يستوى فى معرفتها العالم وغيره، والصغير، والكبير. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى وجوب تجويد القرآن، معرفة أوقافه، ومايناسبه، ج: ٤، ص: ١٦١، ط، ادارة القرآن الاسلامية كراتشى)

(۳۳):(سنن الدار قطنى، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمٰن الرحيم، ج: ١، ص: ٦٤١، رقم: ١١٦٠، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

وہاں آیت نہیں ہے اور بعض کے نزدیک وہاں آیت ہے پس وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے بعض مرتبہ وہاں وقف کیا۔ بعض مرتبہ نہیں کیا تو جن لوگوں نے پہلے وہاں وقف سن لیا تھا وہ آیت کے قائل ہوئے اور جن کو پہلے سے یہ علم نہ ہوا تھا انہوں نے وہاں نہ ٹھہرائی۔ چنانچہ اتقان صفحہ ۹۶ میں ہے **وقال غيره سبب الاختلاف في عدد الاسمى ان النبي ﷺ كان يقف على رؤس الايات للتوقيف فاذا علم فخليها وصل للتمام فيحسب السامع انها ليست فاصلة (۳۴) انتهٰى والله اعلم بالصواب** الحاصل جواب مجیب کو اور تصحیح اس کے اتباع کی سراسر بے جا ہے اور طعن ناموزوں جماعۃ وتابعین پر واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ فقط



علامات ط اور لا پر ٹھہرے یا نہ ٹھہرے

سوال:

جو کہ قرآن شریف میں (ط) علامت مطلق کی ہے اگر مطلق پر نہ ٹھہرے تو گنہگار ہوتا ہے یا نہیں اور لا آیت کا کیا حکم ہے؟ اس پر ٹھہرے یا نہ ٹھہرے للہ ان مسئلوں کو بہت جلد زیب قلم فرما کر مزین بمہر فرماویں۔ بینوا وتوجروا

جواب:

(ط) پر اگر وقف نہ کرے تو گناہ نہیں ہوتا اور (لا) پر بھی وقف نہ کرے اگر کیا تو گناہ نہیں ہوتا (۳۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۳۴): (الاتقان في علوم القرآن، النوع التاسع عشر: في عدد سورة وآياته وكلماته وحروفه، فصل في عد الآي، ص: ۴۳۳، ۴۳۴)

(۳۵): عن القاسم بن عوف البكري قال: سمعت عبدالله بن عمر رضي الله

کسی مقتدی کو جماعت میں شریک نہ ہونے پر امام کا قرأت مختصر کرنا

﴿سوال﴾:

باوجود ہونے معمولی وقت کے اگر کسی مقتدی کو دیکھ کر بایں خیال کہ یہ مقتدی جماعت میں شامل نہ ہو فجر کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس پڑھے تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر امام فی الواقع مخالفت مقتدی کی وجہ سے اور غرض فاسد سے چھوٹی قرأت پڑھتا

تعالی عنه يقول: لقد عشنا برهة من دهرنا، وان أحدنا ليؤتى الايمان قبل القرآن، وتنزل السورة على محمد ﷺ، فنتعلم حلالها وحرامها، وما ينبغي أن يوقف عنده منها، كما تتعلمون أنتم القرآن اليوم ولقد رأينا اليوم رجالاً يأتي أحدهم القرآن قبل الايمان، فيقرأ ما بين فاتحته الى خاتمته مايدرى ما أمره، ولازجره، ولا ما ينبغي أن يوقف عنده منه. أخرجه النحاس واحتج به هو، وابن الجزرى، كما فى الاتقان[١ :٨٨]، ورجاله كلهم ثقات الا الأنبارى فلم أجد من ترجمه. وأخرجه الطبرانى فى الأوسط ورجاله رجال الصحيح، كذا فى مجمع الزوائد [١ :٦٦]. واخرجه الحاكم فى المستدرك [١ :٣٥]، وصححه بهٰذا السند سوى الأنبارى، وأقره عليه الذهبى، وقال: على شرطهما، ولاعلة له اهـ. وقال العلامة العثمانیؒ تحت هٰذا الحديث: قلت: والحديث نص فى ثبوت الوقف فى أوساط الآيات، وأن ذلك اجماع من الصحابة، فانه هو الذى تمس الحاجة الى تعليمه وتعلمه دون الوقف على رؤس الآى، فان الآيات فى أنفسها مقاطع يستوى فى معرفتها العالم وغيره، والصغير، والكبير. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى وجوب تجويد القرآن، معرفة أوقافه، ومايناسبه، ج: ۴،ص: ١٢١، ط، ادارة القرآن الاسلامية كراتشى)

ہے تو گنہگار ہے۔ اور اگر غرض صحیح ہے تو کچھ حرج نہیں اور کوئی کراہت نہیں (۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم



ملفوظ

﴿۱﴾ ط کی علامت بمنزلہ آیت کے نہیں ہے بلکہ آیت تو وہی ہے جہاں ہ ہے۔ خواہ اس پر (لا) ہو یا کچھ اور ہو ٹھہرنا نہ ٹھہرنا یہ اور امر ہے آیت پر (لا) ہو تو ٹھہرنا نہ چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۳۶): فی الدرالمختار: وکره تحريماً اطالة ركوع أو قراءة لادراک الجائی ان عرفه والا فلا بأس به.

وفی الشامية تحته: قوله: (والا فلا بأس) أی وان لم يعرفه فلابأس به لأنه اعانة على الطاعة، لكن يطول مقدار مالايثقل على القوم. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی اطالة الركوع للجائی، ج: ۲، ص: ۱۹۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

باب کن امور سے نماز میں کراہت آتی ہے اور کن سے نہیں

نمازی کے آگے جوتیوں کا رکھنا

﴿سوال﴾:
نمازی کے روبرو جوتیوں کا موجود رہنا کہ جو مستعمل ہوں موجب کراہت نماز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
مصلیٰ کے آگے اگر جوتہ مستعمل رکھا رہے اس کی کوئی کراہت منقول نہیں لہٰذا کچھ حرج نہیں (۱)۔



آمین بالجہر نماز میں حرام ہے یا بدعت

﴿سوال﴾:
آمین بالجہر کہنا نماز میں حرام اور بدعت عندالحنفیہ ہے یا نہیں اور ہم لوگ آمین بالجہر

(۱):عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول اللهﷺ قال: اذا صلی أحدكم فلايضع نعليه عن يمينه، ولاعن يساره فتكون عن يمين غيره، الا أن لايكون عن يساره أحد، وليضعهما بين رجليه. وفی البذل تحت هذا الحديث: (الا أن لايكون عن يساره أحد) أی فيجوز حينئذ أن يضعهما عن يساره (وليضعها بين رجليه) اذا كان عن يساره أحد، ولعل الفرجة التی بين رجليه أو الفرجة التی قدام الركبتين. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب المصلی اذا خلع نعليه، اين يضعهما؟، ج: ۳، ص: ۲۰۰، ۲۰۱، رقم: ۶۵۲، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

نماز میں کہنے والوں کو مسجد سے نکال باہر کردیں یا نہیں اور اگر ہم لوگ ان پر نکیر نہ کریں تو کچھ گناہ تو نہ ہوگا یا ہم لوگ گنہگار ہوں گے اور جماعت میں ان کے آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے سے ہماری نماز میں کس قدر نقصان واقع ہوگا۔ ہماری نماز بالکل جاتی رہے گی یا مکروہ ہوگی۔فقط بینوا بالکتاب توجروا بیوم الحساب بمہر ودستخط بواپسی ڈاک فقط۔

﴿جواب﴾:

آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام رفع یدین یہ امور سب خلاف بین الائمہ ہیں (۲)

---

(۲):فی البذل: وهذه مسألة اختلف فيها العلماء من الصحابة والتابعين وفقهاء المسلمين، فقالت: الحنفية ومن وافقهم: انه لايقرأ خلف الامام لا فی السرية ولا فی الجهرية.(بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد،كتاب الصلاة، باب من ترک القراءة فی صلاته، ج: ۴، ص: ۲۳۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

و فی العمدة: وقال الثوری والأوزاعی فی رواية، وأبو حنيفة وأبو يوسف و محمد وأحمد فی رواية، وعبدالله ابن وهب وأشهب: لايقرأ المؤتم شيئاً من القرآن ولابفاتحة الكتاب فی شئ من الصلوات، وهو قول ابن الميسب فی جماعة من التابعين. (عمدة القاری، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی الصلوات كلها فی الحضر والسفر ومايجهر ومايخافت، ج: ۶، ص: ۱۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قرأة خلف الامام کے مسئلے کے بارے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد،كتاب الصلاة، باب من ترک القراءة فی صلاته، ج: ۴، ص: ۲۳۰، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان/وعمدة القاری، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی الصلوات كلها فی الحضر والسفر ومايجهر ومايخافت، ج: ۶، ص: ۱۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ وأوجز المسالک الی موطأ مالک، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الامام فيما لايجهر

اور اگر کوئی شخص ہوائے نفسانی اور ضد سے خالی ہو اور محض محبت سنت کی وجہ سے یہ امور کرتا ہو تو اس پر کوئی طعن و تشنیع اور الزام دہی درست نہیں ہے اور اگر محض حنفیہ کی ضد میں ایسا کریں تو

فيه بالقراء ة، ج: ٢، ص: ١٦٦، ط، دار القلم دمشق)

وفي الأوجز: وقال الأئمة الثلاثة بتأمين الامام، الا أنهم اختلفوا في الجهر بعد اتفاقهم على أنه لايجهر بها في السرية، فقال الحنفية: لايجهر في الجهرية أيضاً، وكذا عند المالكية كما في الباجي، وقال الشافعي وأحمد: يجهر بها في الجهرية، وفي السعاية قال الشافعي في الجديد: ان المنفرد والامام والمأموم كل منهم يسر بآمين جهرية كانت الصلاة أو سرية. (أوجز المسالك الى موطأ مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التأمين خلف الامام، ج: ٢، ص: ١٩٢، ط، دار القلم دمشق)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(اعلاء السنن ، كتاب الصلوة، باب ماجاء في سنية التأمين والاخفاء بها، ج: ٢، ص: ٢٤٧تا ٢٥١،ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي/ ومعارف السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التأمين، ج: ٢، ص: ٣٩٧، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشي/ وعمدة القاري، كتاب الأذان، باب جهر الامام بالتامين، ج: ٦، ص: ٧٣، ٧٤، ٧٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي البذل: وأما رفع اليدين عند الركوع والرفع منه، فاختلف فيه السلف والخلف، قال الترمذي في "باب رفع اليدين عند الركوع" بعد تخريج حديث الرفع: وبهذا يقول بعض أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ، منهم: ابن عمر وجابربن عبدالله وأبو هريرة وأنس وابن عباس وعبدالله بن زبير وغيرهم، ومن التابعين: الحسن البصري وعطاء وطاوس ومجاهد ونافع وسالم بن عبدالله وسعيد بن جبير وغيرهم، وبه يقول عبدالله بن المبارك والشافعي وأحمد واسحاق.

ثم قال بعد تخريج حديث ترك الرفع: وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين، وهو قول سفيان وأهل الكوفة.

قال العيني في "شرحه على البخاري" وعند أبي حنيفة وأصحابه لايرفع يديه

سخت گنہگار ہیں۔ بہر حال ان لوگوں کے ان امور کو کرنے سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خرابی ونقصان نہیں آتا اور مفصل بحث اس کی بندہ نے سبیل الرشاد اور ہدایت المبتدی وغیرہ میں لکھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



آمین بالجہر سے نماز میں فساد ہوتا ہے یا نہیں

سوال:

غیر مذہب کے ہمراہ شامل صف نماز ہو کر کسی شخص کا پکار کر آمین کہنا ہمارے واسطے موجب فساد نماز یا کراہت نماز ہے یا نہیں اگر اس کا آمین کہنا ہمارے واسطے موجب فساد نماز یا باعث کراہت ہے تو یہ حنفی مذہب کی کون سی معتبر کتاب میں لکھا ہے۔ بینوا وتوجروا

جواب:

آمین بالجہر سے کہنا غیر مذہب کا مذہب حنفی والے کو مفسد نماز ہے نہ موجب کراہت کیونکہ فعل ایک مصلّٰی کا دوسرے مصلّٰی کی طرف مفضی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی ۲۸ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ غفر رحیم فہو مسعود۔

بلکہ اگر آمین کے جہر کرنے میں امام قرأت بھول جاوے تو کراہت اس کی مجاہر پر نہ ہوگی۔ كتبه محمد يعقوب دهلوى صحيح الجواب بلاارتياب حرره محمد عبدالحق عنده ذلك كذلك محمد اسماعيل فانه الجليل الدليل والجواب المذكور صحيح ان كان المقصود اتباع السنة والافالافضل

الا فى التكبيرة الأولى، وبه قال الثورى والنخعى وابن أبى ليلى وعاصم بن كليب وزفر، وهو رواية ابن القاسم عن مالك، وهو المشهور من مذهبه والمعمول عند أصحابه. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب رفع اليدين، ج: ۴، ص: ۱۰، ۱۱، رقم: ۷۱۹، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

عندی الامتناع واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

صحیح الجواب دار دشفاعت از محمد یعقوب۔ محمد یوسف عبدہ ۱۲۸۴۔ الجواب صحیح سید حسن شاہ۔ الجواب صحیح از منصور علی احمد ہست۔ بلاشبہ جواب ثانی بھی صحیح ہے نظام الدین۔ محمد عبدالرب۔ محمد اسماعیل انصاری مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلوی۔ اکبر علی خاں ولد رحم علی خاں۔ قبہ اسمہ احمد بالعا۔ مولانا سراج احمد صاحب محدث خورجوی۔ محمد عبدالقادر ۲۸۷۔ خدابا وہاشم بنام محمد میرٹھی۔ امام فن مناظرہ اہل الکتاب سید ناصر الدین محمد ابوالمنصور ۱۲۹۱ھ۔ لاریب فی ہذا الجواب الجواب صحیح محمد نور اللہ عفی عنہ۔ محمد کرامت اللہ ۱۲۹۲۔ محمد فضل احمد۔ من اجاب فقد اصاب عبداللطیف عفی عنہ مقیم میرٹھ۔ اصاب عندی من اجاب بندہ عبداللہ گلاوٹھوی عفی عنہ۔ عبداللہ۔

میرے نزدیک تو اگر خود حنفی بھی آمین بالجہر کہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی نہ کہ دوسرا شخص کہے اور حنفی کی نماز فاسد ہوجائے حق یہ ہے کہ جہر واخفاء دونوں فعل مسنون ہیں ائمہ حنفیہ کو جواز جہر میں خلاف نہیں ہے صرف اولویت میں خلاف ہے چنانچہ حنفیہ اخفاء کو اولیٰ سمجھتے ہیں اور ائمہ جہر کو(۳)۔ پس سائل کو اپنی نماز کے فساد کا کیا معنی کراہیت کا بھی شبہ نہ

(۳):فی الفتح: وقال مالک: یؤمن المقتدی فقط سراً، ھکذا مروی عن أبی حنیفة فی موطأ محمد، والروایة الثانیة عن أبی حنیفة ۔ وھو مختار صاحبیہ ۔ أن یأتی بہ الامام والمقتدی سراً، والقول القدیم للشافعی أن یجھر الامام ویسر القوم، وفی الجدید جھر ھما بہ، وبہ قال أحمد بن حنبل، ولم أجد تصریح الجھر عن الموالک بل صرح فی المدونة بالاخفاء. وأما السلف الصالحون فالی الطرفین، والأکثر ھو الاخفاء عند السلف، ذکرہ فی الجوھر النقی عن ابن جریر الطبری: فکان ھو السنة والجھر جائزاً غیر سنة. (موسوعة فتح الملھم بشرح صحیح الامام مسلم، کتاب الصلاة، باب التسمیع والتحمید والتأمین، ج: ۳، ص: ۳۳۴، ۳۳۵، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی اعلاء السنن: قال الطبری: وروی ذلک عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ محمد اسماعیل عفا اللہ عنہ ساکن کول۔ محمد اسماعیل۔
الجواب صحیح خلیل احمد عفی عنہ انبہٹوی۔ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ دیوبندی الٰہی عاقبت محمود گرادن ۱۲۹۹ھ۔ الجواب صحیح عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند وتوکل علی العزیز الرحمٰن۔ الجواب صحیح رشید احمد عفی عنہ گنگوہی۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔
جواب المجیب حق والحق احق ان یتبع المتقارم الباری عبداللہ الانصاری۔ ہذا الجواب یجوب ریب المرتاب محمد حسین عفی عنہ۔ ابو یحییٰ محمد ۱۳۱۳ھ۔ الجواب حق علی احمد عفی عنہ سنبھلی۔
جملہ جوابات مجیبین کے صحیح ہیں لیکن مولوی محمد اسماعیل صاحب انصاری مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم کا تحریر فرمانا خلاف شان علماء کے ہے کیونکہ جب ایک امر حدیث سے سنت ثابت ہو چکا پھر اس کے عامل پر الزام نفسانیت کس طرح ہوسکتا ہے نماز میں کسی قسم کی خرابی جب واقع ہوتی ہے کہ خلاف امر مشروع نماز میں کیا جاوے اور آمین بالجہر کے جواز کے تو علمائے حنفیہ بھی قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ والظہر

وروی عن النخعي والشعبي وابراهيم التيمي: كانوا يخفون "بآمين" والصواب أن الخبرين بالجهر والمخافتة صحيحان وعمل بكل من فعليه جماعة من العلماء وان كنت مختاراً خفض الصوت بها اذ كان أكثر الصحابة والتابعين رضي الله عنهم على ذلك اهـ. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء في سنية التأمين والاخفاء بها، ج: ۲، ص: ۲۵۵، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)
وفي معارف السنن: وقد ذهب السلف الى القولين غير ان أكثر الصحابة والتابعين على الاخفاء كما ذكره صاحب الجوهر النقي [۱: ۱۳۲]، وذكر أن عمر وعلياً لم يكونا يجهران بآمين.....فكان الاخفاء هو السنة والجهر جائز غير سنة. ...قال ابن القيم في "الهدى": وهذا ـ أي الجهر ـ للتعليم أيضاً جهر الامام بالتأمين، وهذا من الاختلاف المباح الذي لايعنف فيه من فعله ولامن تركه اهـ. (معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التأمين، ج: ۲، ص: ۳۹۷، ۳۹۸، ط، ايجو كيشنل بريس كراتشي)

الحمل علی کلا المعنین. اورمولانا عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں۔ والانصاف ان الجھر قوی من حیث الدلیل. اورشیخ ابن ہمام لکھتے ہیں۔ لو کان الی فی ھذا شیء توفقت بینھما ان یراد براویة الحفض عدم الفزاع العنیف وبروایة الجھر بمعنی زیرا لصوت وذیلھا.

اور نیز علمائے دیگر بھی قائل ہیں مانندان کے مولانا بحر العلوم عبدالعلی ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں کہ درباب آہستہ گفتن ہیچ دارد نہ شدہ مگر حدیثے ضعیف اور مولانا سلامت اللہ صاحب حنفی بھی قائل ہیں۔ چنانچہ شرح المؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے بروایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے حررہ عبدالصمد حنفی متوطن کوٹھاؤلی ضلع بلند شہر مورخہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ ہوالمصیب۔ کسی دوسرے شخص کا زور سے آمین کہنا احناف کے واسطے نہ موجب فساد ہے نہ کراہت احناف اور غیر احناف میں جو کچھ اس بارہ میں اختلاف ہے وہ محض اولویت وعدم اولویت کا ہے اس سے فساد کسی کا مذہب نہیں زمانہ صحابہ سے لے کر آج تک یہ تعامل چلا آتا ہے کہ دونوں فریق ایک جگہ نماز پڑھتے رہے البتہ سب وشتم اور لعن وطعن باہم نہ چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبداللطیف عفی عنہ از دفتر ندوۃ العلماء کانپور ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۱۴ھ۔ الجواب صحیح محمد مجتبیٰ حسن عفی عنہ۔

مہر ندوۃ العلماء۔

الجواب صحیح عبدالرحمٰن پشاوری۔ الجواب صواب مومن عفی عنہ دیوبندی۔ صح الجواب حررہ الفقیر عبدالحیٔ اصلح اللہ لہٗ۔ صح الجواب خادم الفقراء والعلماء ابو بکر علی احمد محمود اللہ شاہ الحنفی البدایونی۔ الجواب صحیح العبد احقر العباد عبدالقیوم گڈھ یکٹسری واعظ علی گڑھ۔

چونکہ آمین بالجہر پر تعامل صحابہ کبار رہا ہے اس لئے آمین بالجہر کہنے والوں پر سب وشتم کرنا درپردہ صحابہ پر معترض ہونا ہے اور یہ بالاتفاق ممنوع ہے فعل صحابہ سے کسی صحابی کے فعل کا اقتداء سنت ہے۔ کما قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم بایدیھم

اقتدیتم اهتدیتم (۴) و اللّٰہ اعلم بالصواب. بندہ محمد محسن عفی عنہ۔محمد حسن میرٹھی۔

جو شخص اہل حدیث ہو اور وہ شریک جماعت احناف ہو اس کا آمین کہنا مفسد نماز احناف ہرگز نہیں یہ اختلاف اولویت میں ہے واللہ اعلم کتبہ محمد ریاض الدین مدرس مدرسہ عالیہ میرٹھ زید کے آمین بالجہر کہنے سے عمر کی نماز نہ فاسد ہوگی۔نہ مکروہ ہوگی۔

عبداللہ خان۔محمد ریاض الدین احمد۔مدرس مدرسہ اسلامیہ شہر میرٹھ بالائی کوٹ۔

آمین بالجہر سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نہ مکروہ ہوتی ہے۔غلط بیان کرتا ہے جو کہتا ہے کہ آمین بالجہر سے دوسرے کی نماز فاسد ہو جاتی ہے یا مکروہ احمد علی عفی عنہ مدرس مدرسہ میرٹھ اندرکوٹ۔

آمین بالجہر کہنے سے آمین بالخفاء کہنے والوں کی نماز میں کسی طرح کا فساد نہیں ہے۔ حررہ محمد رمضان عفی عنہ مفتی واعظ جامع مسجد آگرہ۔



ریشمی کپڑے سے نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

ریشمی پارچہ سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

ریشمی کپڑے سے نماز ہو جاتی ہے مگر سخت گنہگار ہوتا ہے اور عورت کو کچھ مضائقہ نہیں ہے (۵)۔فقط



---

(۴):(مشكوٰة المصابيح، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ص: ۵۵۴، ط، قديمی كتب خانه كراتشی)

(۵):في البحر: أطلق فيما يستر به فشمل ما يباح لبسه وما لا يباح، فلو

نماز میں آنکھیں بند کرنا

﴿سوال﴾:

مسئلہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے کہ نماز اندھیرے میں پڑھے یا آنکھیں بند کرلیا کرے تاکہ نظر منتشر نہ ہو اور حضور قلب میسر ہو۔ لہٰذا عرض ہے کہ شرع کا مسئلہ ہے کہ آنکھیں بند کرنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے اور جہاں سجدہ کی جگہ نہ دیکھے وہ بھی نماز مکروہ ہوگی۔ لہٰذا اگر واسطے حضور قلب کے آنکھیں بند کرکے نماز پڑھے تو حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں اور نماز تہجد و وتر تو ہمیشہ اندھیرے میں پڑھتا ہوں اور آج کل چونکہ اندر مکان میں سوتا ہوں تو سنتیں فجر کی اندھیرے میں پڑھتا ہوں۔ لہٰذا سجدہ کی جگہ نہ دیکھنے کا کیا مطلب ہے؟

﴿جواب﴾:

بہ نیت خشوع وبقصد وخطرات وساوس اگر نماز میں آنکھیں بند کرے تو کراہت نہ ہوگی (۲) ایسے ہی ضرورت کے وقت معروف جگہ پر جہاں جہت قبلہ بھی مشتبہ نہ ہو اور نہ کوئی

سترها بثوب حرير وصلى صحت وأثم كالصلاة في الأرض المغصوبة، ولو لم يجد غيره يصلي فيه لاعرياناً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج: ۱، ص: ۴۶۷، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ج: ۲، ص: ۷۵، ط، دار عالم الكتب رياض)

عن عبدالله بن زرير يعني الغافقي، أنه سمع علي بن ابي طالب يقول: ان نبي الله ﷺ أخذ حريراً، فجعله في يمينه، وأخذ ذهباً فجعله في شماله، ثم قال: ان هٰذين حرام على ذكور امتي. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في الحرير للنساء، ص: ۵۷۲، رقم: ۴۰۵۷، ط، دار السلام رياض)

(۲):في الدر المختار: وتغميض عينيه للنهي الا لكمال الخشوع.

اندیشہ ہو نماز درست ہے(۷)۔فقط



نماز سے پہلے نماز میں سورتیں پڑھنے کا تعین کر لینا

﴿سوال﴾:

اگر قبل نماز پڑھنے تعین کر لے کہ فلاں فلاں سورۃ پڑھوں گا خواہ مقتدی ہو یا امام

وفی الشامية تحته: قوله: (للنهی) أی فی حديث: اذا قام أحدكم فی الصلاة فلايغمض عينيه. رواه ابن عدی، الا أن فی سنده من ضعف، وعلل فی البدائع بأن السنة أن يرمی ببصره الی موضع سجوده، وفی التغميض تركها. ثم الظاهر أن الكراهة تنزيهية، كذا فی الحلية والبحر،..... قوله: (الا لكمال الخشوع) بأن فات فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر فلايكره. (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد ومايكره فيها، ج: ۲، ص: ۴۱۳، ۴۱۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا فی النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ج: ۱، ص: ۲۸۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الابحر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ج: ۱، ص: ۱۸۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۷):عن عائشة قالت: كنت أنام بين يدی رسول الله ﷺ، ورجلای فی قبلته، فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی، واذا قام بسطتهما، قالت: والبيوت يومئذ ليس فيها مصابيح. (رواه مسلم، كتاب الصلاة، باب الاعتراض بين يدی المصلی، ص: ۲۱۰، رقم: ۱۱۴۵، ط، دار السلام رياض)

وفی الهندية: رجل صلی فی المسجد فی ليلة مظلمة بالتحری، فتبين أنه صلی الی غير القبلة، جازت صلوته، لأنه ليس عليه أن يقرع أبواب الناس للسؤال عن القبلة. (الفتاوی العالمكيرية، الباب الثالث فی استقبال القبلة، ج: ۱، ص: ۶۴)

درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اس خیال اور تعین سے نماز میں کوئی نقصان اور خرابی نہیں آتی اور اگر پھر اس قرارداد کے موافق نہ پڑھے اور کچھ پڑھ لے تب بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



دھوبی کے یہاں بدلے ہوئے کپڑے سے نماز

﴿سوال﴾:

کپڑا دھوبی کے یہاں بدل جاوے تو اس سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر اس کا کپڑا اس شخص کے پاس پہنچ گیا ہے اور قیمت میں چنداں تفاوت نہیں ہے تو اس کا استعمال مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ کپڑا اس شخص کا دھوبی نے رکھ لیا ہے یا کھو دیا اور دوسرے کا کپڑا اس کو دے دیا تو ایسی صورت میں اس کا استعمال ہرگز درست نہیں (۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۸): وعن أبی حرة الرقاشی، عن عمه، قال: قال رسول اللہ ﷺ: ألا لاتظلموا، ألا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه. رواہ البیهقی فی شعب الایمان، والدار قطنی فی المجتبیٰ. وفی المرقات تحت هٰذا الحدیث: (لایحل مال امرئ) أی مسلم أو ذمی (الا بطیب نفس) أی بأمر أو رضا. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ج: ٦، ص: ۱۳۴، ۱۳۵، رقم: ۲۹۴٦، ط، دار الکتب ریاض)

سرخ استر کے کپڑے سے نماز

﴿سوال﴾:

سرخ استر سے نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

سرخ رنگ مرد کو علی الاصح درست ہے۔ کسم کا رنگ البتہ مرد کو حرام ہے(۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



نمازی کے سامنے قرآن شریف کا ہونا

﴿سوال﴾:

(۹):قال العلامة الشاه عبدالعزیز نور اللّٰه مرقده: درلبس احمر در اصل یکے از علماء روم تصنیف کرده بود و حضرت شیخ ابو طاهر کردیؒ حضرت ولی نعمة ما را فرموده بودند که آنرا مطالعه نمایند وبران چیزے بنویسنده ایشان بعد مطالعه بطریق حاشیه چیزے بر ان رساله نوشته اند همین حاشیه در فهرست مولفات ایشان داخل است ودرین باب مختار آنست که هر احمر حرام نیست بلکه معصفر فقط وآن هم چون بحدمورد مفرح واحمرقانی باشد ومراتبیکه دون مورد اند مثل شنجرفی وپیازی وغیره ذلک مباح اند وبانات سرخ که آنرا عربان احمر گویند بالاجماع جائز است وهمچنین کهاروا او ازهمین جا معلوم میشود که مدار برشوخی رنگ است نه بر حمرة. (فتاوی عزیزی، بیان مسئله لباس سُرخ، ج: ۱، ص: ۱۲۲)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس، ج: ۹، ص: ۵۱۵، ۵۱۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

اگر قرآن شریف پڑھ کر سامنے رکھ دے اور پھر نماز پڑھے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز میں کراہت آجاتی ہے۔

﴿جواب﴾:

اگر آگے قرآن شریف رکھا ہو تو نماز میں کوئی حرج نہیں ہے (۱۰)۔ فقط



نماز کی نیت توڑنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور وہ انگوٹھی چاندی کی یا روپیہ غسل خانہ میں بھول آیا۔ نماز پڑھنے کی حالت میں یاد آیا۔ اب وہ کیا کرے، نماز توڑ کر لا دے یا نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مجھ کو گم شدہ چیز مل جائے گی؟

﴿جواب﴾:

(۱۰):في البحر: لايكره أن يصلي وأمامه مصحف أو سيف، سواء كان معلقاً أو بين يديه. أما المصحف فلأن في تقديمه تعظيمه و تعظيمه عبادة والاستخفاف به كفر فانضمت هذه العبادة الى عبادة أخرى فلاكراهة، ومن قال بالكراهة اذا كان معلقاً معللاً بأنه تشبه بأهل الكتاب مردود لأن الكتاب يفعلونه للقراءة منه وليس كلامنا فيه. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ج: ۲، ص: ۵۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ج: ۲، ص: ۴۲۳، ط، دار عالم الكتب رياض/ والفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي ومالايكره، ج: ۲، ص: ۲۱۰، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

اگر احتمال گم ہونے اور نہ ملنے کا غالب ہے تو نماز کو توڑ کر لانا جائز ہے (۱۱) ورنہ نماز کو تمام کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



جلسہ اور قومہ کی دعائیں

﴿سوال﴾:

جلسے اور قومے میں یہ الفاظ کہنا فرائض ہوں یا نوافل جائز ہے یا نہیں۔ اللّٰھم اغفر لی وارحمنی واھدنی وارزقنی وارفعنی واجبرنی جلسے میں اور قومے میں ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه.

﴿جواب﴾:

یہ کلمات فرض نفل سب میں درست ہیں مگر امام کو فرائض میں نہ کہنا چاہیے کہ مقتدیوں پر تطویل صلوٰۃ کی کلفت ہوتی ہے (۱۲) تنہا ہو تو کہے کہ نماز میں اذکار مسنونہ اولیٰ

---

(۱۱):رجل قام الی الصلاة فسرق منه شيء قيمته درهم له أن يقطع الصلاة ويطلب السارق سواء كانت فريضة أو تطوعاً لان الدرهم مال. (الفتاوی العالمكيرية، ج: ۱، ص: ۱۰۹)

(وكذا فی الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، ج: ۱، ص: ۱۸۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی غنية المستملی فی شرح منية المصلی، كراهية الصلاة، ص: ۳۵۴)

(۱۲):عن أبی هريرة، قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: اذا صلی احدكم للناس فليخفف، فان فيهم السقيم والضعيف والكبير. واذا صلی أحدكم لنفسه فليطول ماشاء. متفق عليه.(مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب ماعلی الامام، الفصل

ہیں (۱۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بلاعمامہ کے نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

سرور عالم ﷺ سے کبھی بلاعمامہ کے بھی نماز پڑھنا ثابت ہے یانہیں اور حضور نے کبھی بلاعذر نماز بلاجماعت بھی پڑھی ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

اس کا صریح ثبوت اس وقت بندہ کو معلوم نہیں مگر احرام کی حالت میں سر برہنہ نماز پڑھنا محقق ہے۔علی ہذا نماز فرض مرض موت میں بلاجماعت پڑھی ہے (۱۴) ورنہ جماعت

الاول، ص: ۱۰۱، ط، قدیمی کتب خانہ کراتشی)

(۱۳):وعن سعید بن جبیر، عن ابن عباس: ان النبی ﷺ كان يقول بين السجدتين: اللّٰهم اغفر لى وارحمنى واجبرنى واهدنى وارزقنى. (رواه الترمذى، كتاب الصلاة، باب مايقول بين السجدتين، ص: ۷۷، رقم: ۲۸۴، ط، دار السلام رياض)

وفى الدرالمحتار: وكذا لايأتى فى ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب، وما ورد محمول على النفل اهـ. وفى رد المحتار: وقال (أى صاحب الحلية): على أنه ان ثبت فى المكتوبة فليكن فى حالة الانفراد، والجماعة والمأمون محصورون لايثقلون بذلك، كما نص عليه الشافعيه، ولاضرر فى التزامه وان لم يصرح به مشائخنا، فان القواعد الشرعية لاتبنو عنه، كيف والصلاة والتسبيح والتكبير والقراءة كما ثبت فى السنة اهـ. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۱۲، ۲۱۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۴):عن عبداللّٰه بن عمر: أن رجلاً قال: يا رسول اللّٰه ﷺ، مايلبس

سے ہی پڑھتے تھے۔



بلا عمامہ کی نماز کا حکم

﴿سوال﴾:

کیا فتاوی عالمگیری اور قاضی خان میں نماز بلا عمامہ کو مکروہ لکھا ہے؟

المحرم من الثياب؟ قال رسول الله: لايلبس القمص ولا العمائم ولا السراويلات ولا البرانس ولا الخفاف، الا أحد لايجد نعلين فليلبس خفين وليقطعهما أسفل من الكعبين، ولاتلبسوا من الثياب شيئا مسه زعفران أو ورس. وفى منحة الملك الجليل تحت هٰذا الحديث: وقوله: "ولا العمائم" جمع عمامة، وهى ما يشد بها الرأس، وهٰذا تنبيه بالمنع من ستر الرأس فالرجل المحرم لايستر رأسه بالعمامة أو بغيرها كالعقال مثلا أو سير يشده علىٰ رأسه فكل هٰذا ممنوع.(منحة الملك الجليل شرح صحيح محمد بن اسماعيل، كتاب الحج، باب مالايلبس المحرم من الثياب، ج: ۳، ص: ۶۶۳، رقم: ۱۴۷۷، ط، دار التوحيد رياض)

عن ابن شهاب قال: أخبرنى انس بن مالكؓ، ان ابابكرؓ كان يصلى لهم فى وجع رسول الله ﷺ الذى توفى فيه، حتى اذا كان يوم الاثنين، وهم صفوف فى الصلاة، كشف رسول الله ﷺ ستر الحجرة، فنظر الينا وهو قائم، كأن وجهه ورقة مصحف، ثم تبسم رسول الله ﷺ ضاحكاً. قال فبهتنا ونحن فى الصلاة، من فرح بخروج النبى ﷺ ونكص ابو بكرؓ علىٰ عقبيه ليصل الصف، وظن ان رسول الله ﷺ خارج للصلاة، فأشار اليهم رسول الله ﷺ بيده أن أتموا صلاتكم، قال ثم دخل رسول الله ﷺ، فأرخى الستر، قال: فتوفى رسول الله ﷺ من يومه ذلك. (رواه مسلم، كتاب الصلاة، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر من مرض وسفر وغيرهما.الخ.، ص: ۱۷۶، رقم: ۹۴۴، ط، دار السلام رياض)

﴿جواب﴾:
کسی نے بلاعمامہ نماز کومکروہ نہیں کہا اگر کہا تو وہ قول مأوّل ہے۔تبرک ندب ورنہ مردود ہوگا(۱۵)۔فقط



بلاعمامہ کے نماز پڑھانا

﴿سوال﴾:
اگر بلاعمامہ نماز پڑھاوے تو کیا نماز مکروہ ہوگی تنزیہی یا تحریمی کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیشہ نماز عمامہ سے پڑھائی ہے صرف ٹوپی کو سر مبارک پر زیب نہیں بخشا؟

﴿جواب﴾:
صلوٰۃ بلاعمامہ مکروہ نہیں نہ تحریمہ نہ تنزیہ البتہ ترک افضل ہے(۱۶) فقط واللہ تعالیٰ

(۱۵):قال العلامة عبدالحی اللکنوی نوراللّٰہ مرقدہٗ: وقد سئلت غیر مرة عن الصلاة بغیر عمامة هل تکره، کما هو المشهور بین العوام فتجسسته فی کتب الفقه، فلم اجد سوی قولهم: المستحب ان یصلی فی ثلاثة اثواب، ازار و قمیص وعمامة، وهو لایدل علی کراهة الصحة بدونها کما حرره بعض علماء عصرنا ظانا ان ترک المستحب مکروه، وذلک لانه قد صرح فی البحر الرائق وغیره ان المستحب لا تلزم منه الکراهة مالم یقم دلیل خارجی علیه. (نفع المفتی والسائل، ذکر المکروهات المتفرقه، ص: ۱۱۲، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

(۱۶):وقد ذکروا ان المستحب ان یصلی فی قمیص وازار و عمامة ولا یکره الاکتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بین العوام من کراهته ذلک وکذاما اشتهر ان المؤتم لوکان معتما لعمامة والامام مکتفیا علی قلنسوة یکره. (عمدةالرعایة فی حل شرح الوقایه، ج:۱، ص:۱۹۸، ط، میر محمد کتب خانه کراتشی)

اعلم۔آپ کے سر مبارک پر گاہ کلاہ بلا عمامہ بھی ثابت ہوتی ہے(۱۷)۔



بغیر عمامہ کے نماز پڑھانے والے سے جنگ کرنا

﴿سوال﴾:

جو شخص تارک عمامہ سے جنگ وجدل کرے اور عمامہ کو ضروری جانے وہ کیسا ہے حالانکہ تارک عمامہ اولویت کا نماز کے اندر قائل ہے اور جہاں امام دستار بند نماز نہ پڑھاتا

---

(۱۷):وقال ابن القیم فی زاد المعاد: وکان یلبسها یعنی العمامة ویلبس تحتها القلنسوة وکان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة. انتہٰی. وفی الجامع الصغیر بروایة طبرانی عن ابن عمرؓ قال کان یلبس قلنسوة بیضاء .قال العزیزی: اسناده حسن وفیه بروایة الرویانی وابن عسا کرعن ابن عباس: کان یلبس القلانس تحت العمائم و بغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر قلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة وهن البیض المضربة و یلبس القلانس ذوات الآذان فی الحرب وکان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه وهو یصلی.الحدیث. (تحفة الاحوذی، کتاب اللباس، ص:۴۸۳، ج: ۵، ط، دار الفکر)

قال رحمه اللّٰه (ولا بأس یلبس القلانس) لماروی ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان له قلانس یلبسها وقد صح ذلک، ذکره فی الذخیره. (تکلمة البحر الرائق ، مسائل شتی، ص:۳۶۲، ج: ۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وذکر فیه ایضاً :انه لا بأس یلبس القلانس، فقد صح انه کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قلانس یلبسها.(فتاوی تاتا رخانیه ، کتاب الکراهیة، الفصل العاشر فی اللبس مایکره من ذلک وما لایکره، ص:۱۰۶، ج:۱۸، مکتبه زکریا دیوبند/ وفتاوی عالمکیریه ، ص:۳۳۰ ،ج:۵/ وفتاوی بزازیه علی هامش فتاوی عالمکیریه،ص :۳۶۸، ج:۶/ وتبیین الحقائق، مسائل شتی، ص: ۲۲۸، ج:۶، ط، الکبری الامیریة مصر)

ہو۔ وہاں سے جو شخص مسجد چھوڑ کر چلا جاوے اسی وجہ سے اور مارنے مرنے پر تیار ہو وہ کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

تارک عمامہ سے جدال کرنے والا جاہل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



عمامہ والی نماز کا ثواب

﴿سوال﴾:

امام کو باوجود قدرت ہونے عمامہ کے بغیر عمامہ نماز پڑھانا؟

﴿جواب﴾:

بلا عمامہ امامت کرنا درست ہے بلا کراہت کے ہے(۱۸) اگرچہ عمامہ پاس رکھا ہو البتہ عمامہ سے ثواب زیادہ ہوتا ہے(۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱ھ۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ ابو حنیف محمد عبد اللطیف عفی عنہ۔



(۱۸):وقد ذكروا ان المستحب ان يصلى فى قميص وازار و عمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهته ذلك وكذاما اشتهر ان المؤتم لو كان معتما لعمامة والامام مكتفيا على قلنسوة يكره. (عمدةالرعاية فى حل شرح الوقايه، ج: ١، ص: ١٩٨، ط، مير محمد كتب خانه كراتشى)

(۱۹):والمستحب ان يصلى فى ثلاثة اثواب، قميص و ازار و عمامة و قال الزيلعى والافضل ان يصلى فى ثوبين لقوله ﷺ اذا كان لاحد كم ثوبان فليصل فيهما، يعنى مع العمامة . (امداد الفتاح شرح نور الايضاح ونجاة الارواح للشر نبلا لى، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، ص: ٢٢٩، ط، مكتبه رشيديه كوئٹه)

امام کا بلا عذر بغیر عمامہ کے عمامہ والوں کی امامت کرنا

﴿سوال﴾:

اگر امام کو عذر سے یا بلا عذر عمامہ میسر نہ ہو اور مقتدی باندھ رہے ہیں تو کیا نماز میں کچھ نقصان نہ ہوگا؟

﴿جواب﴾:

اگر چہ مقتدی سب متعمم ہوں اور امام بلاعمامہ ہو تو نماز کسی کی بھی مکروہ نہیں ہوتی (۲۰)۔



(وکذا فی غنیة ذوی الاحکام فی بغیة درر الحکام علی هامش دررالالحکام فی شرح غرر الاحکام، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج: ا ، ص: ۵۹، میرمحمد کتب خانه آرام باغ کراتشی)

(۲۰):قال العلامة عبدالحی نورالله مرقدهٗ: وقد سئلت غیر مرة عن الصلاة بغیر عمامة هل تکره، کما هو المشهور بین العوام فتجسسته فی کتب الفقه، فلم اجد سوی قولهم: المستحب ان یصلی فی ثلاثة اثواب، ازار و قمیص وعمامة، وهو لایدل علی کراهة الصحة بدونها کما حرره بعض علماء عصرنا ظانا ان ترک المستحب مکروه، وذلک لانه قد صرح فی البحر الرائق وغیره ان المستحب لا تلزم منه الکراهة مالم یقم دلیل خارجی علیه...الخ.

وافاد الوالد العلام فی بعض تحریراته تکره الصلاة بدونها فی البلاد التی عادة سکانها انهم لایذهون الٰی الکبراء بدون العمامة بل ولایخرجون من بیوتهم الا متعممین، و أما فی البلاد التی لایعتادون فیها ذلک فلا، و قد اشتهر بین العوام ان الامام ان کان غیر متعمم والمقتدون متعممین، فصلاتهم مکروهة، وهذا ایضاً زخرف من القول لا دلیل علیه، فاحفظ. (نفع المفتی والسائل، ذکر المکروهات

بحالت نماز نمازی کے پیر کے نیچے کپڑا دب جانا

﴿سوال﴾:

دو شخص قریب نماز پڑھتے ہیں ایک کا کپڑا ایک کے پاؤں کے نیچے دب گیا اگر وہ شخص جس کے پاؤں کے نیچے کپڑا دب گیا قصداً نکال دے نماز میں نقصان اور قصد ہوتا ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

صورت مسئولہ کا یہ ہے کہ مصلی کا بقصد اپنے کپڑا دبا ہوا دوسرے مصلی کا چھوڑ دینا ناقص کرنے والا نماز کا نہیں ہے اس لئے کہ یہ چھوڑ دینا اس کا امتثالاً لامر الغیر نہیں ہے۔ یعنی دوسرے مصلی کے چھوڑانے سے نہیں چھوڑا بلکہ قصداً اپنے سے بلا اتباع امر دوسرے کے چھوڑ دیا ہے ہاں اگر بمجرد دوسرے کے چھوڑنے سے چھوڑ دے گا تو بوجہ اس کے اس نے نماز میں غیر خدائے تعالیٰ کا حکم مان لیا اور یہ منافی صلوٰۃ ہے نماز اس کی فاسد ہو جاوے گی۔ چنانچہ عبارت درمختار سے مستفاد ہوتا ہے۔ حتی لو امتثل امر غیره فقيل تقدم فتقدم، او دخل فرجة الصف فوسع له فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برائه. شامی میں لکھا ہے وحاصله انه لافرق بين المسئلتين الا ان يدعى محل الاولىٰ على ما اذا تاخر بمجرد الجذب بدون امر والثانية على ما اذا فسح له بامره فتفسد فی الثانیه لانه امتثل امر المخلوق وهو فعل مناف للصلوٰة بخلاف الاولىٰ . فقط حرر محمد قاسم علی عفی عنه. محمد قاسم علی خلف مولانا محمد عالم علی مفتی امام شهر مراد آباد.

قد صح الجواب فانہ موافق للحق والصواب محمد حسن عفی عنہ مدرس مدرسہ مسجد شاہی مراد آباد۔ الجواب صواب محمود حسن مدرس مدرسہ اسلامی شاہی مسجد مراد آباد۔

المتفرقه، ص: ١١٢، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

﴿جواب﴾:

اگر مصلی نے اپنے قصد سے اور اپنے ارادہ سے اس کا کپڑا چھوڑا ہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔



امام زمین پر اور مقتدی جانماز پر

﴿سوال﴾:

اگر امام جائے نماز بوریہ وغیرہ کی کھینچ کر کھڑا ہوجاتا ہو اور مقتدی لوگ فرش پر کھڑے ہوں یہ فعل امام کو کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

اگر امام زمین پر اور سب مقتدی جانماز پر ہوں جب بھی کچھ کراہت نہیں ہوتی یہ فعل درست ہے(۲۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲۱): فی درر الحکام: وکذا یکره قیامه علی دکان وحده والقوم علی الارض للنهی عنه وللتشبه وکذا عکسه فی الاصح.....ثم قدر الاتفاع قامة ولابأس بما دونها ذکره الطحاوی وهو روایة عن أبی یوسف وقیل مقدار ذراع وعلیه الأعتماد. (الدرر الحکام فی شرح غرر الأحکام، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، ج: ۱، ص: ۱۰۸، ط، میرمحمد کتب خانه کراتشی)

(وکذا فی المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الرابع: مایکره فی الصلاة ومالایکره، ج: ۲، ص: ۱۴۵، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

ولابأس بالصلاة علی الطنافس واللبود وسائر الفرش...والصلاة علی الأرض وعلی ما أشبه الأرض أفضل. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الرابع فی

اگر مقتدی قالین پر اور امام بغیر فرش کے ہو تو اس کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

اگر مقتدی فرش قالین وغیرہ پر ہوں اور امام بغیر فرش کے ہو تو درست یا نہیں؟ یا مقتدی خطاوار ہیں؟

﴿جواب﴾:

درست ہے کہ مقتدی فرش پر ہو اور امام نہ ہو کچھ مضائقہ نہیں (۲۲)۔ فقط



امام کا مصلی پر رومال ڈالنا

﴿سوال﴾:

زید عالم ہے اور امامت بھی کرتا ہے مگر بوجہ زیادہ ہونے اپنی عزت کے اپنا رومال بچھا کر امامت کراتا ہے یعنی مصلی ڈال کر اور مصلی پر کھڑا ہو کر امامت کرتا ہے اور مقتدی بغیر فرش کے ہوتے ہیں تو ایسی نزاکت بڑھانا امام کو اپنے واسطے بہتر ہے یا نہیں اور نماز میں کچھ مکروہات نہیں ہوتا؟

﴿جواب﴾:

اگر امام رومال یا مصلیٰ پر کھڑا ہو اور مقتدی زمین پر ہوں اس میں کچھ کراہت نہیں یہ امر درست و جائز ہے بلا خوف (۲۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بيان مايكره للمصلى أن يفعل فى صلاته ومالايكره، ج: ۲، ص: ۲۰۹، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(۲۲): تقدم تخريجه فى الحاشية السابقة.

(۲۳): في درر الحكام: وكذا يكره قيامه على دكان وحده والقوم على

مسجد کے باہر کے دروں میں امام کا کھڑا ہونا

﴿سوال﴾:

امام کے محراب میں کھڑے ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور مکروہ ہے امام کو کہ وہاں کھڑا ہو۔لہٰذا گذارش ہے کہ مسجد کے باہر کے دروں میں کھڑا ہونا بھی حکم محراب میں ہے یا نہیں؟ فقط

﴿جواب﴾:

باہر کے دروں کا بھی محراب کا ہی حکم ہے۔اس میں بھی امام کو قیام مکروہ ہے(۲۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



الارض للنهى عنه وللتشبه وكذا عكسه فى الاصح...ثم قدر الاتفاع قامة ولابأس بما دونها ذكره الطحاوى وهو رواية عن أبى يوسف وقيل مقدار ذراع وعليه الأعتماد. (الدرر الحكام فى شرح غرر الأحكام، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها،ج: ١،ص: ١٠٨، ط، ميرمحمد كتب خانه كراتشى/ وفى المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل الرابع: مايكره فى الصلاة ومالايكره، ج: ٢، ص:١٤٥،ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(٢٤):قال ابن ابى شيبة:حدثنا ابو بكر قال: حدثنا وكيع قال: حدثنا اسماعيل بن ابراهيم بن المهاجر عن أبيه عن على: أنه كره الصلاة فى الطاق. (المصنف لابن أبى شيبة، كتاب الصلاة، ابواب متفرقة من الصلاة، باب الصلاة فى الطاق، ج: ٢، ص:٤٦٨، رقم: ٤٧٢٥، ط، مكتبة الرشد رياض)

قال محمد رحمه الله: لابأس بأن يكون مقام الامام فى المسجد ورأسه فى السجود فى الطاق، ويكره أن يقوم فى الطاق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى بيان مايكره للمصلى وما لايكره، ج: ٢، ص: ٢١٠، ط، مكتبه

امام کا خفی امور کا سیٹی کی سی آواز سے ادا کرنا

﴿سوال﴾:

اگر امام التحیات یا سجدہ یا سورۂ فاتحہ وغیرہ کہ جس کے واسطے حکم خفی پڑھنے کا ہے ایسا پڑھتا ہو کہ نزدیک کے مقتدی بھی سنتے اور سیٹی کی سی آواز مقتدی سنیں تو نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں اور جب امام سے کہا جاوے تو یہ کہتے ہیں کہ جو کوئی میری آواز سیٹی کی سی سنتا ہے تو میں اس وقت میں صاد ادا کیا کرتا ہوں۔

﴿جواب﴾:

اگر آواز خفی امام کے آس پاس کے چندسن لیویں تو اس میں حرج نہیں اور کوئی کراہت نہیں (۲۵)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



زکریا دیوبند)

(وکذا فی رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، ج: ۲، ص: ۴۱۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۲۵): وفی القهستانی وغیره: أو من بقربه، بأو، وهو أوضح، ویبتنی علی ذلک أن أدنی الجهر اسماع غیره: أی ممن لم یکن بقربه بقرینة المقابلة، ولذا قال فی الخلاصة والحانیة عن الجامع الصغیر: ان الامام اذا قرأ فی صلاة المخافتة بحیث سمع رجل أو رجلان لایکون جهراً، والجهر أن یسمع الکل اهـ: أی کل الصف الأول لاکل المصلین، بدلیل ما فی القهستانی عن المسعودیة أن جهر الامام اسماع الصف الأول.اهـ. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۵۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی البحر الرائق: وفی الخلاصة: الامام اذا قرأ فی صلاة المخافتة بحیث سمع رجل أو رجلان لایکون جهرا والجهر أن یسمع الکل اهـ. (البحر الرائق،

کن امور سے نماز فاسد ہوتی ہے اور کن سے نہیں

نماز میں کوئی ایسا کلمہ چھوٹ جانا جس سے مطلب میں کوئی خرابی نہ آئے

﴿سوال﴾:

عمرو نے نماز صبح کی پڑھائی دو کلموں کو دو آیتوں میں از روئے سہو کے چھوڑ گیا اول آیت وکذبوا بایاتنا کذابا میں کلمہ وکذبوا آیت دوسری ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا میں الکافر چھوڑ گیا اس صورت میں کوئی نقصان نماز میں صادر ہوا یا نہ ہوا؟ زید نے جو مقتدی تھا نماز اپنی لوٹائی اور کہا نماز نہیں ہوئی۔

﴿جواب﴾:

یہ دو کلمے اگرچہ چھوٹ گئے مگر تاہم نماز درست ہوگی ہے کہ معنی درست ہیں اگرچہ دو کلمہ ترک ہوئے (۱) فقط زید نے نماز لوٹائی تو اس نے خطا کی کیونکہ اس صورت میں نہ معنی خراب ہوئے اور نہ نماز فاسد ہوئی۔ فقط



کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۸۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی النهر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۲۲۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱): قال فی شرح المنیة: وان ترک کلمة ـ من آیة ـ فان لم تغیر المعنی مثل ـ وجزاء سیئة مثلها ـ بترک سیئة الثانیة لاتفسد. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مطلب: مسائل زلة القارئ، ج:

ضاد کو دال کے مشابہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم پانی پتی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ حرف ضاد کو مشابہ بالدال وظاء نہ پڑھے ورنہ نماز نہ ہوگی کیونکہ نماز میں قرآن کا صحیح پڑھنا فرض ہے لہٰذا ہرایک شخص کو مخرج سے ادا کرنے کی ہر حرف کی کوشش ہونی چاہیے اگر کوشش کرتا ہے اور تب بھی پورا حرف صحیح ادا ہو تو اس میں مواخذہ دار نہ ہوگا اگر بلا سعی مشابہ بالدال وظاء پڑھے گا تو معنی میں فرق آوے گا۔ لہٰذا اس تحریر میں حضور کیا فرماتے ہیں اور جو شخص کہ قاری ہو یا علم قرأت سیکھتا ہو وہ شخص کہ مشابہ بالدال وظاء پڑھے اس کے پیچھے اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یا یہ اپنی نماز لوٹا دے یہ میں نے بھی دیکھا کہ اگر حرف ضاد کو مخرج سے ادا کرے تو ہرگز مشابہ بالدال نہیں نکلتا مشابہ بالظاء ادا ہوتا ہے اور باوجودیکہ یہ حرف شفیۃ میں سے نہیں ہے مگر ہونٹ ہلتے ہیں۔ اور زبان وہاں سے ہٹتی ہے تب مشابہ بالدال نکلتا ہے اصل مخرج سے مشابہ بالظاء مع تمامی شرائط کے ادا ہوتا ہے۔ قیاساً۔

﴿جواب﴾:

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہوگی۔ اور اگر باوجود کوشش وسعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو معذور ہے اس کی نماز ہوجاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر جو

۲، ص: ۳۹۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(وکذا فی الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی عشر فی زلة القارئ، ج: ۴، ص: ۴۵)

شخص قصداً خالص دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی (۲)۔ فقط



بغیر علم کے نماز نہ ہونے کا مطلب

﴿سوال﴾:

جو شخص نماز کے فرائض اور واجبات نہ جانتا ہو تو لکھا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی اور دہقانی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ امر صحیح نہیں کہ بدون علم کوئی نماز درست نہیں ہوتی بلکہ ادا ہونا شرائط وارکان کا

---

(۲):وان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ قال أكثرهم لاتفسد صلاته هكذا في فتاوى قاضيخان. وكثير من المشايخ أفتوا به قال القاضي الامام أبو الحسن والقاضي امام ابو عاصم ان تعمد فسدت وان جرى على لسانه أو كان لايعرف التميز لاتفسد وهو أعدل الاقاويل والمختار هكذا في الوجيز للكردرى. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارئ، ج: ۱، ص: ۷۹)

(وكذا فى الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، فصل فى القرأة فى القرآن خطأ الخ، ج: ۱، ص: ۱۴۱، ۱۴۳)

(وكذا فى جواهر الفقه،رفع التضاد عن احكام الضاد، ج: ۳، ص: ۳۶، ط، مكتبه دار العلوم كراتشى)

ضرور ہے خواہ علم ہو یا نہ ہو مراد یہ ہے کہ اس کی بہت نمازیں درست نہیں ہوتیں کہ اس کو خبر فساد و کراہت کی نہیں اگر کچھ واقع ہوگا بے علمی سے اس کو خبر نہ ہووے گی۔ اعادہ نہ کرے گا تو بعض نماز کا نہ ہونا مراد ہے نہ سب کا لہٰذا دہقانی کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے جب کوئی مفسد صلوٰۃ اس سے بظاہر واقع نہ ہوا ہو(۳)۔ فقط



امام کو لقمہ دینا

﴿سوال﴾:

امام نے فرضوں میں تین آیت سے زیادہ پڑھ لی اور اس کو سہو واقع ہوا مقتدی نے پیچھے سے لقمہ دیا امام نے لقمہ لیا یا نہ لیا مقتدی کی نماز میں نقصان ہوا یا نہ ہوا؟ جیسا کہ مشہور ہے۔

﴿جواب﴾:

اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز امام کا اور مقتدی کا کسی کا نہیں خواہ ضرورت لقمہ کی ہو یا

---

(۳):فی الدرالمختار: (والأحق بالامامة) تقديماً بل نصباً. مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة.

وفی الشامية تحته: قوله: (بأحكام الصلاة فقط) أی وان كان غير متبحر فی بقية العلوم، وهو أولى من المتبحر، كذا فی زاد الفقير عن شرح الارشاد. قوله: (بشرط اجتنابه الخ) كذا فی الدراية عن المجتبى. وعبارة الكافی وغيره: الأعلم بالسنة أولى، الا أن يطعن عليه فی دينه، لأن الناس لايرغبون فی الاقتداء به. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٩٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا فی الهدية العلائية لتلاميذ المكاتب الابتدائية، كتاب الصلاة، باب الامامة، ص: ٨١، ط، دار ابن حزم بيروت لبنان)

نہ ہوا امام لقمہ لے یا نہ لیوے خواہ کسی قدر ہی امام پڑھ چکا ہو۔ کسی حال کسی وجہ سے فساد کسی کی نماز میں نہیں ہوتا یہ ہی صحیح ہے اور جو مشہور ہے صحیح نہیں (۴)۔ اور نماز مندرجہ سوال کی صورت میں ہو جاتی ہے کیونکہ مراد اس لم یکن ذکراً سے یہ ہے کہ وہ کلام ناس سے نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۴):فی مراقی الفلاح: ویفسدها فتحه أی المصلی علی غیر امامه لتعلمیه بلاضرورة وفتحه علی امامه جائز.

وفی حاشیة الطحطاوی تحته: وقوله: (وفتحه علی امامه جائز) لما روی أنه ﷺ قرأ فی الصلاة سورة المؤمنین فترک کلمة فلما فرغ قال: ألم یکن فیکم أبیؓ قال: بلی، قال: هلا فتحت علی؟ قال: ظننت أنها نسخت قال ﷺ: لو سنخت لأعلمتکم وقال: اذا استطعمک الامام فاطعمه أی اذا استفتحک الامام فافتح علیه. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ص: ۳۳۳، ۳۳۴، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ولو أخذ الامام من الفاتح بعد ما انتقل الی آیة أخری هل تفسد صلاة الامام؟ حکی عن القاضی الامام أبی بکر الزرنجری أنه قال: تفسد، وغیره من المشایخ قالوا: لاتفسد، ولاینبغی للامام أن یلجئ القوم الی الفتح، ولکن اذا قرأ مقدار مایجوز به الصلاة یرکع، وان لم یقرأ مقدار مایجوز به الصلاة ینتقل الی آیة أخری، ولاینبغی للمقتدی، أن یفتح علی الامام من ساعته. (الفتاوی الثاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس فی بیان مایفسد ومالایفسد، ج: ۲، ص: ۲۲۵، ۲۲۶، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، ج: ۲، ص: ۳۸۱، ۳۸۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

باب نماز میں وضوٹوٹ جانے کا بیان

جمعہ کے دن اگر کوئی شخص پہلی صف میں ہو اور اس کا وضو ٹوٹ جائے تو اس کا حکم

﴿سوال﴾:

ایک شخص جمعہ کے دن اول صف میں جماعت میں ہوتا ہے اگر اس کا وضو جاتا رہے تو وہاں تیمّم کرے یا صف کو چیر کر باہر آوے؟

﴿جواب﴾:

جمعہ میں یا غیر جمعہ میں نمازی کو نماز میں کسی وجہ سے دوبارہ وضو وغیرہ کی حاجت ہو تو صف کو چیر کر باہر چلا جاوے۔ اور اگر صف کے آگے کو راستہ ہو تو اس طرف سے آگے نکل کر وضو کر آوے اگر اس کی واپسی تک جمعہ ختم ہو جاوے تو ظہر پڑھے(۱)۔



---

(۱):عن علی بن طلق قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا فسا أحدكم فی الصلاة فلينصرف فليتوضا وليعد الصلاة. (رواه ابو داؤد، كتاب الطهارة، باب فيمن يحدث فی الصلاة، ص: ۴۰، رقم: ۲۰۵، ط، دار السلام رياض)

من سبقه حدث سماوی من بدنه موجب للوضوء فی الصلاة انصرف من فوره وتوضأ من غير ان يشتغل بشئ غير ضروری فی وضوئه وبنی علی صلوته عندنا ان لم يعرض له ماينافيها......ولكن الاستيناف افضل للبعد عن شبهة الخلاف.

(غنية المستملی فی شرح منية المصلی، تذييل فی الحدث، ص: ۴۵۲)

(وكذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۷۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

قطرہ آنے سے نماز کا ٹوٹ جانا

﴿سوال﴾:

ایک شخص کو مرض قطرہ ہے اگر حالت نماز میں قطرہ نکل جائے تو نماز توڑے یا نہیں اگر وسواس اس کا امر ہوتا ہو کیا کرے؟

﴿جواب﴾:

اگر قطرہ نکلا خود نماز فاسد ہوگی یہ کیا توڑے گا مگر وہاں جو وسوسہ ہو تو نہ توڑے بعد نماز دیکھ لیوے۔ اگر نکلا ہے تو اعادہ کرلیوے ورنہ نماز ہوگی (۲)۔ فقط



نماز میں امام کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے

﴿سوال﴾:

ایک امام نماز پڑھا رہا ہے وضو ٹوٹ گیا تو کیا کرے؟

﴿جواب﴾:

از سرِ نو وضو کر کے نماز پڑھاوے کہ بناء کے مسائل سے لوگ واقف نہیں ہوتے اور استیناف اولیٰ بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲): واما عند خروج قطرة عن احليله فتفسد صلاته فلينصرف وليتوضأ. (معارف السنن، ج: ۱، ص: ۱۹۹، ط، ايجوكيشنل بريس كراتشي)

ومن تيقن في الوضوء وشک في الحدث فلاوضوء عليه الاصل في هذا ان اليقين لايزول بالشک. (غنية المستملي في شرح منية المصلي، ص: ۱۴۵)

(۳): من سبقه حدث توضأ وبنى كذا في الكنز.... والاستئناف أفضل كذا في المتون. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في

باب فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھنے کا بیان

قضا نمازیں کیسے ادا کی جائیں

﴿سوال﴾:

میرے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی خود بخود پک گئی تھی اور زخم شدید ہو گیا تھا۔ قریب ایک ماہ علاج شفا خانہ میں کرایا گیا شفا خانہ میں بعد لگانے مرہم کے ایک پارچہ کی پٹی دونوں وقت باندھی جاتی تھی۔ جس کو صبح وشام خاکروب شفا خانہ ایک گندہ پانی میں خاص اس کام کے واسطے مہیا تھا۔ سب مریضوں کی پٹیوں کو دھو کر اور صاف وستھرا کر کے کمپونڈر کو دے دیا کرتا تھا۔ پس وہی پٹیاں دوسرے روز کام میں مریضوں کی لائی جاتی تھیں۔ چنانچہ میں انہی کی پٹی بندھی ہوئی سے نمازیں پڑھتا رہا، اس صورت میں اس پارچہ پٹی بندھی ہوئی سے جو نمازیں پڑھی گئیں صحیح ہوئیں یا نہیں اور فرض میرے ذمہ سے ساقط ہو گئے یا نہیں دوسرے بعض اوقات بوجہ غلبہ تکلیف انگشت نمازیں فوت ہو گئیں اور یہ یاد نہیں کہ کون سے وقت کی قضا سے ہوئی ہیں پھر کس وقت کی مقرر کر کے نیت نماز کروں اور فرض قضا ادا کروں؟ فقط

﴿جواب﴾:

آپ کی جس قدر نمازیں گئی ہیں ان کو قضا کر لینا چاہیے اور جو نمازیں اور زمانہ میں

الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۹۳)

وفی القدوری: فان سبقه الحدث انصرف وتوضأ وبنیٰ علی صلاته ان لم یکن اماما. فان کان اماماً: استخلف وتوضأ، وبنیٰ علی صلاته ما لم یتکلم، والاستئناف أفضل. (مختصر قدوری و معه اللباب، کتاب الصلاۃ، باب فی الحدث، ج: ۲، ص: ۱۸۶، ۱۸۷، ط، دار السراج المدینة المنورة)

(وکذا فی غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی، تذییل فی الحدث، ص: ۴۵۲)

اس ناپاک کپڑے سے پڑھی گئی ہوں ان کی بھی قضا آوے گی اول ظہر جو میرے ذمہ ہیں یا آخر ظہر جو میرے ذمہ ہیں اس طرح کی نیت کرلینی چاہیے(۱)۔فقط والسلام



قضا نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ

﴿سوال﴾:

فدوی تابعدار حضور کی دس سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک بعض اوقات کی اکثر نمازیں فوت ہوگئی ہیں مگر یہ یاد نہیں کہ کون وقت کی پھر کیسے قضا نمازوں کی نیت کا جاوے؟

﴿جواب﴾:

قضا نمازوں کو اپنی رائے اور خیال سے متعین کرلینا چاہیے کہ میرے ذمہ اس قدر نمازیں مثلاً فجر کی ہیں اور اس قدر ظہر کی ہیں۔اس کے بعد اول ہر ظہر یا آخر ظہر کی نیت سے

---

(۱):اذا أراد أن يقضي الفوائت، ذكر في فتاوى أهل سمرقند أنه ينوي أول ظهر لله عليه، وكذلك كل صلاة يقضيها، واذا أراد ظهراً أخرى ينوي أيضا أول ظهر لله عليه، لأنه لما قضى الأول صار الثاني أول ظهر لله عليه. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، ج: ۲، ص: ۳۵۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

ولو نوى أول ظهر عليه، أو آخر ظهر عليه جاز، لأن الصلاة تعينت بتعيينه، وكذا الوقت تعين بكونه أولا أو آخرا، فان نوى أول صلاة عليه وصلى فما يليه يصير أولا أيضا فيدخل في نيته أول ظهر عليه ثانيا، وكذا ثالثا الى مالايتناهى وكذا الآخر، وهذا مخلص من لم يعرف الأوقات التي فاتته أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه. (تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى، ج: ٦، ص: ۲۲۰، ط، مكتبة الكبرى الاميرية مصر/ وفي الفتاوى العالمكيرية، مسائل شتى، ج: ٦، ص: ۴۴۳)

ہمیشہ جس قدر ادا ہوسکیں ادا کرلیا کریں (۲)۔



قضا نماز کی جماعت

﴿سوال﴾:

ایک مسجد میں نماز صبح کی چند آدمیوں نے باجماعت پڑھ لی چند آدمی باقی رہ گئے۔ انہوں نے قضا نماز باجماعت پڑھی نماز ان کی صحیح ہوئی یا نہیں ہوئی اور جماعت قضاء کی درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جماعت قضا کی بھی درست ہے (۳) مگر اس طرح چند آدمی کو قضاء کر کے جماعت سے ادا کریں سخت بے حیائی و بے شرمی ہے۔ لازم ہے کہ اس کی معصیت کو پردہ کریں تو اس

(۲):واذا کثرت الفوائت یحتاج لتعیین کل صلاة، فان اراد تسهیل الأمر علیه نویٰ: أول ظهر علیه، أو آخره. (نور الایضاح ونجاة ومعه امداد الفتاح، ص: ۴۹۳، ط، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

اذا أراد أن یقضی الفوائت، ذکر فی فتاوی أهل سمرقند أنه ینوی أول ظهر لله علیه، وکذلک کل صلاة یقضیها، واذا أراد ظهراً أخری ینوی أیضا أول ظهر لله علیه، لأنه لما قضی الأول صار الثانی أول ظهر لله علیه. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل العشرون فی قضاء الفائتة، ج: ۲، ص: ۴۵۴، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(۳):فی التاتارخانیة: واذا قضی الفوائت ان قضاها بجماعة، وکان صلاة یجهر فیها بالقراءة یجهر فیها الامام، وان قضاها وحده یخیر ان شاء جهر، وان شاء خافت، والجهر أفضل. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل العشرون فی قضاء الفائتة، ج: ۲، ص: ۴۵۴، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

طرح کے فعل سے گنہگار ہوئے خدا تعالیٰ معاف فرماوے (۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



(۴): فی الدر المختار: وینبغی أن لایطلع غیره علی قضائه لأن التأخیر معصیة فلایظهرها.

وفی الشامیة تحته: قوله: (وینبغی الخ) تقدم فی باب الأذان أنه یکره قضاء الفائتة فی المسجد، وعلله الشارح بما هنا من أن التأخیر معصیة فلایظهرها. وظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع علیه، سواء کان فی المسجد أو غیره کما أفاده فی المنح.

قلت: والظاهر أن ینبغی هنا الوجوب وأن الکراهة تحریمیة، لأن اظهار المعصیة معصیة، لحدیث الصحیحین "کل امتی معافی الا المجاهرین، وان من الجهار أن یعمل الرجل باللیل عملا ثم یصبح وقد ستره اللّٰه فیقول عملت البارحة کذا وکذا، وقد بات یستره ربه ویصبح یکشف ستر اللّٰه عنه، واللّٰه تعالیٰ اعلم. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ج: ۲، ص: ۵۳۹، ط: دار عالم الکتب ریاض)

باب امامت اور جماعت کا بیان

عالم وقاری میں امامت کے لئے کون افضل ہے

﴿سوال﴾:

مذہب حنفیہ میں امامت عالم کی اولیٰ تر ہے قاری سے لیکن اگر قاری ہو اور ضروریات دین سے بخوبی واقف ہو اور عالم قاری نہ ہو تو عالم کی امامت سے قاری کی امامت اولیٰ ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر عالم واقف مسائل صلوٰۃ کا قرآن کو مایجوز به الصلوٰۃ پڑھتا ہے تو اس کو ہی امام بنانا چاہیے(۱) اور جو قرآن ایسا نہیں جانتا تو امامت اس کی درست ہی نہیں ہوئی کہ رکن

---

(۱):فی الدرالمختار: (والأحق بالامامة) تقديماً بل نصباً. مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة.

وفی الشامية تحته: قوله: (بأحكام الصلاة فقط) أی وان كان غير متبحر فی بقية العلوم، وهو أولی من المتبحر، كذا فی زاد الفقير عن شرح الارشاد. قوله: (بشرط اجتنابه الخ) كذا فی الدراية عن المجتبی. وعبارة الكافی وغيره: الأعلم بالسنة أولی، الا أن يطعن عليه فی دينه، لأن الناس لايرغبون فی الاقتداء به. (رد المحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفی الهداية: وأولی الناس بالامامة أعلمهم بالسنة، وعن أبی يوسف رحمه الله : أقرؤهم.

وفی البناية تحته: (وأولی الناس بالامامة أعلمهم بالسنة) ش: أی بالفقه والاحكام الشرعية اذا كان يحسن من القرآن مايجوز به الصلاة، وهو قول

نماز کا قرأت ہے(۲) قرآن جب غلط پڑھا تو نماز فاسد ہوئی۔ ایسی حالت میں قرآن صحیح پڑھنے والا امام ہوا گرچہ تھوڑے مسائل سے واقف ہو چہ جائیکہ بخوبی ہو مگر مراد قاری سے یہ معروف قاری نہیں کیونکہ اعلیٰ درجہ ہے یہ فرض نہیں، غرض مایجوز به الصلوٰة بتصحیح الحروف كذا فی عامة الكتب. واللہ تعالیٰ اعلم



قاری اور عالم میں امامت کو کون اہل ہے

﴿سوال﴾:

امامت قاری کی بہتر ہے یا عالم کی؟

﴿جواب﴾:

اگر عالم ایسا قرآن پڑھتا ہے جس سے نماز ہوجاوے تو قاری کو امام نہ ہونا چاہیے(۳) اور جو ایسا قرآن پڑھتا ہے کہ نماز فاسد ہو تو قاری امام ہووے۔



الجمهور، واليه ذهب عطاءؒ والأوزاعيؒ ومالكؒ والشافعيؒ. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب في الامامة، ج: ۲، ص: ۳۲۸، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲):في الهداية: فرائض الصلاة ستة:.....والقراءة، لقوله تعالىٰ: فاقرأوا ما تيسر من القرآن [المزمل. الآية ۲۰].

وفي البناية تحته: (والقراءة) ش: أى الفريضة الثالثة قراءة القرآن. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۵۷، ط، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(۳):في الكنز: والأعلم أحق بالامامة.

وفي النهر تحته: (والأعلم) بأحكام الصلاة أى بما يصلحها ويفسدها وهذا

والدین کے نافرمان کی امامت

﴿سوال﴾:

عبادت نافلہ بہتر ہے یا اطاعت والدین اور جو شخص اپنے والدین کی اطاعت نہ کرے وہ فاسق ہے یا نہیں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اطاعت والدین کی امر مباح واجب ہے(۴) اور واجب عبادت نافلہ سے مقدم

مراد من قال بالفقه وأحكام الشريعة اذا الزائد على ذلك غير محتاج اليه هنا ومن ثم وقع عبارة أكثرهم أى: بالسنة باعتبار أن تفضيل أحكام الصلاة لم تستفد الا منها وعلم من تقييد الأعلم بما ذكرنا أنه لابد أن يكون حافظاً لمقدار ماتجوز به الصلاة لأنه اذا خلى عن ذلك لايكون عالماً بما يصلحها و حينئذ فلاحاجة الى التقييد به كما قيل نعم شرط الشارح كونه حافظاً لمقدار المفروض والواجب ولم أره منقولاً لكن القواعد لا تأباه وأقول: ذكر فى الدراية معزياً الى المبسوط الأعلم أولى اذا قدر على القراء ة قدر ما يحتاج اليه وهٰذا كما ترى صريح فى اشتراط كونه حافظاً لمقدار الواجب أيضاً لظهور أنه يحتاج اليه فى تكميل صلاته بل حفظ المسنون يحتاج اليه أيضا. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الامامة والحدث فى الصلاة، ج: ١، ص: ٢٣٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فى الاختيار لتعليل المختار، كتاب الصلاة، فصل فى صلاة الجماعة، ج: ١، ص: ٥٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۴):قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: وقضىٰ ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسٰنا. الخ. وفى الجامع لاحكام القرآن تحت هذه الآية: وعلى هٰذا اذا أمرا أو أحدهما ولدهما بأمر وجبت طاعتهما فيه، اذا لم يكن ذلك الأمر معصية، وان كان ذلك المأمور به من قبيل المباح فى أصله، وكذلك اذا كان من قبيل المندوب.

ہے پس اگر خدمت والدین سے فرصت نہ ہوتو نوافل کوترک لازم ہے اور جو حقوق والدین ادانہ کرے وہ فاسق ہے۔ امامت اس کی مکروہ تحریمہ ہے(۵) فقط کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم



عالم تارک جماعت کی امامت

﴿سوال﴾:

اگر کوئی نماز باجماعت نہ پڑھتا ہو اور کبھی کبھی جماعت کی نماز پڑھتا ہو لیکن اکثر اوقات بلا جماعت تو افضل امامت کے واسطے وہ شخص خوان ناظرہ بہتر ہے کہ جو پنج وقتی نماز باجماعت ادا کرتا ہو یا اس طرح کا عالم؟

﴿جواب﴾:

(الجامع لاحکام القرآن، ج: ۱۳، ص: ۵۲، ط، مؤسسة الرسالة بيروت لبنان)

(۵):عن انس بن مالکؓ عن النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم قال فی الکبائر: الشرک باللّٰہ وعقوق الوالدین وقتل النفس وقول الزور. (جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، ص: ٦٧٩، رقم: ۳۰۲۱، ط، دار السلام ریاض)

فی ملتقی الأبحر: ویکره امامة العبد والأعرابی والأعمی والفاسق.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والفاسق) أی الخارج عن طاعة اللّٰہ تعالیٰ بارتکاب کبیرة لأنه لا یهم بأمر دینه، وکذا امامة التمام، والمرائی، والمتصنع، وشارب الخمر. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱٦۲، ۱٦۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی منحة السلوک فی شرح تحفة الملوک، کتاب الصلاة، فصل فی الجماعة، ص: ۱٦۸، ۱٦۹)

جو عالم ماہر ہے مگر اگر تارک جماعت ہے تو وہ فاسق ہے(٦) اگر چہ عالم ہواس کی امامت مکروہ تحریمہ ہے ناظرہ خواں صالح اس سے بہتر ہے امام بنانے میں کہ فاسق اگر چہ عالم ہواس کی امامت مکروہ تحریمہ ہے اوراس کا امام بنانا حرام ہے چنانچہ ردالمحتار میں صریح صاف یہ لکھا ہے(٧)۔واللہ تعالیٰ اعلم



(٦): فی معارف السنن: الجماعة واجبة عدنا فی القول الراجح، وقد تقدم أن الوجوب عندنا غیر الفرضیة، وسبق تفصیل المذاهب والأقوال فی حکم الجماعة...و کذا تقدم بیان أعذار ترک الجماعة، فتارکها فاسق. (معارف السنن، کتاب الصلاة، باب ماجاء فیمن سمع النداء فلایجیب ، ج: ٢، ص: ٢٦٦، ط: ایجوکیشنل بریس کراتشی)

(٧):وقال فی شرح المنیة: والأحکام تدل علی الوجوب، من أن تارکها بلاعذر یعزر وترد شهادته، ویأثم الجیران بالسکوت عنه. (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٨٧، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الشامیة ایضاً: وقوله: (وفاسق) من الفسق: هو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی وآکل الربا ونحو ذلک، کذا فی البرجندی اسماعیل. وفی المعراج قال أصحابنا: لاینبغی أن یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لأنه فی غیرها یجد اماماً غیره اهـ. قال فی الفتح: وعلیه فیکره فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد المفتی به، لأنه سبیل الی التحول. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٩٨، ط، دار عالم الکتب ریاض)

غیر مقلد کی امامت

﴿سوال﴾:
غیر مقلد کے پیچھے مقلدین امام کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
اگر غیر مقلد متعصب نہیں اور بزرگوں کی شان میں بے ادب نہ ہو اور وہ شخص ایسا کام نہ کرے کہ جس سے حسب مذہب امام علیہ الرحمۃ نماز مکروہ یا فاسد ہوتی ہے تو ایسے غیر مقلد کے پیچھے ان شرائط کے ساتھ نماز پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے (۸)۔فقط



رنڈیوں کے ساتھ جانے والے کی امامت

﴿سوال﴾:
ایک شخص قوم حجام سے امام مسجد ہے اور مسئلہ مسائل میں نماز وغیرہ سے خوب واقف ہے باوجود ہونے اور شخص خواندہ کے اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں باوجود کمینے ہونے کے تمام نمازی اس سے راضی ہیں مگر ایک دو آدمی بباعث فخر قوم کے اس سے ناراض ہیں اور وہ حجام رنڈی کے پیچھے مشعل بھی جلاتا ہے؟

---

(۸):فی الدر المختار: ومخالف کشافعی لکن فی وتر البحر ان تیقن المراعاة لم یکره، أو عدمها لم یصح، وان شک کره.

وفی الشامیة: فتحمل أن الاقتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض أفضل من الانفراد اذا لم یجد غیره، والا فالاقتداء بالموافق أفضل.(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة،باب الامامة،ج:۲،ص: ۳۰۲،۳۰۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

﴿جواب﴾:
شریف اگر متقی اور عالم ہوتو اس کی امامت بہ نسبت رذیل قوم کی امامت کے اولیٰ ہے(۹) مگر نماز اس رذیل کے پیچھے بھی ہوجاتی ہے مگر جب وہ رنڈیوں وغیرہ میں جاتا ہے اور ان کے ساتھ ان کی خدمت کرتا پھرتا ہے تو فاسق ہے ایسے کی امامت مکروہ تحریمی ہے(۱۰)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



رسوم وعرس وغیرہ کو اچھا جاننے والا اور برا جان کر کرنے والا دونوں کی امامت

﴿سوال﴾:
مسئلہ جو شخص کہ رسوم وعرس وغیرہ کو اچھا جانے اس کے پیچھے نماز میں کچھ نقصان ہے

---

(۹):فی الهندية: الأولى بالامامة أعلمهم باحكام الصلاة هكذا فی المضمرات، وهو الظاهر هكذا فی البحر الرائق.....فان استووا فی الحسن فأشرفهم نسبا كذا فی فتح القدير. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل الثانی فی بيان من هو أحق بالامامة، ج: ۱، ص: ۸۳)

(۱۰)فی الشامية: وقوله: (وفاسق) من الفسق: هو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزانی وآكل الربا ونحو ذلك، كذا فی البرجندی اسماعيل. وفی المعراج قال أصحابنا: لاينبغی أن يقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لأنه فی غيرها يجد اماماً غيره اهـ. قال فی الفتح: وعليه فيكره فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد المفتی به، لأنه سبيل الی التحول. (رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

یانہیں یالوٹانا ضروری ہے یا یہ کہ ان رسوم کو بُرا جانتا ہے مگر کرتا ہے اس کے پیچھے نماز میں کچھ نقصان ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

ان دونوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے(۱۱) مگر اعادہ واجب نہیں ہے اول شخص کے پیچھے کراہت زیادہ ہے بہ نسبت دوسرے کے۔فقط



انعمت کو غلط پڑھنے والے کی امامت

﴿سوال﴾:

مسئلہ نماز قاری کی ایسے شخص کے پیچھے کہ جو لفظ مخرج سے نہ ادا کرتا ہو مگر قدرے فرق حروف مشتبہ الصوت میں کرتا ہو تو نماز قاری اس کے پیچھے ہوگی یانہیں یا جو شخص عین کو ہر جگہ ادا کرتا ہو۔مگر انعمت کی عین کو الف عادتاً پڑھتا ہو نہ عمداً کہ یہ الف ہے۔ایسے شخص کے پیچھے

---

(۱۱):لایجوز مایفعله الجهال بقبور الأولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها، واتخاذ السراج والمساجد علیها، ومن الاجتماع بعد الحول کالأعیاد ویسمونه عرساً.(تفسیر مظهری ، سورة آل عمران تحت آیت: ۶۴ ، ج: ۲، ص: ۶۵ ، ط، ندوة المصنفین)

فی ملتقی الأبحر: ویکره امامة العبد والأعرابی والأعمی والفاسق والمبتدع.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أی صاحب هوی لایکفر به صاحبه حتی اذا کفر أنه لم تجز أصلا. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹ ، ط، دار عالم الکتب ریاض)

نماز قاری کی ہوگی یا نہیں اور خاص اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

قاری کی نماز ایسے شخص کے پیچھے ہوجاتی ہے اور جو عین کو الف جان کر پڑھے نہ اس کی نہ اس کے پیچھے کسی کی نماز نہ ہوگی (۱۲)۔فقط



گناہ کبیرہ کے مرتکب کی امامت

﴿سوال﴾:

جو شخص غیبت کرتا ہے وہ بھی فاسق ہے یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہیں حضور فرماتے ہیں کہ جو شخص عرس و سوئم وغیرہ کو کرے یا داڑھی منڈوائے وہ فاسق و بدعتی ہے اس کی امامت نہ چاہیے لہٰذا گذارش ہے کہ ہر گناہ کبیرہ سے فاسق ہوتا ہے یا یہی گناہ مذکورہ موجب فسق ہیں اور اگر ہر گناہ سے فاسق ہے تو ایسا امام تو بہت کم ملے گا۔ بلکہ غیبت نہ کرنے والا شاید کوئی ہوگا تو جو مقتدی کہ ان گناہوں سے احتیاط کرتا ہو۔ وہ ایسے امام کے

(۱۲):وان ذكر حرفا مكان حرف ولم يغير المعنى بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما أشبه ذلک لم تفسد صلاته وان غير المعنى فان أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل وان كان لايمكن الفصل بين الحرفين الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشايخ قال أكثرهم لاتفسد صلاته هكذا فى فتاوى قاضيخان. وكثير من المشايخ أفتوا به قال القاضى الامام أبو الحسن والقاضى امام ابو عاصم ان تعمد فسدت وان جرى على لسانه أو كان لايعرف التميز لاتفسد وهو أعدل الاقاويل والمختار هكذا فى الوجيز للكردرى. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارئ، ج: ۱، ص: ۷۹)

پیچھے نماز نہ پڑھیں کیا ترک جماعت اچھا ہے یا اعادہ نماز اولیٰ ہے یا اور کسی غیر محلہ کی مسجد میں جانا مسجد محلّہ چھوڑ کر اچھا ہے تینوں صورتوں کی اجازت دیجئے یا ایک خاص تحریر فرما دیجئے کہ ترک جماعت ہی کرے یا اعادہ کرے یا سب برابر ہیں یا جو شخص قبروں کو چڑھاوا حرام جان کر کھاوے یا مجلس میلاد مروجہ یا سوئم وغیرہ کو بدعت جان کر شرکت کرتا ہو تو اس کے ساتھ ابتدائے سلام کرنا یا امامت کرانا درست ہے یا نہیں آیا ایسے شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی اور ابتدائے سلام سے گنہگار ہوگا؟

(۲) حضور فرماتے ہیں کہ ایسے شخصوں کی عیادت وشرکت جنازہ بھی نہ کرے یہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر شرکت جنازہ وعیادت مریض کا ضروری حق ہے کیا حکم حدیث تنبیہاً ہے یا یہ لوگ کچھ اسلام ہی کامل نہیں رکھتے کیا ان ترک حقوق سے گنہگار نہ ہوگا؟ یا حکم حدیث علماء ومفتیان کے واسطے ہے نہ عامی کے لئے یا جو شخص نہایت ہی عابد زاہد ہے مگر مزامیر مروجہ صوفیان زمانہ حال ومیلاد وغیرہ میں سنت رسول اللہ ﷺ جان کر شرکت کرتا ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور کیسے ہوگی تحریمی یا تنزیہی حضور اگر جواب موافق والا نامہ سابق ہی ہے تو جو ثواب عیادت مریض وسلام وشرکت جنازہ کا تھا اس سے ہم لوگ بالکل محروم رہے کیونکہ ہمارے تمام شہر میں کل بدعتی اور شرک کرنے والے ہیں۔ فقط دس بارہ ہی آدمی اس عقیدہ کے ہیں فقط۔

(۳) جس کسی سے گناہ مذکور ہوگیا تو کب تک اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی؟ بدعتی کے پیچھے نماز مسجد میں پڑھ کر پھر انہیں فرضوں کو گھر آ کر لوٹاوے تو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں کیونکہ مسجد میں فساد کا اندیشہ ہے اور حضور نے جو فتنہ وفساد کو تحریر فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:

(۱) جو شخص کسی کبیرہ کا مرتکب ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے (۱۳) پس جو شخص

(۱۳): فی الشامیة: وقوله: (وفاسق) من الفسق: هو الخروج عن الاستقامة، و

غیبت کرتا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے ہاں احیاناً اتفاقاً کسی سے غیبت سرزد ہو جائے تو اس پر یہ حکم نہ ہوگا۔ ایسے ہی جو شخص کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے اور پھر جلد توبہ بھی کرے وہ بھی اس حکم میں داخل نہیں ہے گو کتنی ہی مرتبہ اس سے اس فعل کا صدور ہو۔ بشرطیکہ توبہ صرف زبانی نہ ہو بلکہ سچی توبہ دل سے ہو(۱۴) مگر بشریت سے پھر صدور ہو جاتا ہو مگر ایسی حالت میں نہ

لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي اسماعيل. وفي المعراج قال أصحابنا: لاينبغي أن يقتدى بالفاسق الا في الجمعة لأنه في غيرها يجد اماماً غيره اهـ. قال في الفتح: وعليه فيكره في الجمعة اذا تعددت اقامتها في المصر على قول محمد المفتى به، لأنه سبيل الى التحول. (رد المحتارعلى الدر المختار، كتاب الصلاة،باب الامامة، ج: ٢، ص: ٢٩٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۴):عن عبدالرحمن ابن أبي عمرة قال: سمعت أبا هريرة قال: سمعت النبي ﷺ قال: ان عبداً أصاب ذنباً، وربما قال: أذنب ذنباً. فقال: رب اذنبت ذنباً، وربما قال: اصبت فاغفرلي ـ فقال ربه: أعلم عبدي ان له ربا يغفر الذنب ويأخذ به؟ غفرت لعبدي، ثم مكث ماشاء الله، ثم أصاب ذنباً. أو أذنب ذنباً. فقال: رب أذنبت ـ أو أصبت آخر ـ فاغفره. فقال: أعلم عبدي أن له ربا يغفر الذنب ويأخذ به؟ غفرت لعبدي، ثم مكث ماشاء الله ثم أذنب ذنباً ـ وربما قال: أصاب ذنبا ـ قال: قال رب أصبت ـ أو أذنبت آخر ـ فاغفره لي. فقال: أعلم عبدي أن له ربا يغفر الذنب، ويأخذ به؟ غفرت لعبدي ـ ثلاثا ـ فليعمل ماشاء. وفي عمدة القاري تحت هذا الحديث: "فليعمل ماشاء" معناه: مادمت تذنب فتتوب غفرت لك. وقال النووي في الحديث: ان الذنوب ولو تكررت مائة مرة بل ألفاً وأكثر وتاب في كل مرة قبلت توبته، أو تاب عن الجميع توبة واحدة صحت توبته. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون ان يبدلوا كلٰم اللّٰه."الفتح:١٥"، ج: ٢٥، ص: ٢٤٥، رقم: ٧٥٠٧، ط، دار الكتب العلمية

ترک جماعت کرے، نہ اعادہ کرے۔ البتہ اور امام مسجد حتی الوسع تلاش کرے اگر نہ ہو سکے تو تنہا پڑھنے سے ایسے شخص کے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے ایسے لوگوں سے ابتداء سلام بھی ایسی جگہ درست ہے کہ یہ امید نفع دینی ہو یا اندیشہ ضرر ہو اور دونوں امر نہ ہوں تو انقطاع کلی ہی چاہیے اور امام بنانا تو ایسے شخص کو سخت گناہ ہے۔ ہاں تبدیل امام سے مجبور ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا چاہیے۔ فقط۔

(۲) ایسے لوگوں کی عیادت اور شرکت جنازہ بھی ان ہی مسلمانوں کے حقوق اسلام میں داخل فرمایا گیا ہے جو نیک اور پرہیز گار ہیں اور جو لوگ فساق فجار ہیں ان سے کسی طرح میل محبت نہ چاہئے بالکل انقطاع چاہئے (۱۵)۔

(۳) ایسے ہی جو لوگ مزامیر سنتے ہیں وہ فاسق ہیں گو کیسے ہی عابد زاہد ہوں اور ان کی امامت بے شک مکروہ تحریمی ہے اور جب اور شخص کو امام نہ بنا سکے اور دوسری جگہ نہ جا سکے

بیروت لبنان)

(۱۵): فی المرقات: فان هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع الى الحق، فانه ﷺ لما خاف على كعب بن مالك وأصحابه النفاق حين تخلفوا عن غزوة تبوك أمر بهجرانهم خمسين يوماً، وقد هجر نساء ٥ شهراً، وهجرت عائشة ابن الزبير مدة. الخ. (المرقات المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، الفصل الاول، باب ماينهى عنه من التهاجر و التقاطع و اتباع العورات، ج: ۹، ص: ۲۳۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى بذل المجهود: وقال السيوطي: والمراد حرمة الهجران اذا كان الباعث عليه وقوع تقصير فى حقوق الصحبة، والأخوة، وآداب العشرة، كاغتياب، وترك نصيحة، وأما ما كان من جهة الدين والمذهب فهجران أهل البدع والأهواء واجب الى وقت ظهور التوبة. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب فى هجرة الرجل أخاه، ج: ۱۳، ص: ۳۱۹، ط، دار البشائر الاسلامية، بيروت لبنان)

تولا چاری اور مجبوری کے وقت ایسے لوگوں کی امامت درست ہے(۱۶)۔فقط۔
(۴) جب تک وہ توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱۶):عن أبی امامة، عن النبیﷺ قال: ان اللّٰہ عزوجل بعثنی رحمة وهدی للعالمین، وأمرنی أن أمحق المزامیر [والکنارات]۔یعنی البرابط والمعازف والأوثان التی کانت تعبد فی الجاهلیة.الخ. (مسند احمد، مسند الأنصار، ص: ۱۶۴۲، رقم: ۲۲۵۷۱، ط، بیت الأفكار الدولیة ریاض)

فی الدر المحتار: استماع صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه الصلاة والسلام: استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر أی بالنعمة.

وفی الشامیة تحته: قوله: (فسق) أی خروج عن الطاعة، ولایخفی أن فی الجلوس علیها استماعاً لها، والاستماع معصیة فهما معصیتان. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحة، قبیل فی اللبس، ج: ۹، ص: ۵۰۴، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی مراقی الفلاح: ولذا کره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب اهانته شرعاً، فلایعظم بتقدیمه للامامة، واذا تعذر منعه ینتقل عنه الی غیره مسجده للجمعة وغیرها وان لم یقم الجمعة الا هو تصلی معه.

وفی حاشیة الطحطاوی تحته: قوله: (فتجب اهانته شرعاً فلایعظم بتقدیمه للامامة) تبع الزیلعی، ومفاده کون الکراهة فی الفاسق تحریمة. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتا ب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالامامة، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

مراہق کی امامت

﴿سوال﴾:
مراہق کتنی عمر کا ہوتا ہے اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
مراہق کی امامت نادرست ہے اور تیرہ برس کالڑکا مراہق ہے(۱۷)۔



جامع مسجد کا امام بدعتی وفاسق ہوتو کیا کیا جائے

﴿سوال﴾:
اگر جامع مسجد کا امام بدعتی ہو یا فاسق ہو اس وجہ سے اپنی مسجد محلّہ میں جمعہ کرلینا اولیٰ

(۱۷):ولایصح اقتداء البالغ غیرالبالغ فی الفرض وغیرہ وھو الصحیح لان صلاۃ البالغ اقوی للزومھا ولایجوز بناء القوی علی الضعیف. (غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی، کتاب الصلاۃ، من لایصح الاقتداء بہ، ص: ۵۱۶)

فلایصح اقتداء بالغ بصبی مطلقاً سواء کان فی فرض لأن صلاۃ الصبی ولونوی الفرض نفل، أو فی نفل لأن نفلہ لایلزمہ أی، ونفل المقتدی لازم مضمون علیہ فیلزم بناء القوی علی الضعیف....و قال بعض المشایخ: یصح اقتداء البالغ بالصبی فی التراویح، والسنن المطلقۃ، والنفل، والمختار عدم الصحۃ، بلاخلاف بین أصحابنا نقلہ السید عن العلامۃ مسکین. (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ص: ۲۸۸، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ج: ۱، ص: ۶۲۸، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ہے یانہیں اور اگر بدعتی امام کے پیچھے مقتدی بھی بدعتی ہوں تو ان کی نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی یانہیں؟

﴿جواب﴾:

بدعتی کی اقتداء سے اپنا جمعہ اور جماعت الگ کرلینا بہتر ہے بدعتی کے پیچھے اس جیسوں کی نماز بھی مکروہ ہے(۱۸)۔فقط۔



بدعتی کی امامت

﴿سوال﴾:

بدعتی کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

---

(۱۸):فی مراقی الفلاح: (وکره امامة العبد).....(والمبتدع) بارتکابه ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللهﷺ: "من علم أو عمل أو مال بنوع شبهة، أو استحسان" وروی محمد عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وأبی یوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز والصحیح أنها تصح مع الکراهة خلف من لاتکفره بدعته، لقولهﷺ: "صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر وجاهدوا مع کل بر وفاجر". رواه الدارقطنی کما فی البرهان. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة فصل فی بیان الأحق بالامامة، ص: ۳۰۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الکتب ریاض)

مکروہ تحریمہ ہے(۱۹)۔



رسول اللہ کو غیب داں جاننے والے کی امامت

﴿سوال﴾:

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب داں جانے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب جو خاصہ حق تعالیٰ ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نادرست ہے(۲۰)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۱۹):فی نورالایضاح: وکرہ امامة العبد....والفاسق، والمبتدع.

وفی امداد الفتاح تحته: والمراد المبتدع الذی لاتکفرہ بدعته فان کفر بها لاتصح امامته کما قدمناہ. (امداد الفتاح شرح نورالایضاح ونجاة الارواح، کتاب الصلاة، فصل فی الأحق بالامامة، وترتیب الصفوف، ص: ۳۴۲، ۳۴۳، ط، مکتبه رشیدیة کوئٹه)

(۲۰):ثم اعلم ان الانبیاء علهیم الصلاة والسلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ماعلمهم اللّٰه تعالیٰ أحیانا. وذکر ان الحنفیة تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیه السلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللّٰه. کذا فی المسایرة. (شرح فقه الاکبر للملاعلی القاری، مسئلة فی أن تصدیق الکاهن بما یخبر به من الغیب کفر، ص: ۱۳۷،ط، دار الکتب العربیة الکبری، مصر)

اعتقاد اینکه کسے غیر حق سبحانه حاضر وناظر، وعالم خفی وجلی در هر

مشرک بدعتی فاسق کی امامت

﴿سوال﴾:

مشرک بدعتی گور پرست ظالم فاسق غیر مقلد جو مسلمانوں کی برائیاں حکام سے کرے اور مسجد میں کفار کو بٹھاوے اور خاطر کرے ان سب کے پیچھے نماز درست یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

ہر مسلمان کے پیچھے جس کے معاصی کفر تک نہ پہنچے ہوں نماز ہوجاتی ہے مگر اجر وثواب بہت کم ہوتا ہے اور جس کی نوبت کفر تک پہنچ گئی ہو اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی (۲۱)۔



وقت وهر آن است، اعتقاد شرک است. (مجموعة الفتاویٰ علی هامش خلاصة الفتاوی، ج: ۴، ص: ۳۳۱، ط، مکتبه رشیدیه)

وتجوز الصلاة خلف کل بر وفاجر، لقوله علیه السلام: صلوا کل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة کانوا یصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غیر نکیر. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول علی الکراهة، اذ لا کلام فی کراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع. هذا اذا لم یؤد الفسق أو البدعة الی حد الکفر، أما اذا أدی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفیة، الکلام فی العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۲۱): (وتکره امامة العبد والاعمیٰ والفاسق والمبتدع) أی صاحب هوی لایکفر به فان کفر به لایصح الاقتداء به اصلاً کما لایخفی. (الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

بدعتی کی امامت کا حکم

﴿سوال﴾:
بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (۲۲)۔فقط



وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام فى كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع.هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام فى العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

(۲۲):فى ملتقى الأبحر: ويكره امامة العبد والأعرابى والأعمى والقاسق والمبتدع.

وفى مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أى صاحب هوى لايكفر به صاحبه حتى اذا كفر أنه لم تجز أصلا. (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ وكذا فى رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الكتب رياض)

بدعقیدہ شخص کی امامت

﴿سوال﴾:

جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بدعقیدہ ہو پڑھے یا دوسری جگہ پڑھ لے؟

﴿جواب﴾:

جس کے عقیدے درست ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے(۲۳)۔فقط



دائی کے شوہر کی امامت

﴿سوال﴾:

ایک شخص کی بیوی پیشہ دائی کا کرتی ہے اور بے پردہ باہر پھرتی ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جس کی بیوی دائی ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۲۳):قال رسول اللهﷺ: ان سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم علماؤكم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. ورواه الحاكم في مستدركه في فضائل الأعمال عن يحيىٰ بن يعلى به سنداً ومتناً، الا أنه قال فليؤكم خياركم. وسكت عته.
وروى الدار قطني ثم البيهقي في سننهما عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول اللهﷺ: اجعلوا أئمتكم خياركم فانهم وفدكم بينكم وبين الله تعالىٰ، قال البيهقي: اسناده ضعيف، وقال ابن القطان: فيه الحسين بن نصر لايعرف. (البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب في الامامة، ج: ۲، ص: ۳۳۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

بدعتی کے پیچھے جمعہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

اگر بدعتی امام کے پیچھے جمعہ پڑھا ہوتو اس کا اعادہ کرے یا نہیں اگر اعادہ کرے تو کس طرح کرے؟

﴿جواب﴾:

اگر بدعتی امام کے پیچھے جمعہ پڑھا ہوتو اس کا اعادہ نہ کرے (۲۴)۔فقط



امام کا جماعت شروع کرنے میں کسی کا انتظار

﴿سوال﴾:

جو امام مسجد ایسا ہو کہ جس وقت تک مسجد میں ایک یا دو شخص مخصوص نہ آجاویں چاہے جماعت کا وقت معمولہ بھی گزرنے کے قریب ہو اور وقت میں بھی تاخیر ہوتی ہو مگر اپنے دنیاوی نفع کے باعث یا تعلقات کے سبب سے ان اشخاص کا انتظار کرے اور بغیر ان کے جماعت میں تاخیر کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

(۲۴):فی ملتقی الابحر: وتکره امامة العبد والأعرابی والأعمی والفاسق والمبتدع وولد الزنا فان تقدموا جاز.

وفی مجمع الأنهر تحته: (فان تقدموا جاز) لقوله علیه السلام "صلوا خلف کل بر وفاجر" والفاسق اذا تعذر منعه تصلی الجمعة خلفه، وفی غیرها ینتقل الی مسجد آخر وکان ابن عمر وانس رضی الله تعالٰی عنهما یصلیان الجمعة خلف الحجاج مع أنه کان افسق أهل زمانه کما فی التبیین. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

﴿جواب﴾:

اگر بوجہ دنیا کے کسی دنیا دار رئیس کا انتظار کرتا ہے اور حاضرین کی رعایت نہیں کرتا تو امام ومکبر گنہگار ہیں مگر نماز اس کے پیچھے ہو جاتی ہے (۲۵)۔



کسی شخص کی یہ خواہش کہ امام اس کی وجہ سے جماعت میں تاخیر کرے

﴿سوال﴾:

کوئی متولی مسجد یا خادم مسجد ایسا کہتا ہو کہ جب تک ہم اس مسجد میں نہ آجاویں جماعت نہ کھڑی ہو بلکہ بعض مرتبہ اگر کوئی اجنبی شخص وقت نماز معمولہ مسجد میں بعد میں آجائے امام کے مصلیٰ پر تکبیر جماعت کے واسطے کہہ دے تو وہ متولی مسجد خفا ہو اور کہے کہ تو

---

(۲۵):رئیس المحلة لاینتظر مالم یکن شریراً والوقت متسع. (درمختارمع الشامی، کتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۲، ص: ۷۲، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الشامیة: ولوانتظر قبل الصلاة ففی اذان البزازیة: لو انتظرالاقامة لیدرک الناس الجماعة یجوز لواحد بعد الاجتماع لاالا اذا کان داعراً شریراً اھ. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۹۸)

قال: أما الفاسق. فتجوز الصلاة خلفه، لقوله علیه الصلاة والسلام: صلوا خلف کل بر وفاجر، ولأن الصحابة والتابعین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم، لم یمتنعوا عن الجمعة خلف الحجاج مع أنه کان أفسق أهل زمانه. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل السادس فی بیان من أحق بالامامة، ج: ۲، ص: ۱۷۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

نے میری تکبیر اولیٰ قضا کرادی ابھی تو وقت بھی نہ تھا تو نے بغیر ہمارے تکبیر کیوں کہی تو ایسا شخص متولی یا حافظ یا عالم کہ جس نے نماز کو اپنے قبضہ میں کیا ہو نہ یہ کہ متولی پابند نماز ہو تو ایسا شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جو ایسا شخص متولی ہو کہ اپنے واسطے ایسی تاکید کرے اور تاخیر کرے وہ گنہگار ہے اور ایسوں کا انتظار بھی درست نہیں ہاں عوام مسلمین کا انتظار درست ہے۔ بشرطیکہ دوسروں کو جو حاضر ہو چکے ہیں تکلیف نہ ہو اور وقت بھی مکروہ نہ آجائے مگر رئیس اور دنیا داروں کا انتظار نہ کرے وقت پر جب سب یا اکثر حاضر ہو گئے تو نماز پڑھ لیوے (۲۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



امام یا واعظ کا اپنی اجازت کے بغیر امامت یا وعظ نہ کرنے دینا

﴿سوال﴾:

امام مسجد کو یا واعظ مسجد کو اختیار ہے کہ کسی کو بغیر اجازت کے امام جماعت اولیٰ نہ بننے دے یا واعظ اور کسی واعظ کو اپنی مسجد مقبوضہ میں وعظ نہ کہنے دے ایسا مختار ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

امام مسجد اور واعظ اگر کسی کو امام نہ ہونے دے وعظ نہ کہنے دے کسی مصلحت شرعیہ اور

---

(۲۶): وینتظر المؤذن الناس ویقیم للضیعف المستعجل ولاینظر رئیس المحلة و کبیرها کذا فی معراج الدرایة. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب الثانی فی الاذان، الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة و کیفیتهما، ج: ۱، ص: ۵۷)

وفی الشامیة: ولو انتظر قبل الصلاة ففی اذان البزازیة: لو انتظر الاقامة

رفع فساد کے واسطے تو درست ہے کہ انتظام کی بات ہے دوسرے شخصوں کو بھی اس کی رعایت چاہیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ دوسرے کی جگہ میں بدون اذن کے امام نہ بنے (۲۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



لیدرک الناس الجماعة یجوز لواحد بعد الاجتماع لاالا اذا کان داعراً شریراً اھ. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۹۸)

(۲۷):عن أبی مسعود البدریؓ قال: قال رسول اللہﷺ:....ولایؤم الرجل فی بیته ولا فی سلطانه ولایجلس علی تکرمته الا باذنه قال شعبة: فقلت لاسماعیل: ماتکرمته؟ قال: فراشه. وفی البذل تحت هٰذا الحدیث: (ولا یؤم الرجل فی بیته ولا فی سلطانه) أی محل ولایته، أو فی محل یکون فی حکمه، ولذلک کان ابن عمرؓ یصلی خلف الحجاج، وتحریره أن الجماعة شرعت لاجتماع المؤمنین علی الطاعة وتألفهم وتوادهم، فاذا أم الرجل الرجل فی سلطانه أفضی ذلک الی توهین أمر السلطنة وخلع ربقة الطاعة، وکذا اذا أمه فی قومه وأهله أدی ذلک الی التباغض والتقاطع، فلایتقدم رجل علی ذی السلطنة لاسیما فی الاعیاد والجمعات، ولاعلی امام الحی ورب البیت الا بالاذن، نقله القاری عن الطیبی. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، من احق بالامامة، ج: ۳، ص: ۴۵۳، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

فی الدرالمختار: وأعلم أن صاحب البیت ومثله امام المسجد الراتب أولی بالامامة من غیره مطلقاً.

وفی الشامیة تحته: قوله: (مطلقاً) أی وان کان غیره من الحاضرین من هو أعلم وأقرأ منه. (رد المختار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۷، ط، دار عالم الکتب ریاض)

قبرستان میں نماز باجماعت ہوتو سترہ کسی کے لئے ضروری ہے

﴿سوال﴾:

قبرستان میں اگر کوئی شخص امامت کرے اور پیش نظر اس کے کوئی قبر ہوتو سترہ کر لیوے مگر پیش نظر مقتدیوں کے قبر ہوتو نماز مقتدیوں کی جائز ہوگی یا نہیں؟ اور سترہ امام کا اس صورت میں مقتدیوں کو کافی ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

قبرستان میں نماز پڑھے تو سب کے واسطے امام اور مقتدی کو سترہ کی حاجت ہے سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہونا مرد وحیوان اور انسان کے واسطے ہے اور قبور کا حضور مشابہ بشرک وبت پرستی کے ہے اس میں کافی نہیں ہے ہر ہر نمازی کے سامنے پردہ واجب ہے(۲۸)۔ فقط واللہ تعالیٰ



(۲۸):قال الشيخ: وفى الجامع الصغير للامام محمد: ان الصلاة مكروهة اذا كان فى قبلة المصلى قبر الا أن يكون بين المصلى وبينه حائل، أو كان القبر عن يمينه أو عن شماله، قال الراقم: ليس عندى الجامع الصغير والم أجد لفظه فيما عندى من المراجح، وقال فى فتح القدير [۱ :۲۹۷] من المكروهات: ويكره وقدامه عذرة كما يكره أن تكون قبلة المسجد الى حمام أو مخرج أو قبر، فان كان بينه وبين هذه حائل لايكره اهـ. (معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن الارض كلها مسجدا الا المقبرة والحمام، ج: ۳، ص: ۲۹۶، ط، ايجو كيشنل بريس كراتشى)

وتكلموا أيضاً فى معنى الكراهة الى القبر قال بعضهم لان فيه تشبها باليهود و قال بعضهم لان فى المقبرة عظام الموتى وعظام الموتى أنجاس وأرجاس وهٰذا كله اذا لم يكن بين المصلى وبين هٰذه المواضع حائط أو سترة اما اذا كان لايكره.

نوافل کی جماعت کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

نوافل کو باجماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمہ ہے فقہ میں لکھا اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے۔ پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح استسقاء کی درست ہے اور باقی سب مکروہ ہیں (۲۹) کذافی کتب الفقہ۔



(الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمحصف، ج: ۵، ص: ۳۱۹، ۳۲۰)

(۲۹):عن انس بن مالکؓ أن جدته ملیکةؓ دعت رسول اللّٰہﷺ لطعام صنعته له، فأکل منه، ثم قال: قوموا فلأصلی لکم، قال انس فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماء، فقام رسول اللّٰہﷺ وصففت أنا والیتیم وراءه والعجوز من ورائنا فصلی لنا رسول اللّٰہﷺ رکعتین ثم انصرف. (رواه البخاری، کتاب الصلاة علی الحصیر، ص: ۸۳، رقم: ۳۸۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ولایصلی التطوع بجماعة الا فی شهر رمضان، وعن شمس الأئمة السرخسی: أن التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی، أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد، لایکره، واذا اقتدی بواحد، اختلف فیه، وان اقتدی أربعة کره اتفاقاً. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل العاشر فی بیان التطوع، ج: ۲، ص: ۲۹۲، ۲۹۳، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

جماعت ثانیہ کا حکم

﴿سوال﴾:

جماعت دوسری کرنا جائز ہے یا نہیں اور دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے اکیلئے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿جواب﴾:

جماعت دوسری کرنا اس مسجد محلّہ میں جہاں نمازی معین ہیں مکروہ ہے تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے(۳۰)۔ دوسری جماعت کی شرکت سے مگر فساد ہونے کا اندیشہ ہو تو وہاں نہ پڑھے دوسری جگہ چلا جاوے۔



واعلم ان النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه على ماتقدم ماعدا التراويح وصلوة الكسوف والاستسقاء.(غنية المستملى فى شرح منية المصلى، تتمات من النوافل، ص: ۴۳۲)

(وكذا فى اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كراهة الجماعة فى النوافل والوتر سوى التراويح وصلاة الكسوف والاستسقاء والعيدين بالتداعى، ج: ۷، ص: ۸۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(۳۰):قال الشافعى: وانا قد حفظنا أن قد فاتت رجالا معه (ﷺ) الصلاة، فصلوا بعلمه منفردين وقد كانوا قادرين على أن يجمعوا، وان قد فاتت الصلاة فى الجماعة قوماً فجاؤوا المسجد، فصلى كل واحد منهم منفرداً، وقد كانوا قادرين على أن يجمعوا فى المسجد اهـ. ذكره الشافعى رحمه اللّٰه تعالىٰ فى الأم [۱ : ۱۳۶] تعليقا، وجزم به فلا بد أن يكون حجة، وقال فى موضع آخر [۱ : ۱۳۶] من الأم: وانما كرهت ذلك لهم (أى تكرار الجماعة فى المسجد) لأنه ليس مما فعل السلف قبلنا بل قد عابه بعضهم اهـ.

جماعت ثانیہ کا حکم

﴿سـوال﴾:
مسجد میں ایک مرتبہ نماز جماعت اولیٰ کے ساتھ ہوگئی اب تھوڑی دیر کے بعد نمازی اور جمع ہوگئے تو اب دوسری جماعت کی جاوے تکبیر پڑھی جاوے یا نہیں اور اسی مصلیٰ پر یہ

وقال العلامة العثمانیؒ تحته: قوله: قال الشافعی الخ. قلت: المجتهد لایحکی عن السلف أمرا وهو جازم به الا وله أصل صحیح عنده، فقول الشافعی: وانا قد حفظنا الخ، حجة لامحالة، وفیه دلالة صریحة علی أن الصحابة اذا فاتتهم الجماعة کانوا یصلون فرادی من غیر أن یجمعوا الصلاة ثانیة، وقوله: قد عابه بعضهم، یدل علی کراهة الجماعة عند السلف، والمراد بالسلف فی کلام المجتهدین هم الصحابة والتابعون رضی الله عنهم، وبهذا ظهر أن ماحکاه فی رد المحتار عن أنس رضی الله عنه أن أصحابه النبی ﷺ کانوا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی [۱: ۴۱۰] له أصل، لأن الشافعی رحمه الله حفظ ذلک عنهم، فقول بعض الناس: "أنه لا أصل له" رد علیه. (اعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کراهة تکرار الجماعة فی مسجد المحلة، ج: ۴، ص: ۲۸۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

فی الدرالمختار: ویکره تکرار الجماعة بأذان واقامة فی مسجد محلة لافی مسجد طریق أومسجد لا امام له ولامؤذن.

وفی الشامیة تحته: قوله: (ویکره) أی تحریما......یکره تکرار الجماعة فی المسجد محلة بأذان واقامة، الا اذا صلی بهما فیه أو لا غیر أهله أو أهله لکن بمخافتة الأذان، ولو کرر أهله بدونهما أو کان مسجد طریق جاز اجماعا، کما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن یصلی الناس فیه فوجا فوجا. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاه، باب امامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ج: ۲، ص: ۲۸۸، ط، دار عالم الکتب ریاض)

دوسرا امام کھڑا ہو جہاں کہ پہلا کھڑا تھا یا دوسری جگہ فاصلہ دے کر؟

﴿جواب﴾:

مسجد محلّہ میں دوسری جماعت مکروہ ہے۔ثواب جماعت کا اس میں نہیں ملتا (۳۱)۔ فقط



جماعت ثانیہ کا حکم

﴿سوال﴾:

جماعت ثانی مسجد میں درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جماعت مسجد میں دوبارہ کرنا مکروہ ہے منفرد پڑھنا بلا کراہت جائز ہے (۳۲)۔فقط



---

(۳۱):قال: واذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة باذان واقامة لكنهم يصلون وحدانا بغير أذان ولا اقامة. لحديث الحسن قال كانت الصحابة اذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى فى مسجد بغير اذان ولااقامة وفى الحديث أن النبىﷺ خرج ليصلح بين الانصار فاستخلف عبدالرحمٰن بن عوف فرجع بعد ماصلى فدخل رسول اللهﷺ بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان واقامة فلو كان يجوز اعادة الجماعة فى المسجد لما ترك الصلاة فى المسجد والصلاة فيه أفضل وهٰذا عندنا. (المبسوط السرخسى، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط،دار المعرفة بيروت لبنان/ وفى رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاه، باب امامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد، ج: ۲، ص: ۲۸۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۳۲):قال فى كنز العباد نقلا عن الكافى: لايجوز تكرار الجماعة عندنا.

مسجد میں الگ نماز پڑھ کر جماعت کرنے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

مسجد میں نماز الگ پڑھ کر بعد کو ایک شخص کے ہمراہ نماز پڑھنا لینا درست ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

ظہر اور عشاء میں درست ہے(۳۳)۔فقط



وفی الجامع الصغیر: رجل دخل مسجدا قد صلی أهله فیه، فانه یصلی بغیر أذان واقامة، لأن فی تکرار الجماعة تقلیلها بأن کل واحد لایخاف فوت الجماعة، فیکون مکروها، کذا فی القطوف الدانیة لشیخنا المحدث الکنکوهی [ص:۱۳].
(اعلاء السنن، کتاب الصلاة،باب کراهة تکرار الجماعة فی مسجد المحلة، ج: ۴، ص: ۲۷۸، ۲۷۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

فی الدر المختار: ولو فاتته طلبها فی المسجد آخر. الخ.

وفی الشامیة تحته: قوله: (ولو فاتته ندب طلبها) فلاتجب علیه الطلب فی المساجد بلاخلاف بین أصحابنا، بل ان أتی مسجداً للجماعة آخر فحسن، وان صلی فی مسجد حیة منفرداً فحسن. وذکر القدوری: یجمع بأهله ویصلی بهم، یعنی وینال ثواب الجماعة، کذا فی الفتح. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاه، باب امامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد، ج: ۲، ص: ۲۹۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۳۳):ثم بعد اتمامه اقتدیٰ متنفلا ان شاء وهو أفضل لیدرک بها فضیلة الجماعة فی الظهر والعشاء لجواز النفل بعدهما ولو مع الامام ولیس مکروهاً لانه لیس علی سبیل التداعی کما قدمناه، وان شاء لایتطوع لأن الناس فیه بالخیار

رمضان المبارک میں تہجد کی جماعت کا حکم

﴿سوال﴾:

بعض قصبات میں رواج ہے کہ رمضان شریف میں بعض حفاظ نماز تہجد میں باہم قرآن شریف سنتے سناتے ہیں اور دو چار آدمی اور بھی جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کے گھر جا کر جگاتے ہیں اور کسی روز بے اطلاع سب مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں سو یہ جماعت درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

نوافل کی نماز تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح وکسوف واستسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمہ ہے خواہ خود جمع ہوں خواہ بطلب آویں اور تین میں خلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں (۳۴)۔ کذا فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



والأفضل الاقتداء متطوعاً لأنه مشروع فی الظهر والعشاء. (امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الارواح، کتاب الصلاة، باب ادارک الفریضة، ص: ۴۹۶، ط، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

ثم بعد الاتمام اقتدی متنفلاً ان شاء وهو أفضل لعدم لکراهة الا فی العصر والفجر للنهی عن التنفل بعدهما، وفی المغرب للمخالفة. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب ادراک الفریضة، ص: ۴۵۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۳۴): عن انس بن مالکؓ أن جدته ملیکةؓ دعت رسول اللهﷺ لطعام صنعته له، فأکل منه، ثم قال: قوموا فلأصلی لکم، قال انس فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماء، فقام رسول اللهﷺ وصففت أنا والیتیم وراءه والعجوز من ورائنا فصلی لنا رسول اللهﷺ رکعتین ثم انصرف. (رواه البخاری،

وقت مقررہ سے پہلے کی جماعت کا حکم

﴿سوال﴾:

اگر کچھ لوگ قبل وقت معین کے اور امام معین کی جماعت کرلیں۔ بعدہ کچھ نمازی جماعت بعد کو معہ امام معین کے کریں تو جماعت اولیٰ کون سی ہوگی؟

﴿جواب﴾:

اگر چند لوگ وقت معینہ سے پہلے اور امام معین سے الگ اپنی جماعت کرلیں تو اس جماعت معہودو معمولہ قوم میں کراہت نہ آوے گی اور یہی جماعت اولیٰ شمار ہوگی (۳۵)۔



کتاب الصلاة علی الحصیر، ص: ۸۳، رقم: ۳۸۰، ط، دار السلام)

فی الدر المختار: ولایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لو علی سبیل التداعی، بأن یقتدی أربعة بواحد کما فی الدرر.

وفی الشامیة: قوله: (أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنین بواحد فلایکره، وبثلاثة بواحد فیه خلاف. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب والوتر والنوافل، مطب: فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب، ج: ۲، ص: ۵۰۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(وکذا فی اعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کراهة الجماعة فی النوافل والوتر سوی التراویح وصلاة الکسوف والاستسقاء والعیدین بالتداعی، ج: ۷، ص: ۸۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

(۳۵):ولو صلی بعض أهل المسجد باقامة وجماعة ثم دخل المؤذن والامام وبقیة الجماعة فالجماعة المستحبة لهم والکراهة للاولیٰ کذا فی المضمرات. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة الباب الثاني في الاذان، الفصل الاول في صفته

مقرر وقت سے پہلے تکبیر کہنا

﴿سوال﴾:

اگر وقت کی وسعت ہو اور چند آدمی وضو کرتے ہوں اور ایک شخص جلدی کر کے معہ چند آدمیوں کے تکبیر کہہ کر نماز شروع کر دے اور یہ لوگ کوئی تکبیر اولیٰ سے رہ جائے کوئی رکعت سے رہ جاوے تو تکبیر کہنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر وقت کے اندر وسعت ہے اور کوئی ضرورت شرعی بھی نہیں تو ایسے وقت میں تکبیر کا کہنا اگرچہ گناہ نہیں مگر مستحسن بھی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض وقت مسجد میں تشریف لاتے اور قلت لوگوں کی دیکھتے تو کچھ اقامت صلوٰۃ میں توقف فرماتے تھے (۳۶) لہٰذا انتظار

وأحوال المؤذن، ج: ۱، ص: ۵۴)

یکره تكرار الجماعة فى المسجد محلة بأذان واقامة، الا اذا صلى بهما فيه أو لا غير أهله أو أهله. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاه، باب امامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد، ج: ۲، ص: ۲۸۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۳۶):عن محمدبن عمرو ـ وهو ابن الحسن ـ قال: سألنا جابراً عن وقت صلاة رسول الله ﷺ، فقال: كان يصلى الظهر بالهاجرة، والعصر والشمس حية، والمغرب اذا غربت الشمس، والعشاء اذا كثر الناس عجل، واذا قلوا أخر، والصبح بغلس. وفى البذل تحت هٰذا الحديث: (اذا كثر الناس) أى اجتمع الناس فى أول وقتها (عجل، واذا قلوا) أى اذا كانوا فى أول الوقت قليلاً ولم يجتمع أكثرهم (أخر) منتظراً بهم. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب فى وقت صلاة النبى ﷺ وكيف كان يصليها، ج: ۳،ص: ۴۱، ۴۲، ۴۳، رقم: ۳۹۷، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

کرلینا بہتر ہے۔بشرطیکہ پہلے آنے والوں کوکوئی حرج نہ ہو(۳۷)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مقررہ وقت جماعت سے پہلے جماعت کرنا

﴿سوال﴾:

جماعت اوقات معینہ کے قبل اگر کچھ جماعت کرلیں خواہ معینہ جماعت کے یہ لوگ ہوں خواہ باہر کے تو ان کے جماعت ہوگی یا معینہ اوقات والوں کی؟

﴿جواب﴾:

مسجد محلّہ میں حق امام ومؤذن واہل محلّہ کا ہے اور جماعت کرنا ان ہی کو لائق ہے لہٰذا اگر دوسرے لوگ جماعت کریں تو ثواب جماعت کا نہ ہوگا اور جماعت اہل محلّہ کی ہووے گی اگر ان کو جلدی ہے تو دوسری جگہ جا کر جماعت کرلیویں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔اور اگر یہ بھی اسی محلّہ کے ہیں اور چند آدمی ہیں۔جب بھی یہی حکم ہے(۳۸)۔فقط



(۳۷):فی حاشیة الطحطاوی: أما الانتظار قبل الشروع فی غیر مایکره تأخیره کمغرب، وعند ضیق وقت، فالظاهر عدم الکراهة ولو لمعین، الا اذا ثقل علی القوم. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل الشروع فی الصلاة، ج: ۱، ص: ۲۲۰، ط، المکتبة العربیة کوئٹه)

(۳۸):جماعة من أهل المسجد أذنوا فی المسجد علی وجه المخافتة بحیث لایسمع غیرهم وصلوا، ثم حضر قوم من أهل المسجد ولم یعلموا ماصنع الفریق الأول، فأذنوا علی وجه الجهر والاعلان ثم علموا ما صنع الفریق الأول، فلهم أن یصلوا بالجماعة علی وجهها، ولاعبرة للجماعة الأولی، لأنها ما أقمیت علی وجه السنة باظهار الأذان والاقامة، فلایبطل حق الباقین. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی، ج: ۲، ص: ۱۵۶، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

کسی کی تکبیر اولیٰ فوت ہو جائے یا نماز قضا ہو جائے تو اس کی تلافی

سوال:

ایک شخص جماعت کا بلکہ تکبیر اولیٰ کا پابند ہے اب اتفاقاً اس کو کسی وقت تکبیر اولیٰ نہیں ملی اور وقت میں بھی اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ دوسری مسجد میں جا کر شریک تکبیر اولیٰ ہو۔ اب مجبوراً اس کو مسبوق ہونا پڑا۔ اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میں کوئی کام ایسا کروں تا کہ مجھ کو دنیا و مافیہا کے برابر ثواب ہو جاوے جس سے میں یوں سمجھ لوں کہ گویا میری تکبیر اولیٰ گئی ہی نہیں تو وہ کون سا کام ایسا کرے کہ جس سے تکبیر اولیٰ کے جانے کی تلافی ہو جاوے اور اگر نماز قضا ہو جاوے تو سوائے نماز کے اور کون سا کام ایسا کرے جس سے اس کے ثواب کی تلافی ہو جاوے گویا نماز قضا ہوئی ہی نہیں؟ فقط

جواب:

نیت سے ثواب تکبیر اولیٰ کا مل گیا ہے(٣٩) اور قضا نماز کرنے سے تلافی فوت

ولو صلى بعض أهل المسجد باقامة وجماعة ثم دخل المؤذن والامام وبقية الجماعة فالجماعة المستحبة لهم والكراهة للاولى كذا فى المضمرات. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة الباب الثانى فى الاذان، الفصل الاول فى صفته وأحوال المؤذن، ج: ١، ص: ٥٤)

(٣٩):عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: قال الله عزوجل: اذا هم عبدى بسيئة فلاتكتبوها عليه، فان عملها فاكتبوها سيئة، واذاهم بحسنة فلم يعملها فاكتبوها حسنة، فان عملها فاكتبوها عشراً. وفى فتح المهلم تحت هذا الحديث: قوله: (فلم يعلمها)الخ. ظاهر الحديث حصول الحسنة بمجرد الترك، سواء كان ذلك لمانع، ام لا، ويتجه أن يقال: يتفاوت عظم الحسنة بحسب المانع، فان كان خارجيا مع بقاء قصد الذى هم بفعل الحسنة: فهى عظيمة القدر، ولاسيما ان قارنها ندم على تفويتها، واستمرت النية على فعلها عند القدرة.

صلوٰۃ کی ہو جاتی ہے(۴۰)۔فقط



امام کو قعدہ میں پا کر دوسری مسجد میں نماز کیلئے جانا

﴿سوال﴾:

ایک شخص مسجد میں آیا حالت جماعت میں جب تک وضو کیا امام نماز ختم کر کے قعدہ میں تھا وہ شریک قعدہ نہیں ہوا دوسری مسجد میں پوری جماعت کے واسطے چلا گیا لہٰذا اس مسجد سے نکلنے اور شریک جماعت نہ ہونے سے گنہگار ہو گا یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اس نماز کو چھوڑ کر دوسری جگہ جانا گناہ ہے گویا اعراض کیا صلوٰۃ سے لہٰذا اس صلوٰۃ میں شریک ہونا چاہیے کہ صورت اعراض نہ ہو(۴۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



قوله: (فاكتبوها حسنة)الخ: انما كتبت الحسنة بمجرد الارادة، لأن ارادة الخير سبب الى العمل، وارادة الخير خير، لأن ارادة الخير من عمل القلب. (فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الايمان، باب اذا هم العبد بحسنة كتبت واذا هم بسيئة لم تكتب، ج: ۲، ص: ۱۴۳، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

(۴۰):والظاهر أن المراد بالمأثم ترك الصلاة فلايعاقب عليها اذا قضاها، وأما اثم تأخيرها عن الوقت الذى هو كبيرة فباق لايزول بالقضاء المجرد عن التوبة بل لابد منها هٰذا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ج: ۲، ص: ۱۴۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۴۱):لو فاتت احدهم تكبيرة الافتتاح او ركعة او ركعتان ويمكنه ادراكها فى غيره لايذهب اليه لانه صار محرزا فضيلة الجماعة فى مسجده فلا يترك حقه.

فجر کی سنتیں فرض کے بعد پڑھنے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

بعد تکبیر فرض فجر کے شریک جماعت ہوجاوے یا سنت پڑھ کر درصورت پڑھنے کے کس جگہ خارج و غائب مسجد یا داخل مسجد اور درصورت شریک جماعت ہوجانے کے بعد فرض کے سنت پڑھے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر جگہ سنت پڑھنے کی پردہ نہیں تو شریک فرض کی جماعت کا ہوجاوے شرط ادا سنت کی ایسی حالت میں یہ ہے کہ پردہ سے پڑھے اور ایک رکعت امام کے ساتھ پالیوے اور جماعت کے روبرو کھڑے ہوکر پڑھنا سخت معصیت ہے(۴۲)اور جب یہ سنت رہ گئی تو بعد

(غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی، فصل فی احکام المسجد، ص: ۶۱۳)

(۴۲):فی الدر المختار: لایترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجدمکاناً، والا ترکها.

وفی الشامیة تحته: قوله: (عند باب المسجد) أی خارج المسجد کما صرح به القهستانی.....فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد، وأشدها کراهة أن یصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذی یلی ذلک خلاف الصف من غیر حائل. ومثله فی النهایة والمعراج.

قوله: (والا ترکها) قال فی الفتح: وعلی هذا: أی علی کراهة صلاتها فی المسجد ینبغی أن لایصلی فیه اذا لم یکن عند بابه مکان. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب ادراک الفریضة، ج: ۲،ص: ۵۱۰، ۵۱۱،ط، دارعالم الکتب ریاض)

وقال الامام عالم بن العلاء الهندی رحمه اللّٰه تعالیٰ: رجل انتهی الی الامام،

فرض کے کہیں بھی نہ پڑھے بلکہ اگر پڑھتا ہے تو بعد طلوع شمس کے پڑھے کہ نفل ہو جاویں گے (۴۳) بعد فرض فجر کے نفل کو مطلقاً منع حدیث میں فرمایا ہے یہ مسئلہ بھی مختلفہ ہے (۴۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



والناس فی صلاۃ الفجر ان خشی أن تفوته رکعة من الفجر بالجماعة، ویدرک رکعة، صلی سنة الفجر رکعتین عند باب المسجد، ثم یدخل المسجد ویصلی مع القوم، وان خاف أن تفوته الرکعتان جمیعا لو اشتغل بالسنة، یدخل مع القوم فی صلاتهم. (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل الحادی عشر فی التطوع قبل الفرض وبعده الخ، ج: ۲، ص: ۳۰۸، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(۴۳): فان النبی ﷺ صلی رکعتی الفجر ثم صلی الفجر ولان لهذه السنة من القوة مالیس لغیرها قال ﷺ صلوها فان فیها الرغائب وان انفردت بالفوات لم تقض عند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما اللّٰه تعالیٰ لأن موضعها بین الاذان والاقامة وقد فات ذلک بالفراغ من الفرض وعند محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ یقضیها اذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (المبسوط السرخسی، کتاب الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار المعرفة بیروت لبنان)

(وکذا فی التسهیل الضروری لمسائل القدوری، کتاب الصلاۃ، فی ادراک الفریضة، ص: ۷۳، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

(۴۴): عن ابن عباسؓ قال شهد عندی رجال مرضیون وأرضاهم عندی عمر أن النبی ﷺ نهی عن الصلاۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعد العصر حتی تغرب. وفی عمدة القاری تحت هٰذا الحدیث: احتج به أبو حنیفة علی أنه: یکره أن یتنفل بعد صلاۃ الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلاۃ العصر حتی تغرب الشمس، وبه قال الحسن البصری وسعید بن المسیب والعلاء بن زیاد وحمید بن عبدالرحمٰن، وقال النخعی: کانوا یکرهون ذلک، وهو قول جماعة من الصحابة. وقال ابن بطال: تواترت الأحادیث النبی ﷺ: أنه نهی عن الصلاۃ بعد الصبح وبعد

مغرب کی نماز میں تیسری رکعت پانے والا باقی نماز کس طرح ادا کرے

﴿سوال﴾:

ایک شخص نماز مغرب میں تیسری رکعت میں شریک ہوا اور وہ رکعت کامل امام کے ساتھ اس کو ملی۔ بعد سلام امام کے مقتدی کھڑا ہو کر دو رکعت پڑھ کر بیٹھا اور التحیات اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر سلام پھیرا اور اول رکعت میں تشہد میں نہیں بیٹھا اکثر لوگ اس طریقہ کو پسند کرتے ہیں اور اکثر دوسرے طریقہ کو وہ یہ کہ امام کے سلام کے بعد کھڑے ہو کر ایک

العصر. (عمدة القاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب الصلاة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ج: ۵، ص: ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳، رقم: ۵۸۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

قال اذا فاتته رکعتا الفجر لایقضیهما قبل طلوع الشمس، لأنه یبقی نفلاً مطلقاً وهو مکروه بعد الصبح.

وفی البنایة تحته: التنفل مکروه بعد أن یصلی فرض الفجر لما مر بیانه. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الصلاة، باب ادارک الفریضة، ج: ۲، ص: ۵۷۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وأجاز الشافعی وأصحابه وطائفة من السلف۔ منهم: عطاء، وعمرو بن دینار۔ أن تصلی رکعتا الفجر بعد سلام الامام من صلاة الصبح. وأبی ذلک مالک وأکثر العلماء لنهیه ﷺ عن الصلاة بعد الصبح حتی تطلع الشمس. (الاستذکار، کتاب صلاة اللیل، باب ماجاء رکعتی الفجر، ج: ۵، ص: ۳۰۹، ط، دار قتیبة دمشق، ودار الوغی حلب القاهرة)

(وکذا فی شرح الزرقانی علی المؤطا، کتاب صلاة، باب ماجاء رکعتی الفجر، ج: ۱، ص: ۲۳۵، ط، مطبعة الخیریة)

رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھے پھر دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیرے ان دونوں طریقوں میں کونسا طریقہ صحیح و درست ہے اگر دونوں صحیح ہیں تو افضل کونسا ہے جواب بہت جلد مدلل بقرآن وحدیث وفقہ تحریر فرماویں۔ اور وہ رکعت معہ قرأت کے پڑھے یا نہیں اور قرأت سراً پڑھے یا جہراً؟ بینواوتوجروا

﴿جواب﴾:

بعد سلام امام کے مقتدی کھڑا ہوکر الحمد سے سورت ملا کر رکعت پوری کرے اور اس میں التحیات پڑھے درود نہ پڑھے پھر دوسری رکعت میں الحمد سورت کے ساتھ پڑھ کر التحیات مع درود پڑھے پھر سلام پھیرے یہی طریقہ جائز و درست ہے اور سوائے اس کے درست نہیں (۴۵) اور قرأت خواہ سراً پڑھے یا جہراً اختیار ہے (۴۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۴۵): فی التاتارخانية: وان كان مسبوقاً بركعة فی المغرب يقضی ركعة بقراءة وقعد، وان كان مسبوقاً بركعتين يقوم ويصلی ركعة بقراءة، ثم يقعد، وهذه قعدته الأولی، وما قعد مع الامام للمتابعة، ثم يقوم ويصلی ركعة بقراءة. (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل التالث والثلاثون فی بيان حكم المسبوق واللاحق، ج: ۳، ص: ۱۰۶، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

وفی الهندية: لو أدرک ركعة من المغرب قضی ركعتين وفصل بقعدة فيكون بثلاث قعدات. (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق، ج: ۱، ص: ۹۱)

(۴۶): ملتقی الأبحر: وخير المنفرد فی نفل الليل وفی الفرض الجهری ان كان فی وقته.

وفی مجمع الأنهر تحته: (وفی الفرض الجهری ان كان فی وقته) أی اذا اراد المنفرد أداء الجهری خير ان شاء جهر لكونه امام نفسه، وان شاء خافت اذ ليس خلفه من يسمعه. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص:

مقیم نے مسافر کی اقتداء کی تو باقی نماز کس طرح ادا کرے

﴿سوال﴾:

مثلاً نماز ظہر وغیرہ میں مسافر کی مقیم نے اقتداء کی اور فقط قعدہ یا ایک رکعت کو پایا اب باقی رکعتوں میں قرأت کا کیا حکم ہے؟ فقط

﴿جواب﴾:

فقط قعدہ ملنے کی صورت میں اول رکعت میں قرأت نہ پڑھے اور اخیر رکعتوں میں پڑھے اور رکعت ثانی سے تیسری اور چوتھی بلا قرأۃ پڑھے اس واسطے کہ لاحق ہو کر مسبوق ہوا اور لاحق کے ذمہ قرأت نہیں بخلاف مسبوق کے چنانچہ درمختار میں واقع ہے ثم صلی مانام فیه بلا قرأة ثم ماسبق به بها ان کان مسبوقاً (۴۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ سراج الدین فرخ آبادی۔ الجواب صحیح بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (۴۸)۔



۱۵۵، ۱۵۶، ط، دارالکتب العلمیة بیروت لبنان)

أما اذا کان منفرداً ان کانت صلاة یخافت فیها یخافت، وان جهر یکون مسیئا، وان کانت صلاة یجهر فیها فهو بالخیار ان شاء جهر وأسمع نفسه، وان شاء أسر وقرأ فی نفسه، هکذا ذکر فی عامة الروایات. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، فصل فی القراء ة، ج: ۲، ص: ۶۰، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(۴۷): (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۳۴۵، ۳۴۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۴۸):فی الدر المختار: واللاحق من فاتته الرکعات کلها أو بعضها لکن بعد اقتدائه بعذر کغفلة وزحمة وسبق حدث وصلاة خوف ومقیم ائتم بمسافر...ثم صلی ما نام فیه بلاقراء ة، ثم ماسبق به بها ان کان مسبوقاأیضاً.

وفی الشامیة: قوله: (ومقیم الخ) أی فهو لاحق بالنظر للأخیرتین، وقد یکون

امام کے ساتھ جماعت میں کب تک شریک ہوسکتا ہے

﴿سوال﴾:

ایک شخص نے بحوالہ حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب مرحوم بیان کیا کہ مولوی صاحب ممدوح فرماتے تھے کہ اگر امام کے السلام علیکم کہنے سے پیشتر مقتدی اقتداء امام کی کرے تو اقتداء درست ہے آیا یہ مسئلہ آپ کی تحقیق میں درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جواب مولوی احمد علی صاحب مرحوم کا درست ہے خروج عن الصلوٰۃ السلام کی میم کہنے پر ہوتا ہے نہ قبل تلفظ میم (۴۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مسبوقاً أيضا كما اذا فاتته أول صلاة امامه المسافر.

قوله: (ماسبق به بها الخ) أى ثم صلى اللاحق ما سبق به بقراء ة ان كان مسبوقاً أيضاً، بأن اقتدى فى أثناء صلاة الامام ثم نام مثلا، وهذا بيان للقسم الرابع وهو المسبوق اللاحق. وحكمه أنه يصلى اذا استيقظ مثلاً ما نام فيه، ثم يتابع الامام فيما أدرك، ثم يقضى مافاته اهـ. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب فيما لو اتى بالركوع والسجود أو بهما مع الامام أو قبله او بعده، ج: ۲، ص: ۳۴۴، ۳۴۶، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴۹): فى البحر: وفى النوازل: لو قال "السلام" ودخل فى الصلاة لايكون داخلا فثبت أن الخروج لايتوقف على "عليكم".

وفى منحة الخالق تحته: قوله: (لايكون داخلاً) أى لو اقتدى به انسان بعد قوله: "السلام" قبل أن يقول "عليكم" لايصير داخلاً فى صلاته لأنه اقتداء بغير مصل. (البحر الرائق ومعه منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۸۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

آذان کہہ کر لوگ نہ آئیں تو مؤذن کہاں نماز پڑھے

﴿سوال﴾:

خالی مسجد میں اذان کہہ کر بعد انتظار علیحدہ نماز پڑھ لے تو ثواب جماعت کا ہوگا یا نہیں یا کسی اور مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھ لے؟

﴿جواب﴾:

جس مسجد میں اذان کہی ہے اسی میں نماز پڑھنی چاہیے دوسری مسجد نہ جاوے(۵۰)۔فقط



(وكذا فی رد المحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۶۲، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۵۰):عن أبی الشعثاء قال: خرج رجل من المسجد بعد ما أذن فيه بالعصر، فقال أبو هريرة: اما هذا فقد عصی أبا القاسم صلی الله علیه وسلم. وفی العرف الشذی تحت هذا الحديث: يكره الخروج بعد الأذان تحريماً لمن كان داخل المسجد، وهذا الحكم مقتصر علی من كان داخل المسجد. (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی كراهية الخروج من المسجد بعد الأذان، ج: ۱، ص: ۲۱۹، ط، دار أحياء التراث العربی بيروت لبنان)

لولم تحضر جماعته يصلی المؤذن وحده فيه ولايذهب الی مسجد آخر فيه جماعة.(غنية المستملی فی شرح منية المصلی،احكام المسجد، ص: ۶۱۳)

مؤذن مسجد لايحضر مسجده أحد قالوا يؤذن هو ويقيم ويصلی وحده فذلک أحب من أن يصلی فی مسجد آخر. (الفتاوی الخانية علی هامش الفتاوی العالمكيرية، فصل فی المسجد، ج: ۱ ،ص: ۶۷)

غیر آباد مسجد میں نماز کا حکم

﴿سوال﴾:

جس مسجد میں جماعت ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جس مسجد میں جماعت نہیں ہوتی اس میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر اس غیر آباد مسجد میں جا کر اذان و تکبیر سے اپنی الگ نماز پڑھ لے تو بہتر ہے امید ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جماعت ہونے لگے (۵۱) ۔فقط۔



مستقل تارک جماعت کو کیا کہیں گے

﴿سوال﴾:

تارک جماعت فاسق معلن ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جو شخص ترک جماعت ہمیشہ بلا عذر کرتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور جو احیاناً بوجہ عذر ترک کرتا ہو وہ نہیں ہے (۵۲)۔



---

(۵۱): عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: يعجب ربك عزوجل من راعى غنم فى رأس شظية بجبل يؤذن للصلاة ويصلى، فيقول الله عزوجل: انظروا الى عبدى هذا يؤذن ويقيم للصلاة يخاف منى قدغفرت لعبدى وأدخلته الجنة. (سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة، باب الأذان فى السفر، ص: ۱۷۹، ۱۸۰، رقم: ۱۲۰۳، ط، دار السلام رياض)

(۵۲): فى العرف الشذى: الجماعة واجبة فى القول الراجح لنا فتاركها

نابالغ لڑکے صف میں کہاں کھڑے ہوں

﴿سـوال﴾:

نابالغوں کو صف میں کھڑا ہونا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

نابالغ اگر ایک ہو تو اس کو صف کے ایک طرف کھڑا ہونا چاہیے زیادہ ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں صف کے بیچ کھڑے ہونے کا حکم نہیں (۵۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



فاسق. (العرف الشذی شرح سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فیمن یسمع النداء فلایجیب، ج: ۱، ص: ۲۲۹، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

وفی معارف السنن: الجماعة واجبة عندنا فی القول الراجح، وقد تقدم أن الوجوب عندنا غیر الفرضیة، وسبق تفصیل المذاهب والأقوال فی حکم الجماعة...وکذا تقدم بیان أعذار ترک الجماعة، فتارکها فاسق. (معارف السنن، کتاب الصلاة، باب ماجاء فیمن سمع النداء فلایجیب، ج: ۲، ص: ۲۶۶، ط، ایجوکیشنل بریس کراتشی)

(۵۳):ثم یصف الصبیان لقول أبی مالک الأشعری أن النبی ﷺ صلی، وأقام الرجال یلونه، وأقام الصبیان خلف ذلک، وأقام النساء خلف ذلک، وان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال. (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الامامة، ص: ۳۰۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ویقتضی أیضاً أن الصبی الواحد لایکون منفرداً عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، وأن محل هذا الترتیب انما هو حضور جمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان. (البحر الرائق، باب الامامة، ج: ۱، ص: ۶۱۸، ط،

ایک بالغ مقتدی کے ساتھ کئی نابالغ مقتدی کیسے کھڑے ہوں

سوال:

جماعت میں ایک مقتدی بالغ ہو اور باقی لڑکے نابالغ ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں؟

جواب:

سب لڑکے مقتدی کے پاس کھڑے ہوں اگر قریب بلوغ ہوں (۵۴) اور سب چھوٹے ہوں تو مقتدی امام کی برابر اور لڑکے پیچھے کھڑے ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بدعتیوں کی مسجد میں نماز نہ پڑھنا

سوال:

ایسی مسجد میں کہ لوگ وہاں بدعات وممنوعات وغیرہ مثلاً تثویب بعد اذان کہتے ہوں جانا اور نماز جماعت میں شریک ہونا چاہیے یا نہیں؟ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر وحضرت علی

دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵۴):في الشامية: قال: وكذا لو كان المقتدى رجلاً وصبياً يصفهما خلفه لحديث أنس "فصففت أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا". (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۳۱۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في البحر الرائق، باب الامامة، ج: ۱، ص: ۶۱۸، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۱، ص: ۲۴۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

رضی اللہ عنہم ایک مسجد میں تثویب سن کر چلے آئے تھے اور فرمایا تھا کہ نکلو اس بدعتی کی مسجد سے چنانچہ ترمذی شریف اور فتح القدیر و بحر الرائق وغیرہ میں ہے۔

روی عن مجاهد قال دخلت مع عبداللّٰه بن عمر مسجد او قد اذن فيه فثوب المؤذن فخرج عبدالله بن عمر رضى الله عنه من المسجد وقال اخرج بنا من هذا المبتدع (۵۵). اور فتح القدیر بحر الرائق عینی شرح کنز وغیرہ میں ہے۔ روى ان عليا رضى الله عنه راى مؤذنا يثوب فى العشاء فقال اخرجوا هذا المبتدع من المسجد(۵٦).

﴿جواب﴾:

یہ بدعت فی العمل تھی اگرچہ گناہ ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز اولیٰ نہیں (۵۷) مگر

---

(۵۵):(جامع الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر، ص: ۵۵، رقم: ۱۹۸، ط، دار السلام رياض/ وفتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۲۵۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ والبحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۴۵۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵٦):(فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۲۵۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/ والبحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۴۵۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵۷):فی مراقی الفلاح: (وكره امامة العبد)..... (والمبتدع) بارتكابه ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من علم أو عمل أو مال بنوع شبهة، أو استحسان" وروى محمد عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبى يوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز والصحيح أنها تصح مع الكراهة خلف من لاتكفره بدعته، لقوله صلى الله عليه وسلم: "صلوا خلف كل بر وفاجر وصلوا على كل بر وفاجر وجاهدوا مع كل بر وفاجر". رواه الدارقطني كما فى البرهان. (مراقى

چونکہ اس زمانہ میں اتقی الناس بہت تھے اور جگہ جگہ ایسے شخص متقی کا اقتداء حاصل ہوسکتا تھا اور کوئی حرج نہ تھا تو آپ چلے آئے مگر اب یہ امر نہیں تو ایسے جزوی امور پر تشدد مناسب نہیں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجاج کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ جب مدینہ میں آیا تھا حالانکہ وہ فاسق تھا (۵۸)۔لہٰذا اب بھی ایسے نازک وقت میں جزوی امور پر ترک جماعت کرنا موجب زیادہ نزاع کا ہے اس سے پرہیز رکھے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



بعد نماز سر پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کا وظیفہ

﴿سوال﴾:

بعض لوگوں کو بندہ نے اکثر دیکھا ہے بعد نماز فرضوں کے ہاتھ سر پر رکھ کر دعائیں پڑھتے ہیں ارشاد فرماویں کہ وہ کیا دعائیں ہیں؟ فقط۔

﴿جواب﴾:

بعد فرض کے مقدم رأس پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے **بسم اللہ الذی لا الہ الاھو الرحمٰن الرحیم اللّٰھم اذھب عنی الھم والحزن** (۵۹)۔اس کی تصحیح کسی عالم سے

الفلاح مع حاشية الطحطاوی، کتاب الصلاة فصل فی بیان الأحق بالامامة، ص: ۳۰۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۵۸):فی مجمع الأنهر:(فان تقدموا جاز) لقوله علیه السلام ”صلوا خلف کل بر وفاجر“ والفاسق اذا تعذر منعه تصلی الجمعة خلفه، وفی غیرها ینتقل الی مسجد آخر وکان ابن عمر وانس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما یصلیان الجمعة خلف الحجاج مع أنه کان افسق أهل زمانه کما فی التبیین. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۵۹):عن أنس بن مالکؓ أن النبی ﷺ کان اذا صلی وفرغ من صلاته مسح

کرالینا زیروزبر کی درستی وہ کردیویں گے۔فقط والسلام



دھوبی کے پاس سے کپڑا بدل کرآنے کا مسئلہ

سوال:

کسی کا کپڑا دھوبی کے پاس سے جاتا رہے اور وہ دھوبی کسی کا کپڑا اس کا بدل کر دیدے اس کپڑے کو لینا اور اس سے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

اگر کپڑا دھوبی کے یہاں بدلا گیا تو اگر اپنا کپڑا اچھا ہے اس کپڑے سے یا مساوی ہے اس سے نماز پڑھنا اور استعمال کرنا اس کا درست ہے اور اپنا خراب تھا یہ اچھا آیا تو درست نہیں (٦٠) بعد تحقیق تمام اگر نشان نہ لگے تو خود حاجت مند ہے تو استعمال کرے ورنہ

بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم اللّٰهم اذهب عنى الهم والحزن، وفى رواية مسح جبهته بيده اليمنى وقال فيها اللّٰهم اذهب عنى الغم والحزن. رواالطبرانى فى الأوسط والبزار بنحوه بأسانيد وفيه زيد العمى وقد وثقه غير واحد وضعفه الجمهور، وبقية رجال أحد اسنادى الطبرانى ثقات وفى بعضهم خلاف. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب الأذكار، باب الدعاء فى الصلاة وبعدها، ج: ١٠، ١١٠، ط، دار الكتاب العربى بيروت لبنان/ وكذا فى مجمع البحرين فى زوائد المعجمين، كتاب الأدعية، باب الدعاء عقب الصلوات، ج: ٨، ص: ٣٤، ط، مكتبة الرشد رياض)

(٦٠):وعن أبى حرة الرقاشى، عن عمه، قال: قال رسول اللهﷺ: ألا لاتظلموا، ألا لايحل مال امرئ الا بطيب نفس منه. رواه البيهقى فى شعب الايمان، والدار قطنى فى المجتبىٰ. وفى المرقات تحت هٰذا الحديث: (لايحل مال امرئ) أى مسلم أو ذمى (الا بطيب نفس) أى بأمر أو رضا. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة

صدقہ کردیوے(٦١)۔



امامت تراویح یا فرائض کے لئے عمر کا تعین

﴿سوال﴾:

اگر حافظ بلا اجرت کا واسطے رمضان کے قرآن سنانے کو نہ ملے اور حافظ نابالغ بلا اجرت کا ملے تو اس کا نابالغ کی امامت جائز ہے یا نہیں دیگر یہ کہ امامت فرائض یا تراویح کے واسطے کم از کم کتنی عمر کا امام ہوسکتا ہے کیا جب تک کہ اس کا احتلام ہوا ہو؟

﴿جواب﴾:

نابالغ کی امامت حسب اصل مذہب درست نہیں (٦٢) اس لئے ایسے موقع میں

المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ج: ٦، ص: ١٣٤، ١٣٥، رقم: ٢٩٤٦، ط، دار الكتب رياض)

(٦١):اخرج ابن أبى شيبة عن الحسن قال: اذا كان اليها محتاجاً فليأكلها.
(المصنف لابن أبى شيبة، كتاب البيوع والأقضية، باب مارخص فيه من اللقطة، ج: ٧، ص: ٤٥٠، رقم: ٢١٩٤٩، ط، مكتبة الرشد رياض)

وان كان الملتقط محتاجا فله أن يصرف اللقطة الى نفسه بعد التعريف.
(الفتاوى الثاتارخانية، كتاب اللقطة، الفصل الثاني: فى تعريف اللقطة ومايصنع بها بعد التعريف، ج: ٧، ص: ٤٢٨، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(وكذا فى مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، كتاب اللقطة، ج: ٢ ،ص: ٥٢٩، ٥٣٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٦٢):فلايصح اقتداء بالغ بصبى مطلقاً سواء كان فى فرض لأن صلاة الصبى ولونوى الفرض نفل، أو فى نفل لأن نفله لايلزمه أى، ونفل المقتدى لازم مضمون عليه فيلزم بناء القوى على الضعيف....و قال بعض المشايخ: يصح اقتداء البالغ

سورت سے تراویح پڑھ لیں پندرہ سالہ لڑکا قابل امامت ہے۔ اگر چہ کوئی علامت اس میں ظاہر نہ ہو(٦٣)۔



بالصبی فی التراویح، والسنن المطلقة، والنفل، والمختار عدم الصحة، بلاخلاف بین أصحابنا نقله السید عن العلامة مسکین. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الامامة، ص: ۲۸۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۱، ص: ۶۲۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی، کتاب الصلاة، من لایصح الاقتداء به، ص: ۵۱۶)

(٦٣):عن نافع عن ابن عمرؓ: قال: عرضنی رسول اللهﷺ یوم أحد فی القتال. وانا ابن اربع عشرة سنة. فلم یجزنی. وعرضنی یوم الخندق، وأنا ابن خمس عشرة سنة. فأجازنی.

قال نافع: فقدمت علی عمر بن عبدالعزیز، وهو یومئذ خلیفة. فحدثته هٰذا الحدیث. فقال ان هٰذا لحد بین الصغیر والکبیر. فکتب الٰی عماله أن یفرضوا لمن کان ابن خمس عشرة سنة. ومن کان دون ذٰلک فاجعلوه فی العیال.

وقال شیخ الاسلام العلامة محمد تقی العثمانی دامت برکاتهم تحت هذا الحدیث: قوله: (ان هذا لحد بین الصغیر والکبیر) به استدل من جعل سن البلوغ خمس عشرة سنة فی الغلام والجاریة جمیعاً، وهو قول الأوزاعی، والشافعی وأحمد بن حنبل وأبی یوسف، ومحمد رحمهم الله، کما فی المغنی لابن قدامة [۴: ۵۱۴]، وبه قال ابن وهب، وأصبغ وعبدالملک بن ماجشون، وعمر بن عبدالعزیز، وجماعة من أهل المدینة، واختاره ابن العزبی کما فی تفسیر القرطبی [۵: ۳۵]، وهو المفتی به عند المشایخ الحنفیة. (تکمة فتح الملهم، کتاب الامارة، باب سن

بدعتی کے پیچھے جو جمعہ پڑھا جائے اس کا اعادہ کیوں نہ کیا جائے

﴿سوال﴾:

والا نامہ سابقہ میں حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ بدعتی کے پیچھے کی نماز کا اعادہ اولیٰ ہے اس عریضہ سے پہلے عریضہ کے جواب میں نماز جمعہ کے اعادہ کو منع فرمایا لہٰذا اس کا کیا مطلب ہے کیا ظہر اس کا اعادہ نہیں ہے یا دیگر ہی اوقات کا اعادہ ہے؟

﴿جواب﴾:

بدعتی کے پیچھے کی نماز کا اعادہ اس صورت میں ہے کہ اس نماز کے بعد اسی قسم کے نوافل مکروہ نہ ہوں اور جمعہ کو اگر اعادہ کیا جائے گا تو بوجہ اشتراط جماعت وخطبہ وغیرہا جمعہ ادا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جمعہ کا اعادہ نہیں۔ فقط



داڑھی منڈانے والے کی امامت

﴿سوال﴾:

داڑھی منڈانے والے کے پیچھے فجر وعصر کا نماز پڑھ کر اعادہ نماز کرنا اولیٰ ہے یا نہ کرنا اعادہ کا اولیٰ ہے؟ فقط

البلوغ، ج: ۳، ص: ۳۱۷، ۳۱۸، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

فی الدر المختار: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزل والأصل هو الانزل والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ولم يذكر الانزال صريحا لأنه قلما يعلم منها فان لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، به يفتى.

وفی الشامیة تحته: قوله: (وبه يفتى) هذا عندهما، وهو رواية عن الامام، وبه قالت الأئمة الثلاثة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ج: ۹، ص: ۲۲۶، ط، دار عالم الكتب رياض)

﴿جواب﴾:

فاسق کا امام بنانا حرام ہے اوراس کے پیچھے اگر کوئی نماز پڑھے تو بکراہت تحریم ادا ہوجاتی ہے اور اگر اس کا ثبوت کفر ہوجائے تو ہرگز نماز نہیں ہوتی (۶۴) اول تو اس کے پیچھے نہ پڑھے اور اگر پڑھ ہی لے تو اعادہ کرلینا اچھا ہے بعض فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر اور فجر کے بعد بھی جائز ہے۔



جس شخص کے یہاں پردہ شرعی نہ ہو اس کی امامت

﴿سوال﴾:

مسئلہ جس شخص کے یہاں پردہ نہ ہو وہ امامت کے قابل ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

جس کے یہاں پردہ شرعی نہ ہووے اس کی امامت درست نہیں ہے (۶۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۶۴): وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر، لقوله عليه السلام: صلوا كل بر و فاجر. ولأن علماء الأمة كانوا يصلون خلف الفسقة، وأهل الهواء، والبدع، من غير نكير. وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلاة خلف البدع فمحمول على الكراهة، اذ لا كلام فى كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع. هذا اذا لم يؤد الفسق أو البدعة الى حد الكفر، أما اذا أدى اليه فلا كلام فى عدم جواز الصلاة خلفه. (شرح العقائد النسفية، الكلام فى العقائد المتفرقة، ص: ۳۶۹، ط، مكتبة البشرىٰ كراتشى)

(۶۵): فى مراقى الفلاح: ولذا كره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانته شرعاً، فلايعظم بتقديمه للامامة، واذا تعذر منعه ينتقل عنه الى غيره

قاتل کی امامت

﴿سوال﴾:
خونی قتل کرنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
خونی نے اگر اپنے فعل سے توبہ کر لی ہے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے(٦٦)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم



مسجده للجمعة وغيرها وان لم يقم الجمعة الا هو تصلى معه.

وفى حاشية الطحطاوى تحته: قوله: (فتجب اهانته شرعاً فلايعظم بتقديمه للامامة) تبع الزيلعى، ومفاده كون الكراهة فى الفاسق تحريمة. (حاشية الطحطاوى على المراقى الفلاح شرح نور الايضاح، كتا ب الصلاة، فصل فى بيان الأحق بالامامة، ص: ٣٠٢، ٣٠٣، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٦٦):عن أبى عبيدة بن عبدالله عن ابيه قال قال رسول اللهﷺ التائب من الذنب كمن لاذنب له.وقال العلامة السندى تحت هذا الحديث: قوله: (التائب من الذنب) اطلاق الذنب بشمل الذنوب كلها، فيدل الحديث على أن التوبة مقبولة من أى ذنب كان. وظاهر الحديث يدل على أن التوبة اذا صحت بشرائطها فهى مقبولة.. (كفاية الحاجة فى شرح سنن ابن ماجة مع مصباح الزجاجة، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ص: ١٥٦١، رقم: ٤٢٥٠، ط، بيت الافكار الدولية المملكة السعودية)

ملفوظات

الزاق مناکب والقدم کا مطلب

﴿۱﴾ الزاق مناکب والقدم سے اتصال صفوف ومحاذات اعضا مراد ہے اور جو حقیقت لحوق مراد ہوتو کعب با کعب کس طرح متصل ہوسکتا ہے کہ آدمی اوپر سے عریض قدم کے پاس سے دقیق اگر اقدام کو فراخ کرے اور پھیلا کر رکھے تو خشوع کے خلاف ہے اور موجب کلفت کا ہے اور حکم تراصوا فی الصفوف دلیل محاذات اور اتصال صفوف ہے(٦٧)۔واللہ تعالیٰ اعلم



پابند رسوم کفار کی امامت

﴿۲﴾ جو شخص رسوم کفار کا پابند ہو اور شریک ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی (٦٨)۔

---

(٦٧):عن أبی القاسم الجدلی قال: سمعت النعمان بن بشیر یقول: أقبل رسول اللہ ﷺ علی الناس بوجهه فقال: أقیموا صفوفکم ثلاثا، واللہ لتقیمن صفوفکم أو لیخالفن اللہ بین قلوبکم. قال: رأیت الرجل یلزق منکبیه بمنکب صاحبه، ورکبته برکبة صاحبه، وکعبه بکعبه. وفی البذل تحت هذا الحدیث: (قال) أی نعمان بن بشیر: (فرأیت الرجل) أی من الصحابة المصلین بالجماعة بعد صدور ذلک القول من رسول اللہ ﷺ (یلزق) أی یلصق (منکبه بمنکب صاحبه، ورکبته برکبة صاحبه، وکعبه بکعبه) ولعل المراد بالالزاق المحاذاة، فان الزاق الرکبة بالرکبة، والکعب بالکعب فی الصلاة مشکل، وأما المنکب بالمنکب فمحمول علی الحقیقة. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، ج: ۳، ص: ٦٠٨، رقم: ٦٦٢، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

(٦٨):فی ملتقی الأبحر: ویکره امامة العبد والأعرابی والأعمی والفاسق

فقط واللہ تعالیٰ اعلم



جماعت ثانیہ کا حکم

﴿۳﴾ جماعت ثانیہ مکروہ ہے لہٰذا علیحدہ پڑھ لینا اولیٰ ہے (۶۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



والمبتدع.

وفی مجمع الأنهر تحته: (والمبتدع) أی صاحب هوی لایكفر به صاحبه حتی اذا كفر أنه لم تجز أصلا. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ۱۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۶۹):قال: واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة باذان واقامة لكنهم يصلون وحدانا بغير أذان ولا اقامة. لحديث الحسن قال كانت الصحابة اذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلی فی مسجد بغير اذان ولااقامة وفی الحديث أن النبی ﷺ خرج ليصلح بين الانصار فاستخلف عبدالرحمٰن بن عوف فرجع بعد ماصلی فدخل رسول الله ﷺ بيته وجمع أهله فصلی بهم بأذان واقامة فلو كان يجوز اعادة الجماعة فی المسجد لما ترك الصلاة فی المسجد والصلاة فيه أفضل وهٰذا عندنا. (المبسوط السرخسی، كتاب الصلاة، باب الأذان، ج: ۱، ص: ۱۳۵، ط،دار المعرفة بيروت لبنان)

(وكذا فی رد المحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاه، باب امامة، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد، ج: ۲، ص: ۲۸۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

طمع دنیار کھنے والے کی امامت

﴿۴﴾ نماز اس امام کے پیچھے ادا ہو جاتی ہے اگر چہ وہ طمع دنیا رکھتا ہے اس کے پیچھے پڑھ لینا چاہیے جدا پڑھنے سے بہر حال بہتر ہے (۷۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۷۰): فی البحر: وفی الفتاوی: لو صلی خلف فاسق أو مبتدع ینال فضل الجماعة لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع.... فان أمکن الصلاة خلف غیرهم فهو أفضل والا فالاقتداء أولی من الانفراد. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۱، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل السادس فی بیان من هو أحق بالامامة، ج: ۲، ص: ۲۵۲، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(وکذا فی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الامامة، ج: ۲، ص: ۳۰۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

باب سنتوں اور نفلوں کا بیان

فجر کی سنتیں قبل طلوع آفتاب پڑھنا

﴿سوال﴾:

صبح کو بعد فرائض کے اگر دو سنتیں اول کی رہ گئی ہوں تو قبل طلوع آفتاب پڑھ لے یا نہیں؟ اس میں آپ کی رائے شریف کیا ہے اور سوائے قول امام صاحبؒ کے آپ کو حدیث سے کیا ثابت ہوا۔ آیا پڑھنا یا نہ پڑھنا؟

﴿جواب﴾:

بندہ کے نزدیک سب احادیث جمع کر کے راجح نہ پڑھنا ہے کہ حجت اس کی قوی ہے(۱)۔



(۱): عن أبی هريرة رضی الله عنه، قال: كان النبی صلی الله علیه وسلم اذا فاتته ركعتا الفجر صلاهما اذا طلعت الشمس. أخرجه الطحاوی فی "مشكل الآثار" له، وقال: اسناده أحسن من اسناد حديث قيس بن فهد، كذا فی المعتصر من المختصر من مشكل الآثار [ص: ۴۲] والطحاوی حافظ حجة امام فی الجرح والتعديل، عده السيوطی فی حسن المحاضرة له فی حفاظ الحديث ونقاده [۱ : ۱۴۷]، فتحسينه اسناد هٰذا الحديث حجة.

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ تحت هذا الحديث: قوله: "عن أبی هريرة الخ". قلت: فيه دلالة علی أنه صلی الله تعالی عليه وسلم كان يقضيهما اذا فائتا بعد طلوع الشمس، ولايخفی أن تأخير الصلاة عن وقت الأداء مكروه، فلو كان ما بعد صلاة الفجر الی طلوع الشمس وقتا لهما لم يؤخرهما صلی الله علیه وسلم عن الوقت، فثبت كراهة أدائهما بعد فرض الفجر قبل طلوع ذكاء. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب قضاء السنن الأوراد، ج: ۷، ص: ۱۳۳، ۱۳۴، ادارة القرآن والعلوم

فجر کی سنتیں بعد طلوع آفتاب پڑھ سکتے ہیں یا نہیں

﴿سوال﴾:

فجر کی سنت اگر قبل از فرض ادا نہ ہوئی ہوں تو بعد طلوع آفتاب کے ان کا ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

بعد طلوع آفتاب اگر سنن ادا کرے تو اولیٰ ہے کوئی ضروری نہیں ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



عیدین کے روز اشراق وچاشت کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

عیدین کے روز نماز اشراق اور چاشت پڑھنا چاہئے یا نہیں پڑھنے کی حالت میں تو کچھ حجت نہیں اگر نہ پڑھنے کا حکم ہے تو اس کی لم کیونکر اور کس طرح پر ہے؟

﴿جواب﴾:

الاسلامية كراتشى)

(۲): فى المبسوط: فان النبى صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم صلى ركعتى الفجر ثم صلى الفجر ولان لهذه السنة من القوة ماليس لغيرها قال صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم صلوها فان فيها الرغائب وان انفردت بالفوات لم تقض عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما اللّٰه تعالىٰ لأن موضعها بين الاذان والاقامة وقد فات ذلك بالفراغ من الفرض وعند محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ يقضيها اذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (المبسوط السرخسى، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

قبل عیدین نوافل ثابت نہیں (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



تہجد واشراق کی قضاء کا مسئلہ

سوال:

آج کی تاریخ سے ذکر موافق معمول سابق کرتا ہوں جب بیمار ہوا تھا تب سے اکثر اوقات لیٹ کر ذکر خفی کیا نہ حضور قلب ہوا نہ وضو رہتا تھا بلکہ فقط لفظ اللہ زبان سے کہہ دیتا تھا لہٰذا ذکر بے وضو میں حصول مقصد میں تو کچھ دیر نہیں ہوتی ایک روز نماز تہجد واشراق بھی قضاء ہوئی اس کی قضاء ہے یا نہیں؟

جواب:

قضاء تہجد کی واجب ہے نہ چاشت اشراق کی نہ ذکر کی مگر اس قدر نوافل یا مقدار ذکر دوسرے وقت پورے کر لئے جاویں تو مستحب اور ثواب سے خالی نہیں ہے (۴)۔فقط



(۳):وأما الثانی قبلها فهو مكروه، وأطلقه فشمل ما اذا كان فی المصلی أو فی البيت، ولاخلاف فيما اذا كان المصلی. واختلفوا فيما اذا تنفل فی البيت فعامتهم علی الكراهة وهو الأصح كما فی غاية البيان....ودليل الكراهة ما فی الكتب الستة عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبیﷺ خرج فصلی بهم العيد لم يصل قبلها ولابعدها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ج: ۲، ص: ۲۷۹، ۲۸۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/وكذا فی رد المحتار علی الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، ج: ۳، ص: ۵۰، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴):عن ابن شهاب أن السائب بن يزيد وعبيد الله أخبراه أن عبدالرحمٰن بن عبد قالا: عن ابن وهب: ابن عبد القاری قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول: قال رسول اللهﷺ: من نام عن حزبه أو عن شیء منه فقرأه ما بين صلاة الفجر وصلاة

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھیں یا کھلے رکھیں

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ التسبیح میں قومہ میں ہاتھ باندھ کر تسبیح پڑھنا اولیٰ ہے یا ہاتھ کھول کر؟

﴿جواب﴾:

ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہیے (۵)۔فقط



ظہر و مغرب کی نوافل کا ثبوت

﴿سوال﴾:

نماز نفل دو رکعت جو فرضوں کے بعد وقت ظہر اور وقت مغرب پڑھے جاتے ہیں اس کا ثبوت کس کتاب حدیث یا فقہ سے ہے؟

الظهر كتب له كأنما قرأه من الليل. وفى بذل المجهود تحت هذا الحديث: (قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول: قال رسول الله ﷺ: من نام عن حزبه) أى فاته كله لغلبة النوم (أو عن شئ منه) أى فاته بعضه (فقرأه) أى الحزب (مابين صلاة الفجر وصلاة الظهر كتب له) أى عند الله (كأنما قرأه من الليل) فيثاب بثواب قراءة الليل. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الصلاة،باب من نام عن حزبه، ج: ۵، ص: ۵۵۵، ۵۵۶، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

(۵):ويرسل اليدين فى القومة بعد الرفع من الركوع باتفاق ائمتنا كذا قال الصدر الشهيد حسام الدين فى واقعاته. (غنية المستملى فى شرح منية المصلى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ص: ۳۲۰)

ويرسل فى القومة الركوع وبين تكبيرات العيد. (الجوهرة النيرة على مختصر القدورى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۶۰، ط، مكتبه امداديه ملتان)

﴿جواب﴾:

بعد فرض مغرب کے دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں جملہ احادیث سے ثابت ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور ماسوائے اس کے جو نوافل ہیں وہ مشروع ہیں (۶)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



جمعہ کے بعد کی رکعات

﴿سوال﴾:

بعد جمعہ کے کتنی رکعت مسنون ہیں؟

﴿جواب﴾:

---

(۶):عن عبداللّٰہ بن شقیق قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہﷺ من التطوع، فقالت: كان يصلى قبل الظهر اربعاً فى بيتى، ثم يخرج فيصلى بالناس، ثم يرجع الى بيتى فيصلى ركعتين، وكان يصلى بالناس المغرب ثم يرجع الى بيتى فيصلى ركعتين، وكان يصلى بهم العشاء ثم يدخل بيتى فيصلى ركعتين...الخ. (رواه ابو داؤد، كتاب التطوع، باب تفريع أبواب التطوع، ص: ۱۸۸، رقم: ۱۲۵۱، ط، دار السلام رياض)

فى المحيط البرهانى: والتطوع بعد المغرب ركعتان، لحديث ابن عباس رضى اللّٰه تعالى عنهما قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم يصلى ركعتين بعد المغرب يطيل القراء ة فيهما حتى يتفرق الناس. وعن سعيد بن جبير رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أنه قال: لو تركت ركعتى المغرب لخشيت أن لايغفرلى، ولأنه واظب عليها رسول اللّٰہﷺ فكان سنة. (المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل الحادى عشر فى التطوع قبل الفرض وبعده، ج: ۲، ص: ۲۳۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

چھ رکعت چار ایک سلام اور دو ایک سے (۷) فقط۔



(۷):عن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰهﷺ: اذا صلی احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعا. وفی فتح الملهم تحت هٰذا الحديث: قال ابن الملک: وهٰذا يدل علی كون السنة بعدها أربع ركعات، وعلی الشافعی فی قول. وهو قول أبی حنيفة ومحمد، وعن أبی يوسف: أن السنة بعدها ست، جمعا بين الحديثين، أو لما روی عن علی: أنه قال: من كان مصليا بعد الجمعة فليصل ستاً. وهو مختار الطحاوی. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ج: ۵، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، ط، دار أحيا التراث العربی بيروت لبنان)

فی المحيط البرهانی: والتطوع قبل الجمعة أربع ركعات، لحديث ابن عمر رضی اللّٰه تعالی عنهما: أن رسول اللّٰهﷺ كان يتطوع قبل الجمعة أربع ركعات. وقد اختلفوا فی التطوع بعدها، فعن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالی عنه: أنها أربع، وبه أخذ ابو حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالی، وعن علی رضی اللّٰه تعالی عنه: أنه يصلی بعدها ستا، أربعاً، ثم ركعتين، وبه أخذ أبو يوسف والطحاوی وكثير من المشايخ رحمهم اللّٰه تعالی، علی هذا قال الشيخ الاسلام الأجل شمس الأئمة الحلوانی رحمه اللّٰه تعالی: الأفضل أن يصلی أربعا، ثم ركعتين، فقد أشار الی أنه مخير بين تقديم الأربع، وبين تقديم المثنی، لكن الأفضل تقديم الأربع، كيلا يصير متطوعاً بعد الفرض مثلها. (المحيط البرهانی، كتاب الصلاة، الفصل الحادی عشر فی التطوع قبل الفرض وبعده، ج: ۲، ص: ۲۳۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

سنتوں کے بعد قضا عمری کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

فجر وظہر کی سنتوں کے بعد قضاء عمری میں نماز نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور نماز قضاء عمری اور فجر کی سنتوں کا اندھیرے میں پڑھنا کہ جہاں سجدہ کی جگہ نہ رکھتی ہو۔ یعنی اول وقت پڑھنا جائز ہے یا نہیں یا مکروہ؟

﴿جواب﴾:

سنتوں کے بعد قضاء ونفل درست ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ سنت وفرض کے درمیان اور کچھ فاصلہ نہ ہوا یسے ہی بعد کی سنتیں اولیٰ یہ ہے کہ فرضوں کے ساتھ متصل پڑھے (۸)۔فقط



(۸): اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ فجر اور ظہر کے سنتوں سے ماقبل اور ان کے مابعد قضاء نمازیں پڑھنا جائز ہے، البتہ نفل پڑھنے کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر طلوع فجر کے بعد تک نفل پڑھنا جائز نہیں، البتہ ظہر کے سنتوں سے ماقبل اور مابعد نفل پڑھنا بلاشبہ جائز ہے۔

اخرج ابن أبی شیبة عن عبداللّٰہ بن عمرو قال: قال رسول اللّٰہﷺ لاصلاة بعد طلوع الفجر الا رکعتین قبل صلاة الفجر. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، باب من کرہ اذا طلع الفجر أن یصلی أکثر من رکعتین، ج: ۳، ص: ۳۳۳، رقم: ۷۴۳۸، ط، مکتبة الرشد ریاض)

فی التبیین: (وبعد طلوع الفجر بأکثر من سنة الفجر) أی یکرہ أن یتطوع بعد ماطلع الفجر قبل الفرض بأکثر من سنة الفجر لقوله علیه الصلاة لیبلغ شاهدکم غائبکم الا لاصلاة بعد الصبح الا رکعتین رواه احمد وأبو داؤد.....ولو صلی قضاء فی هذا الوقت جاز لان النهی عن التنفل فیه. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب مواقیت الصلاة، ج: ۱، ص: ۸۷، ط، مکتبه امدادیه ملتان)

عشاء کے بعد کی نوافل کس طرح پڑھے

﴿سوال﴾:

ایک شخص دریافت کرتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے بعد نفل بیٹھ کے پڑھے ہیں یا کھڑے ہو کے؟

﴿جواب﴾:

رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کے نفل ادا فرمائے (۹) مگر اور جو شخص بیٹھ کر پڑھے تو اس کو نصف ثواب ملے گا (۱۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



فی القدوری: ویکره أن یتنفل بعد صلاة الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلاة العصر حتی تغرب الشمس ولابأس بأن یصلی فی هذین الوقتین الفوائت، ویسجد للتلاوة، ویصلی علی الجنازة.

وفی اللباب تحته: (ولابأس بأن یصلی فی هذین الوقتین) المذکورین (الفوائت، ویسجد للتلاوة، ویصلی علی الجنازة) لأن النهی لمعنی فی غیر الوقت، وهو کون الوقت کالمشغول بفرض الوقت حکما، وهو أفضل من النفل، فلایظهر فی حق فرض آخر مثله، فلایظهر تأثیره الا فی کراهة النافلة. (اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الصلاة، باب الأوقات التی تکره فیها الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۰۰، ط، دار السراج المدینة المنورة)

(۹):عن أم سلمة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین. رواه الترمذی، وزاد ابن ماجة: خفیفین وهو جالس. (مشکاة المصابیح مع مرقات المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الوتر، الفصل الثالث، ج: ۳، ص: ۳۲۱، رقم الحدیث: ۱۲۸۴ ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

(۱۰):عن أنس بن مالک أن رسول الله ﷺ خرج فرأی اناسا یصلون قعوداً

وتر کے بعد نوافل کس طرح پڑھے

﴿سوال﴾:

وتر کے بعد جو دو نفل پڑھتے ہیں وہ کھڑے ہوکر پڑھے یا بیٹھ کر اور ان دونوں صورتوں میں سے ثواب کس میں ہے بحالت بیٹھ کر پڑھنے کی کیا وجہ ہے کہ ان نوافل کے ثواب کو کھڑے ہوکر نفل جو پڑھے جاویں ان پر ترجیح ہو؟

﴿جواب﴾:

اگر کھڑے ہوکر پڑھے گا تو پورا ثواب ہوگا اور اگر بیٹھ کر پڑھے گا تو آدھا ثواب ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر آپ کو بیٹھ کر پڑھنے میں بھی ثواب پورا ہوتا تھا(۱۱)۔ فقط



فقال صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم. وفی اهداء الديباجة تحت هذا الحديث: ويجوز فی النافلة الصلاة قاعداً لغير عذر، ويكون أجره على النصف من أجر القائم. (اهداء الديباجة بشرح سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، ج: ٢، ص: ٤٥، ٤٧، رقم: ١٢٣٠)

فی نور الايضاح: يجوز النفل قاعدا مع القدرة على القيام، لكن له نصف أجر القائم الا من عذر.

وفی امداد الفتاح تحته: (لكن له) أی: للتنفل جالساً (نصف أجر القائم) لقوله ﷺ: من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد. رواه الجماعة الا مسلما. الخ. (امداد الفتاح شرح نور الايضاح ونجاة الارواح، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة النفل جالساً والصلاة على الدابة، ص: ٤٤٦، ٤٤٧، ط، مكتبه رشيديه كوئٹه)

(۱۱):عن عبدالله بن عمرو قال: حدثت ان رسول الله ﷺ قال: صلاة الرجل

تہجد کی رکعات

﴿سوال﴾:
تہجد میں کتنی رکعت ہیں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ؟

قاعدا نصف الصلاة قال: فاتيته فوجدته يصلي جالسا، فوضعت يدى على رأسه. فقال: مالك يا عبدالله بن عمرو؟ قلت: حدثت يا رسول الله! أنك قلت: صلاة الرجل قاعداً على نصف الصلاة وأنت تصلى قاعداً! قال: اجل، ولكنى لسيت كأحد منكم. وفى فتح الملهم تحت هذا الحديث: قوله: (أجل، ولكنى لست) الخ: أى: قلت ذلك، ولكن الفرق أنى لست كأحدكم. قال عياض يعنى ليس كأحدكم فى السلامة من العذر، لأنه انما فعله للمشقة التى لحقته فى آخر عمره من كبر سنه، وحطم الناس، وما كانﷺ ليدع الأفضل لغير عذر، ويحتمل أن يريد: لست كأحدكم فى الحكم، بل أجرى قاعداً كأجرى قائما، ويكون هذا من خصائصهﷺ، وقد خص بأشياء.

قال النووى: هذا مذهبنا فى هذا الحديث، والأول باطل، لأنه لاتبقى معه خصوصية لهﷺ، لأن من غيره من ذوى الأعذار أجره مع العذر كامل. اهـ.

قال ابن عابدين: اما النبىﷺ فمن خصائصه أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كافلته قائما. (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعداً، ج: ۴، ص: ۴۹۱، ۴۹۴، ط، دار أحياء التراث العربى بيروت لبنان)

فى مراقى الفلاح: ولكن له أى للمتنفل جالساً (نصف أجر القائم) لقولهﷺ: من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلى قاعداً فله نصف أجر القائم.

وفى حاشية الطحطاوى تحته: قوله: (ولكن له نصف أجر القائم) يستثنى منه صاحب الشرعﷺ كما ورد عنهﷺ: فان أجر صلاته قاعداً كأجر صلاته قائما فهو خصوصياته. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى

﴿جواب﴾:
تہجد میں کم از کم دو رکعت سنت ہے اور زیادہ سے زیادہ جس قدر پڑھ لے درست ہیں مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علاوہ وتر آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں ہیں (۱۲) فقط۔



صلاة النفل جالساً والصلاة على الدابة، ص: ۴۰۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۲):فى الدر المختار: وصلاة الليل، وأقلها على مافى الجوهرة ثمان.

وفى الشامية تحته: قوله: (وأقلها على ما فى الجوهرة ثمان) قيد بقوله: "على ما فى الجوهرة" لأنه فى الحاوى القدسى قال: يصلى ما سهل عليه ولو ركعتين، والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات اهـ. والتقييد بأربع تسليمات مبنى على قول الصاحبين، وأما الامام فلا، كما ذكره فى الحلية، وقال فيها أيضاً: وهذا بناء على أن أقل تهجده صلى الله عليه وسلم كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثمانى ركعات أخذاً مما فى مبسوط السرخسى. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ج: ۲، ص: ۴۶۷، ۴۶۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

ملفوظات

تہجد کا کوئی خاص طریقہ نہیں

﴿۱﴾ تہجد کا کوئی طریق خاص نہیں، آپ کی عادیت تھی کہ بعد نصف شب کے اٹھتے (۱۳) اور وضو کر کے اول دو رکعت خفیفہ پڑھ کر پھر دو رکعت کی نیت کر کے قرآن کثیر اس میں پڑھتے تھے۔ گاہ آٹھ رکعت یہ اکثر ہوا گاہ دس رکعت گاہ چھ رکعت اور بعد رکعات تہجد کے وتر پڑھتے تھے (۱۴)۔ فقط جب تکبیر فجر کے فرض کی ہو تو سنت چھوڑ کر فرض میں

---

(۱۳): عن مسروق قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللهﷺ، فقلت لها: أی حین کان یصلی؟ قالت: کان اذا سمع الصراخ قال فصلی. وفی البذل تحت هذا الحدیث: (أی حین) من اللیل (کان) رسول اللهﷺ (یصلی قالت: کان اذا سمع الصراخ) أی صوت الدیک (قام فصلی) وأکثر مایصیح الدیک فی الحجاز بعد نصف اللیل، قاله الطیبی، وکان هذا أکثر أوقاته. (البذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب وقت قیام النبیﷺ من اللیل، ج: ۵، ص: ۵۶۰، رقم: ۱۳۱۷، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

(۱۴): عن زید بن خالد الجهنی أنه قال: لأرمقن صلاة رسول اللهﷺ اللیلة قال: فتوسدت عتبته او فسطاطه فصلی رسول اللهﷺ رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین ثم صلی رکعتین، وهما دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین دون اللتین قبلهما ثم صلی رکعتین دون اللتین قبلهما، ثم صلی رکعتین دون اللتین قبلهما، ثم أوتر، فذلک ثلاث عشرة رکعة. وقال العلامة العینیؒ تحت هذا الحدیث: قوله: "أوتر" أی: بعد أن صلی عشر رکعات، رکعتین رکعتین، وهذا صریح أن الوتر ثلاث رکعات. (شرح سنن أبی داؤد للعینی، کتاب التطوع، باب صلاة اللیل، ج: ۵، ص: ۲۶۷، ۲۶۸، رقم: ۱۳۳۶، ط، مکتبة الرشد ریاض)

فی المبسوط: ان النبیﷺ کان یصلی باللیل خمس رکعات سبع رکعات

شریک ہوجاوے مگر جوسنت کوایسی جگہ پڑھ سکے کہ سب کی نظر سے غائب ہواور جماعت کی ایک رکعت بھی مل جاوے تو سنت پڑھ کر شریک ہو۔ مسجد میں سنت ہرگز نہ پڑھے اور سنت رہ جاویں تو بعد آفتاب چڑھنے کے چاہے پڑھ لیوے ورنہ ضرورت نہیں (۱۵)۔ جہاں جمعہ

تسع رکعات احدی عشرة رکعة ثلاث عشرة رکعة. الذی قال خمس رکعات رکعتان صلاة اللیل وثلاث وتر اللیل والذی قال تسع ست صلاة اللیل وثلاث وتر والذی قال ثلاث عشرة رکعة ثمان صلاة اللیل وثلاث وتر ورکعتان سنة الفجر. (المبسوط السرخسی، کتاب مواقیت الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۵۸، ط، دار المعرفة بیروت لبنان)

(۱۵):فی الدر المختار: لایترکها بل یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکاناً، والا ترکها.

وفی الشامیة تحته: قوله: (عند باب المسجد) أی خارج المسجد کما صرح به القهستانی.....فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد، وأشدها کراهة أن یصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذی یلی ذلک خلاف الصف من غیر حائل. ومثله فی النهایة والمعراج.

قوله: (والا ترکها) قال فی الفتح: وعلی هذا: أی علی کراهة صلاتها فی المسجد ینبغی أن لایصلی فیه اذا لم یکن عند بابه مکان. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب ادراک الفریضة، ج: ۲،ص: ۵۱۰، ۵۱۱،ط،دار عالم الکتب ریاض)

وقال الامام عالم بن العلاء الهندی رحمه اللّٰه تعالیٰ: رجل انتهی الی الامام، والناس فی صلاة الفجر ان خشی أن تفوته رکعة من الفجر بالجماعة، ویدرک رکعة، صلی سنة الفجر رکعتین عند باب المسجد، ثم یدحل المسجد ویصلی مع القوم، وان خاف أن تفوته الرکعتان جمیعا لو اشتغل بالسنة، یدخل مع القوم فی

درست ہے وہاں احتیاط ظہر کی کچھ حاجت نہیں اور جہاں جمعہ درست نہیں وہاں فرض ظہر کے جماعت سے پڑھے جمعہ نہ پڑھے۔ انگریز کی عملداری جمعہ کو مانع نہیں (۱۶)۔ مرادآباد میں جمعہ درست ہوتا ہے احتیاط ظہر نہ پڑھو (۱۷)۔ فقط والسلام



صلاتهم. (الفتاوى الناتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادى عشر فى التطوع قبل الفرض وبعده الخ، ج: ۲، ص: ۳۰۸، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

وفى المبسوط: فان النبىﷺ صلى ركعتى الفجر ثم صلى الفجر ولان لهذه السنة من القوة ماليس لغيرها قالﷺ صلوها فان فيها الرغائب وان انفردت بالفوات لم تقض عد أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما اللّٰه تعالٰى لأن موضعها بين الاذان والاقامة وقد فات ذلك بالفراغ من الفرض وعند محمد رحمه اللّٰه تعالٰى يقضيها اذا ارتفعت الشمس قبل الزوال. (المبسوط السرخسى، كتاب الصلاة، ج: ۱، ص: ۱۶۲، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۱۶):فى الفيض: وقد صرح اصحابنا أن الملك اذا صار دار الحرب يجمع بهم من اتفق عليه القوم، هكذا فى المبسوط. (فيض البارى،كتاب الجمعة، باب الجمعة فى القرى والمدن، ج: ۲، ص: ۴۲۴، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)وفى الهندية: ولو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس على رجل يصلى بهم الجمعة جاز كذا فى التهذيب. (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۶)

(۱۷):اقول: وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وانما وضعها المتأخرين عد الشك فى صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فى مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختاره، وليس هذا القول. أعنى اختيار صلاة الأربع بعدها. مرويا عن أبى حنيفة وصاحبيه حتى وقع لى أن أنى أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً على اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص:

بعد وتر نفل کھڑے ہوکر پڑھنا

﴿۲﴾ بعد وتر نفل کھڑے ہوکر پڑھنا زیادہ ثواب ہے، بہ نسبت بیٹھ کر پڑھنے کے اور مالابد کی اس روایت کا اعتبار نہیں ہے(۱۸)۔



۲۴۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۸):عن أنس بن مالک أن رسول اللهﷺ خرج فرأی اناسا یصلون قعوداً فقال صلاة القاعد علی النصف من صلاة القائم. وفی اهداء الدیباجة تحت هذا الحدیث: ویجوز فی النافلة الصلاة قاعداً لغیر عذر، ویکون أجره علی النصف من أجر القائم. (اهداء الدیباجة بشرح سنن ابن ماجة، کتاب الصلاة، باب صلاة القاعد علی النصف من صلاة القائم، ج: ۲، ص: ۴۵، ۴۷، رقم: ۱۲۳۰)

(وکذا فی امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الارواح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة النفل جالساً والصلاة علی الدابة، ص: ۴۴۶، ۴۴۷، ط، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

باب تراویح کا بیان

تراویح کے رکعات کی تعداد پر مفصل بحث

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ تہجد اور صلوٰۃ تراویح دو نماز ہیں یا ایک اور صلوٰۃ تراویح کی جو بیس رکعت پڑھتے ہیں آیا یہ مسنون ہیں یا بدعت اور قرون ثلثہ میں سے کسی عالم کی رائے بست رکعت کے بدعت ہونے کی ہوئی ہے یا نہیں اور ائمہ مجتہدین کا اس میں کیا مذہب ہے؟ بینوا توجروا

﴿جواب﴾:

حامداً و مصلیاً اقول و باللہ التوفیق کہ نماز تہجد اور نماز تروایح ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں کہ تہجد ابتداء اسلام میں تمام امت پر فرض ہوا اور بعد ایک سال کے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان و غیر رمضان میں جاری رہا۔ قال اللّٰہ تعالیٰ یایھا المزمل قم الیل الآیۃ(۱). عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حدیث طویل میں کہ تہجد بعد فرض ہونے کے نفل ہو گیا۔ چنانچہ ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

قال قلت حدثینی عن قیام الیل قالت الست تقرأ یایھا المزمل قال قلت بلی قالت فان اول ھذا السورۃ نزلت فقام اصحاب رسول اللہ ﷺ حتی انتفخت اقدامھم وحبس خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھرا ثم نزل اخرھا فصار قیام الیل تطوعا بعد فریضۃ (۲). الی آخر الحدیث. اس سے

(۱):(سورۃ المزمل: ۱، ۲)

(۲):(سنن أبی داؤد، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل، ص: ۲۰۰، رقم: ۱۳۴۲، ط، دار السلام ریاض)

ثابت ہوا کہ تہجد قبل ہجرۃ ابتداء اسلام میں تطوعاً شروع ہو چکا تھا اور اس پر سب صحابہ تطوعاً رمضان وغیر رمضان میں عملدرآمد رکھتے تھے اور تراویح کا اس وقت میں کہیں وجود نہیں تھا پھر بعد ہجرت کے جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا اوراس میں **جعل اللّٰه صيامه فريضة وقيامه تطوعا الى اخر الحديث** (۳). اس روایت کو مشکوٰۃ نے بیہقی سے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان اس وقت تنفلا مقرر ہوااور اس سے یہ سمجھنا کہ تہجد جو سابق سے تطوع تھا اس کا ذکر فرمایا ہے بعید ہے کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس طرح فرماتے کہ نماز تہجد اب بھی نفل ہی ہے یا مثل اس کے کچھ الفاظ فرماتے اس واسطے کہ تہجد پہلے سے رمضان میں جاری تھا پھر اب اس کا ذکر کرنا کیا ضرور تھا۔ جیسا دیگر صلوٰت فرض ونفل کا کچھ ذکر نہیں فرمایا۔ البتہ بعض احادیث میں اعمال رمضان کی فضیلت فرمائی ہے اور اس فقرہ میں کوئی فضیلت کی بات نہیں بلکہ دوسری صلوٰۃ نفل کی مشروعیۃ کا ذکر ہونا ظاہر ہے اور دوسری روایت سنن ابن ماجہ کی اس طرح پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **كتب اللّٰه عليكم صيامه وسنت لكم قيامه** (۴). اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو تطوعاً مقرر فرمایا حالانکہ تہجد خود بحکم خدا تعالیٰ قبل اس سے نفل ہو چکا تھا اور قیام رمضان کو خود رسول اللہ ﷺ نے تنفل فرمایا سو اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ تہجد تراویح تشریعاً دو نماز ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں۔

اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول اللہ ﷺ سے اور رسول اللہ ﷺ نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے ثم

---

(۳):(مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الثالث، ص: ۱۷۳، ط، قديمى كتب خانه كراتشى)

(۴):(سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى قيام رمضان، ص: ۹۴، ط، قديمى كتب خانه كراتشى)

قلت فای حین کان یقوم من اللیل قالت کان اذا سمع الصارخ (۵). اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللہ ﷺ فلم یقم بنا شیئا من الشہر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل فما کان السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتی شطر اللیل فقلت یارسول اللہ ﷺ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ فلما کانت الرابعۃ لم یقم بنا حتی بقی ثلث الیل فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ والناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بقیۃ الشھر. (ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ) (۶). پہلی اور دوسری دفعہ میں تو نصف لیل تک فراغت پائی اور تیسرے دن اول سے لے کر اخیر شب تک ادا فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے کبھی بہ تداعی جماعت نہیں فرمائی اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں جیسا کہ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ خود ایک دفعہ آپ کے پیچھے جا کھڑے ہوئے تھے (۷)۔ بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار

---

(۵):(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومۃ علی العمل، ص: ۱۳۶۵، رقم: ۶۴۶۱، ط، دار السلام ریاض / صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، ص: ۳۰۰، رقم: ۱۷۳۰، ط، دار السلام ریاض)

(۶):(مشکوۃ المصابیح، باب قیام شھر رمضان، الفصل الثانی، ص: ۱۱۴، ط، قدیمی کتب خانہ کراتشی)

(۷):عن کریب مولی ابن عباسؓ: أن ابن عباسؓ أخبرہ: أنہ بات لیلۃ عند

تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا۔

چنانچہ اسی حدیث ابوذرؓ سے واضح ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان تہجد میں فرماتی ہیں۔ واعلم مارایت نبی اللہ ﷺ قرأ القرأن کله في ليلة واحدة ولاصلى الى الصبح الى اخر الحديث (۸). اور یہ ان کی تحدید صلوٰۃ تہجد میں ہے ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذرؓ سے خود ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خود اس کا علم ہے اس واسطے کہ آپ نے اپنی سب اہل ونساء کو جمع کیا تھا پھر باوجود اس امر کے جو آپ انکار احیاء تمام لیل کا فرماتی ہیں تو یہ کہنا کہ آپ کو خبر نہیں یا نسیان ہوا نہایت بے جا ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ انکار احیاء تمام لیل کا صلوٰۃ تہجد میں وارد ہوا کیونکہ سعد بن ہشام روای حدیث صلوٰۃ تہجد ہی کو پوچھتے تھے اور اسی

ميمونة أم المؤمنين وهي خالته. قال: فاضطجعت في عرض الوسادة، واضطجع رسول الله ﷺ في طولها، فنام رسول الله ﷺ حتى اذا انتصف الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل استيقظ رسول الله ﷺ، فجلس فمسح النوم عن وجهه بيده، ثم قرأ العشر يعني الآيات الخواتيم من سورة آل عمران، ثم قام الى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه، ثم قام يصلي، قال عبدالله بن عباس: فقمت فصنعت مثل ما صنع، ثم ذهبت فقمت الى جنب. فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني اليمنى ففتلها، فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر بواحدة. ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح. (رواه أبوعوانة في مسند أبي عوانة، كتاب الصلوات، باب بيان صفة قيام رسول الله ﷺ بالليل، ج: ۲، ص: ۵۱، رقم: ۲۲۸۰، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

(۸):(صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل، ومن نام عنه أو مرض، ص: ۳۰۱، رقم: ۱۷۳۹، ط، دار السلام رياض)

کے باب میں آپ نے یہ امر فرمایا تھا چنانچہ مسلم میں روایت موجود ہے نہ تراویح میں کہ اس کا یہاں ذکر ہی نہیں تھا علیٰ ہذا جو ام سلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد ماہ رمضان کا ہے غرض ان کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللہ ﷺ کا رمضان میں بہ نیت اور شہور کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں؟ بخاری میں ہے۔ عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن انه سال عائشة كيف كانت صلوٰة رسول اللهﷺ فی رمضان فقالت ماكان يزيد فی رمضان ولا فی غيره علی احدی عشرة ركعة يصلی اربعا فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثا فقلت يا رسول الله اتنام قبل ان توتر قال يا عائشة ان عينی تنامان ولاينام قلبی (۹). کیونکہ ظاہر متبادر اس حدیث سے یہ ہے کہ ابوسلمہ نے خاص قیام رمضان کا سوال کیا اور حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ رمضان میں کوئی خاص نماز نہیں تھی۔ بلکہ رمضان وغیرہ رمضان میں ہر روز گیارہ رکعت پڑھتے تھے اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے تھے اور ہیئت پڑھنے کی یہ تھی کہ چار رکعت پڑھی اور سو گئے پھر چار رکعت پڑھی اور سو گئے پھر تین وتر پڑھے اور دائماً یہی عادت تھی رمضان و غیر رمضان میں اس کے خلاف نہیں۔ پس اگر اس کے یہی معنی ہیں تو یہ حدیث بہت سی روایات کے معارض ہوتی ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ خود آپ ہی سے تیرہ رکعت روایت فرماتی ہیں۔ چنانچہ موطا امام مالک میں ہے عن عائشةؓ قالت كان رسول اللهﷺ يصلی بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلی اذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين (۱۰) اور حضرت ابن عباسؓ خود تیرہ رکعت تہجد کی غیر رمضان میں نقل کرتے ہیں

(۹):(صحيح البخاری، كتاب التهجد، باب قيام النبیﷺ بالليل فی رمضان وغيره، ص: ۲۲۵، رقم: ۱۱۴۷، ط، دار السلام رياض)

(۱۰):(موطا امام مالک، مع أوجز المسالک، كتاب صلاة الليل، باب صلاة النبیﷺ فی الوتر، ج: ۲، ص: ۵۸۳، ط، دار القلم دمشق)

اور بعض دیگر صحابیؓ بھی تیرہ رکعت روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہیئت صلوٰۃ کی بھی خلاف اس ہیئت مذکورہ فی حدیث عائشہؓ کے ہے۔ چنانچہ مسلم میں بذیل روایت طویلہ ابن عباسؓ سے مروی ہے قال ابن عباسؓ فقمت فصنعت مثل ما صنع رسول اللہ ﷺ ثم ذهبت فقمت الى جنبه فوضع رسول اللہ ﷺ يده اليمنى على راسى واخذ باذنى اليمنى يفتدها فصلى ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم اوتر ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن فقام فصلى ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح (۱۱). اور ایک دوسری روایت میں ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو مسلم میں موجود ہے۔ فقام فصلى فقمت عن يساره فاخذ بيدى فادارنى عن يمينه فتمت صلوٰة رسول اللہ ﷺ من الليل ثلث عشرة ركعة ثم اضطجع فنام حتى نفخ الى اٰخر الحديث (۱۲). اور زید بن خالد الجہنی سے مسلم میں روایت ہے۔ عن زيد بن خالد الجهنى انه قال لارمقن صلوٰة رسول اللہ ﷺ فصلى ركعتين خفيفتين ثم ركعتين طويلتين طويلتين طويلتين ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما ثم صلى ركعتين وهما دون اليتن قبلهما ثم اوتر فذلك ثلث عشرة ركعة (۱۳). دیکھو یہ احادیث ثلاثہ عدد رکعات اور ہیئت ادا دونوں میں خلاف اس حدیث عائشہؓ کے ہیں۔ اور

---

(۱۱): (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبى ﷺ ودعائه بالليل، ص: ۳۰۹، رقم: ۱۷۸۹، ط، دار السلام رياض)

(۱۲): (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبى ﷺ ودعائه بالليل، ص: ۳۰۹، رقم: ۱۷۸۸، ط، دار السلام رياض)

(۱۳): (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبى ﷺ ودعائه بالليل، ص: ۳۱۳، رقم: ۱۸۰۴، ط، دار السلام رياض)

اوپر حدیث ابوذرؓ سے معلوم ہوا کہ تین روز جو آپ نے نماز رمضان میں پڑھی اگر چہ اس کے عدد رکعات معلوم نہیں مگر ہرگز اس میں چار چار رکعت پڑھ کر آپ نہیں سوئے اور تین روز دوسری رمضان میں جو بجماعت نماز پڑھی اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہوئی اور حدیث میں شدۃ اجتہاد عبادت رمضان کا مذکور ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ جب سب شہور کی صلوٰۃ لیل برابر تھی تو پھر شدۃ اجتہاد کے کیا معنی اور جن روایتوں میں آیا ہے رمضان میں خصوصاً عشرہ اخیرہ میں نہیں سوتے تھے وہ بھی اس کے خلاف ہے چنانچہ بخاری میں ہے **اذا دخل العشر شد میرزہ واحیی لیلۃ وایقظ اھلہ** (۱۴) **الحدیث.** اور بیہقی نے روایت کیا ہے **اذا دخل رمضان لم یأت فراشہ حتی ینسلخ** (۱۵)**الحدیث .**

ان دونوں حدیثوں سے شدۃ اجتہاد وعبادت اور احیائے تمام لیل حاصل ہے نہ مساوات رمضان وغیر رمضان کی اور حضرت عائشہؓ نے جو بیان تہجد رسول اللہ ﷺ کا سعد بن ہشام سے کیا وہ بھی اس روایت کے خلاف ہے چنانچہ روایت طویلہ میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔**فقالت کنا نعد لہ سواکہ وطھورہ فیبعثہ اللّٰہ ماشاء ان یبعثہ من اللیل فیتسوک ویتوضأ ویصلی تسع رکعات لایجلس فیھا الا فی الثامنۃ فیذکر اللہ ویحمدہ ویدعوہ ثم ینھض ولایسلم ثم یقوم فیصلی التاسعۃ ثم یقعد فیذکر اللّٰہ ویحمدہ ویدعوہ ثم یسلم تسلیما یسمعنا ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وھو قاعد فتلک احدی عشرۃ رکعۃ یابنی الخ**(۱۶).

(۱۴):(صحیح البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب العمل فی العشر الأواخر فی رمضان، ص: ۳۹۸، رقم: ۲۰۲۴، ط، دار السلام ریاض)

(۱۵):(الجامع لشعب الایمان، الثالث والعشرون من شعب الایمان وھو باب فی الصیام، فضائل شھر رمضان، ج: ۵، ص: ۲۳۴، رقم: ۳۳۵۲، ط، مکتبۃ الرشد ریاض)

(۱۶):(صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع صلاۃ اللیل، ومن نام عنہ أو مرض، ص: ۳۰۱، ۳۰۲، رقم: ۱۷۳۹، ط، دار السلام ریاض)

حاصل نفی زیادہ رکعات کی گیارہ سے اور ہیئت خاص مخدوش ہوتی ہے لہٰذا حق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ابوسلمہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ کا اجتہاد وعبادت زیادہ ہوتا تھا تہجد رمضان کو پوچھا تھا کہ آیا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا یا نہیں تو حضرت عائشہؓ نے زیادہ تہجد کی نفی کی صلوٰۃ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں نہ سوال میں نہ جواب میں۔ اور گیارہ رکعت کا ذکر اکثر یہ ہے کہ کلیہ کہ اکثر تہجد کی رکعات آپ کی گیارہ ہوتی تھیں۔ اگرچہ احیاناً اس سے زیادہ بھی پڑھی ہیں تو اس حدیث میں نہ احیاناً زیادہ تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے بلکہ ذکر ان عدد رکعات کا ہے جو اکثر اوقات تہجد رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا۔

اور بعد اس کے یہ جملہ یصلی اربعا الخ(۱۷). یہ دوسرا امر ہے جس سے آپ کی قوت عبادت پر تنبیہ منظور ہے کہ نوم و یقظہ آپ کے اختیار میں تھا جب چاہیں جاگیں جب چاہیں سوئیں اور آپ احیاناً ایسا کرتے تھے نہ اس ہیئت کو خصوصیت رمضان سے ہے نہ لزوم ان رکعات سے بلکہ یہ بعض اوقات کی حالت کا بیان ہے اور یہ مستقل جملہ ہے چونکہ قاعدہ بلاغت میں مقرر ہو چکا ہے کہ عطف جملہ کا جملہ پر اس وقت کرتے ہیں کہ ہر دو جملوں میں بعض وجہ سے اتصال اور بعض وجہ سے انفصال ہو اگر بالکل اتصال ہو یا بالکل انفصال ہو تو حرف عطف ذکر نہیں کرتے پس یہاں حرف عطف ذکر نہ کرنا بوجہ کمال انفصال ہے نہ بوجہ کمال اتصال چونکہ بیان شدت اجتہاد تھا اور وجہ سے اس کلام کو آپ نے ذکر کیا ورنہ جواب ان کے سوال کا جو عدد رکعات تہجد رمضان کا استفسار تھا وہ تمام ہو چکا تھا۔ پس اس تقریر پر نہ معارضہ احادیث سے زیادہ کافی رہا اور نہ ہیئت کا اور نہ احیاء تمام لیل کا سب احادیث مطابق واقع کے اور باہم موافق ہو گئیں اور یہی مراد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہے پس معلوم ہوا کہ تمام شب نماز نہ پڑھنا تہجد کے واسطے ہے اور پڑھنا تراویح کے واسطے اور بخاری نے

(۱۷):(صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ، ص: ۲۲۵، رقم: ۱۱۴۷، ط، دار السلام ریاض)

جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت اُبی کرار ہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کرائی ہوئی تھی۔ دیکھ کر فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون (۱۸) تو اس سے یہی اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں کیونکہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو تم یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے اور چونکہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کو تہجد کو نہیں اٹھتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا اول وقت میں ترواتح اور آخر میں تہجد ادا کریں ورنہ اس تراویح کو اہی اخیر وقت میں پڑھیں کہ فضیلت بھی حاصل ہو جاوے اور آخر وقت کی تراویح سے تہجد بھی حاصل ہو جائے کہ بتداخل صلوٰتین دونوں نماز کا ثواب ملتا ہے اور اس سے افضلیت وقت بھی معلوم ہوگئی۔ چنانچہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے صراحتہ یہ ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں واللہ اعلم مگر فعل بعض صحابہ سے اس کا نشان ملتا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے قیس بن طلق سے روایت کی ہے۔ فلما زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان

---

(۱۸): عن عبدالرحمٰن بن عبد القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط، فقال عمر: انی أری لو جمعت هٰولاء علی قارئ واحد لکان أمثل، ثم عزم فجمعهم علی اُبی بن کعب. ثم خرجت معه لیلة اُخری والناس یصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون، یرید آخر اللیل. وکان الناس یقومون أوله. (صحیح البخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، ص: ۳۹۶، رقم: ۲۰۱۰، ط، دار السلام ریاض)

وامسی عندنا وافطر ثم قام بنا تلک الیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجده فصلی باصحابه حتی اذا بقی الوتر قدم رجلا فقال اوتر باصحابک بک فانی سمعت رسول اللهﷺ یقول لاوتران فی لیلة انتهٰی (۱۹). اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی نے اول لوگوں کے ساتھ موافق رسول اللہ ﷺ کے اول وقت میں تراویح ادا کی اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھے جیسا کہ فعل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھے اور مقتدیوں کو حکم کیا کہ تم اپنے وتر پڑھ لو اور چونکہ رسول اللہ ﷺ تہجد کے ساتھ وتر پڑھتے تھے۔ لہٰذا وہ مقتدی تہجد گزار کے ساتھ وتر پڑھنا چاہتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہؓ اتباع رسول اللہ ﷺ میں نہایت سرگرم تھے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسری وقت میں تہجد پڑھا ہوگا۔ اور یہ جو بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فرماتی ہیں۔ اذا دخل العشر شد میرزه واحیی لیله وایقظ اهله الحدیث (۲۰). اس سے تین امر ثابت ہوتے ہیں اول یہ کہ ان ایام میں رسول اللہ ﷺ تمام رات جاگے ہیں۔ اس واسطے کہ احیاء لیلہ بولا جاتا ہے کہ تمام رات جاگیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو انکا تمام رات کے جاگنے کا کیا ہے وہ تہجد کی نسبت ہے نہ مطلقاً تو اس بیان میں خود تمام رات جاگنے کو ارشاد فرماتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ جن دو شب میں رسول اللہ ﷺ نے تراویح کو ثلث لیل تک اور نصف لیل تک پڑھا تھا تو بعد نصف شب کے آپ سوئے نہیں کیونکہ وہ لیالی بھی داخل عشرہ تھیں پھر بعد نصف شب کے غالب گمان یہ ہے کہ نوافل پڑھیں کہ وہ تہجد تھیں کیونکہ آپ کی

(۱۹):(سنن أبی داؤد، کتاب الوتر، باب فی نقص الوتر، ص: ۲۱۵، رقم: ۱۴۳۹، ط، دار السلام ریاض)

(۲۰):(صحیح البخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب العمل فی العشر الأواخر فی رمضان، ص: ۳۹۸، رقم: ۲۰۲۴، ط، دار السلام ریاض)

عادت رات کو نماز ہی پڑھنے کی تھی۔ بیٹھ کر ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا معتاد نہیں اس سے بھی اختلاف دونوں نمازوں کا مظنون ہوتا ہے تیسرے یہ کہ تراویح آپ نے ہمیشہ پڑھی کہ اول شب میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور آخر شب میں تہجد سو تراویح فعلاً بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور جو کچھ کہ آپ نے بخوف افتراض ترک کیا تھا۔ وہ جماعت بتداعی تھی نہ نفس تراویح۔ الحاصل ان سب وجوہ سے مغایرت تہجد و تراویح کی ظاہر ہے مگر ہاں ایک نماز دوسرے کی قائم مقام ہوسکتی ہے کہ اگر تہجد کے وقت میں تراویح پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہوجائے گی اور یہ امر سب نوافل میں ہے۔ مثلاً اگر بوقت ضحیٰ صلوٰۃ کسوف پڑھی جائے قائم مقام صلوٰۃ ضحیٰ کے ہوجاتی ہے اور اگر خسوف قمر کی نماز تہجد کے وقت پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہوجاتا ہے اگرچہ بحیثیت تراویح۔ تراویح تہجد سے جدا صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ کسوف صلوٰۃ ضحیٰ سے اور صلوٰۃ خسوف صلوٰۃ تہجد سے مگر ثواب ہر دو کا حاصل ہوجاتا ہے۔ علی ہذا وقت ضحیٰ ایک ہے اور اس کے فضائل میں احادیث وارد ہیں (۲۱) اور اول وقت اور آخر وقت دونوں وقت میں نماز رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور ہر دو نماز علیحدہ ہیں مگر ایک کے پڑھنے سے ثواب وارد حدیث حاصل ہوجاتا ہے لہٰذا اگر رسول اللہ ﷺ نے تمام رات نماز تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہوگیا۔ اور اگر ثلث شب تک پڑھی یا نصف تک بجماعت تو باقی شب میں منفرداً نماز ادا ہونا بظن غالب معلوم ہوتا ہے مگر کسی راوی نے اس کو ذکر نہیں کیا

(۲۱): عن عبداللّٰہ بن عمرو قال: لقیت أبا ذر فقلت: یاعم اقبسنی خیراً. فقال: سألت رسول اللّٰہ ﷺ کما سألتنی فقال: ان صلیت الضحی رکعتین لم تکتب من الغافلین، وان صلیتها أربعا کتبت من المحسنین، وان صلیتها ستا کتبت من القانتین، وان صلیتها ثمانیا کتبت من الفائزین، وان صلیتها عشراً لم یکتب لک ذلک الیوم ذنب، وان صلیتها ثنتی عشرة رکعة بنی اللہ لک بیتا فی الجنة. (السنن الکبیر، کتاب الصلاة، باب ذکر خیر جامع لأعدادها، ج: ۵، ص: ۴۸۱، ۴۸۲، رقم: ۴۹۶۹، ط، قاهرة)

واللہ تعالیٰ اعلم۔ بعد اس واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے قیام رمضان کے عدد رکعات کو قولاً محدود نہیں فرمایا، بلکہ مطلق صلوٰۃ کی رغبت دلائی اور مطلق حسب قاعدہ المطلق یجری علی اطلاقہ یہ چاہتا ہے کہ صلوٰۃ کسی ہیئت اور کسی عدد سے اگر ادا کی جاوے مامور مندوب ہووے گی دریں صورت پابندی کسی عدد کی نہیں ہوسکتی بلکہ مامور مختار ہے جس قدر چاہے پڑھے۔ قال رسول اللہ ﷺ من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه (۲۲). (الحدیث) وقال جعل اللّٰه صیامه فریضة وقیامه تطوعا (۲۳). (الحدیث) وقال سننت لکم قیامه (۲۴). (الحدیث) ان ہر دو حدیث میں بھی قیام رمضان کو مطلق ہی رکھا ہے کوئی عدد بیان نہیں فرمایا ہے لہٰذا جیسا کہ تہجد پہلے سے مندوب تھا ایسا ہی قیام رمضان جو تراویح ہے مطلقاً امت پر و جناب رسول اللہ ﷺ پر مندوب ہوا کہ ادنیٰ اس کے دو رکعت اور نہایت کی کوئی حد نہیں اگرچہ ہزار یا کم زیادہ ہوں۔ پس بعد اس کے اگر جناب رسول اللہ ﷺ نے کوئی عدد اکثر معمول فرمایا تو وہ سنت مؤکدہ ہو جاوے گا اور جس کو احیاناً ادا فرمایا وہ مستحب رہے گا۔ اور سوائے اس کے دیگر اعداد بھی مستحب رہیں گے ہرگز بدعت نہیں ہوسکتے اور یہ قاعدہ سب عبادات میں جاری ہے کہ مامور مطلق ان اعداد میں جن کو وہ شامل ہے مطلق ہی مطلوب ہوتا ہے کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کے التزام سے سنت مؤکدہ اور احیاناً کرنے سے مستحب اور ماسوائے اس کے یہی مستحب۔ مثلاً حق تعالیٰ نے فرمایا استغفروا ربکم الأیة (۲۵). اس سے استغفار مطلوب ہے اگرچہ وجوباً ہو یا ندباً بعد اس کے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

(۲۲/۲۳): (مشکوة المصابیح، کتاب الصوم، ، ص: ۱۷۳، ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

(۲۴): (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، ص: ۹۴، ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

(۲۵): (سورة النوح: ۱۰)

انی لاستغفر اللّٰہ فی کل یوم سبعین مرۃ (۲٦) تواب اگر کوئی سبعین سے زیادہ استغفار کرے وہ اسی امر مطلق کا فرد مطلوب ہوگا اس کو بدعت نہ کہہ سکیں گے یہ جزئیہ بطور تنظیر لکھا گیا ہے اہل علم سے بہت سے عبادات مستحبہ کو برین قیاس دریافت کر سکتے ہیں۔ بناء علیہ جو صحابہ اور تابعین اور مجتہدین علماء نے اعداد رکعات اختیار کئے ہیں۔ چنانچہ ان کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ وہ سب انہیں احادیث کے افراد ہیں کوئی ان سے خارج نہیں سب مامور مندوب ہیں مگر علماء حنفیہ کے نزدیک جو عدد ان میں سے فعل یا قول رسول اللہ ﷺ سے بجماعت ثابت ہوا ہے اس میں جماعت کو سنت کہیں گے اور اس کے سوائے میں جماعت کو بتداعی مکروہ فرمائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک جماعت نفل بتداعی مکروہ ہے (۲۷) مگر جس موقع میں کہ نص سے ثابت ہو چکی ہے وہاں مکروہ نہیں اسی واسطے کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عدد تراویح میں شک ہو جاوے کہ اٹھارہ پڑھیں یا بیس تو دو رکعت فرادیٰ فرادیٰ پڑھیں نہ بجماعت (۲۸) بسبب اطلاق حدیث زیادہ ادا کرنا ممنوع نہیں خواہ

---

(۲٦):(سنن ابن ماجۃ، ابواب الأدب، باب الاستغفار، ص: ۲۷۰، ط، قدیمی کتب خانہ کراتشی)

(۲۷):فی الدر المختار: ولا یصلی الوتر ولاالتطوع بجماعۃ خارج رمضان أی یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی، بأن یقتدی أربعۃ بواحد کما فی الدرر.

وفی الشامیۃ: قولہ: (أربعۃ بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنین بواحد فلایکرہ، وبثلاثۃ بواحد فیہ خلاف. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب والوتر والنوافل، مطب: فی کراھۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی وفی صلاۃ الرغائب، ج: ۲، ص: ۵۰۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۲۸):فی البحر: ومنیۃ المصلی: اذا شکوا أنھم صلوا تسع تسلیمات أو عشر تسلیمات ففیہ اختلاف والصحیح أنھم یصلون بتسلیمۃ أخری فرادی. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، ج:۲، ص:۱۱۸، ط، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

کوئی عدد ہو مگر جماعت بیس سے زیادہ کی ثابت نہیں جس کا ذکر آگے آئے گا۔ الحاصل قولاً کوئی عدد معین نہیں مگر آپ کے فعل سے مختلف اعداد معلوم ہوتے ہیں چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول جامع ترمذی میں ہے قال احمد روی فی ھذا الوان. ولم یقض فیہ بشیء (۲۹). انتھٰی. یعنی امام احمد نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کسی صورت کو مرجح نہیں بنایا بلکہ سب کو جائز اور مستحب رکھا از انجملہ ایک دفعہ گیارہ رکعت بجماعت پڑھنا ہے چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب میں گیارہ رکعت تراویح بجماعت پڑھی۔ وعن جابر انہ صلی بھم ثمان رکعات والوتر انتظروہ فی القابلۃ فلم یخرج الیھم رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما انتھٰی مگر یہ آٹھ رکعت پڑھنا تراویح کا بجماعت مستلزم نفی زیادہ کو نہیں اس واسطے کہ ممکن ہے بلکہ مظنون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول آخر اس نماز کے منفرداً زیادہ پڑھی ہوں اس واسطے کہ رمضان میں آپ احیاء تمام لیل کا کرتے تھے، چنانچہ سابق میں گذرا اور دیگر لیالی میں بجماعت گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوں یا منفرداً آپ نے زیادہ پڑھی اس کی نفی نہیں

وفی التاتارخانیة: واذا شکو، أنه صلی عشر تسلیمات أو تسع تسلیمات، اختلف المشائخ فیه......وقال بعضهم: یصلون بتسلیمة واحدة فرادی فرادی، حتی یقع الاحتیاط فی فعل السنة بتمامها، ویقع الاحتراز عن أداء النافلة غیر التراویح بالجماعة، وهو الصحیح. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فی التراویح، نوع آخر فی الشک فی التراویح، ج: ۲، ص: ۳۳۳، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(وکذا فی محیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر التراویح والوتر، نوع آخر فی الشک فی التراویح، ج: ۲، ص: ۲۶۰، ۲۶۱، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

(۲۹):(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان، ص: ۲۰۱، رقم: ۸۰۶، ط، دار السلام ریاض)

ہوسکتی اس واسطے کہ حضرت جابرؓ نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے ہر روز گیارہ رکعت پڑھیں نہ یہ کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی رکعت نہیں پڑھی بلکہ ایک دن کی صلوٰۃ بجماعت کا ذکر کرتے ہیں اور بس اور یہ واقع فعل ہے کہ احتمال عموم کا نہیں رکھتا اور نہ زیادہ رکعت کا معارض ہوسکتا ہے اس واسطے کہ تعارض کے لئے وحدۃ زمان ومکان شرط ہے خصوصاً اس شب میں کہ آپ نے تمام شب سب کو جمع کر کے نماز پڑھی جیسا کہ روایت ابوذرؓ سے اوپر گذرا۔ اگر اس میں گیارہ رکعت پڑھی جائیں تو تطویل قیام بالضرور کوئی بیان کرتا جس طرح تاخیر سجود کو ذکر کیا ہے کیونکہ آٹھ نو گھنٹہ میں آٹھ رکعت پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے تو یہ تطویل قابل ذکر تھی جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تطویل کو ذکر کیا جاتا ہے لہٰذا عجب نہیں کہ اس شب میں بیس رکعت پڑھی گئی ہوں یا زیادہ اور منفرداً آپ نے بیس رکعت بلکہ زیادہ پڑھی ہوں اگرچہ ان تین شب کی عدد رکعات جو ابوذرؓ نے نقل فرمایا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ بیس رکعت بلکہ زیادہ پڑھی ہوں اور وجہ نہ نقل کرنے کی یہ ہے کہ عدد رکعات آپ کے مختلف تھے اور قولاً اعداد رکعات کی تعمیم تھی لہٰذا ہر روز کے اعداد رکعات کا ذکر کرنا کچھ ضرور نہیں سمجھا گیا اور ابن عباس سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنے تصنیف میں رسول اللہ ﷺ کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے(۳۰) مگر مؤید ہے آثار صحابہ سے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعت پڑھی ہیں۔ اور جمہور تابعین اور فقہاء کا اس پر عمل درآمد ہے جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے:

---

(۳۰): اخرج ابن ابی شیبة عن ابن عباسؓ أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر. (المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة، ج: ۳، ص: ۳۹۵، رقم: ۷۷۶۲، ط، مکتبة الرشد ریاض)

اخرج البیهقی عن ابن عباسؓ قال: کان النبی ﷺ یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر. تفرد به أبو شیبة ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی وهو ضعیف. (السنن الکبیر، کتاب الصلاة، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، ج: ۵، ص: ۳۲۹، رقم: ۴۶۷۷، ط، القاهرة)

قلت روی عبدالرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب وعلی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعۃ یقومون بالمئین و ینصرفون فی بزوغ الفجر قلت قال ابن عبدالبر ھو محمول علی ان الواحدۃ للوتر وقال ابن عبدالبر وروی الحارث بن عبدالرحمٰن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عھد عمر بثلاث وعشرین رکعۃ قال ابن عبدالبر ھذا محمول علی ان الثلاث للوتر وقال شیخنا وما حملہ علیہ فی الحدیثین صحیح بدلیل ما روی محمد بن نصرمن روایۃ یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید انھم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ واما اثر علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فذکرہ وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء من علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انہ امر رجلا یصلی بھم رمضان عشرین رکعۃ واما غیرھما من الصحابۃ فروی ذٰلک عن عبداللّٰہ بن مسعود رواہ محمد بن نصر المروزی قال اخبرنا یحیٰی بن یحیٰی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن زیدبن وھب قال کان عبداللّٰہ بن مسعود یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث واما القائلون بہ من التابعین شتیربن شکل وابن ابی ملیکۃ والحارث الھمدانی وعطاء بن ابی رباح وابو البختری وسعید بن ابی الحسن البصری اخوالحسن وعبدالرحمٰن بن ابی بکر وعمران العبدی وقال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو

الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابة انتہٰی (۳۱). وقال الترمذی فی سننہ واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرایٰ بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وھو قول اھل المدینة والعمل علی ھٰذا عندھم بالمدینة واکثر اھل العلم علٰی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعة وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھٰکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة وقال احمد روی فی ذٰلک الوان لم یقض فیه بشیء وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ما روی عن ابی بن کعب انتہٰی (۳۲).

اور کتب میں بھی یہ اور اس سے زیادہ منقول ہے اس کے ذکر میں تطویل ہے خلاصہ یہ کہ عبداللہ بن مسعود جن کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمسکوا بعھد ابن مسعود (۳۳)۔ (الحدیث) وکان اقرب الناس ھدیا وسمتا برسول اللّٰہ ﷺ ابن مسعود (۳۴)(الحدیث).

بیس رکعت پڑھتے اور اسی کا امر فرماتے تھے تو یہ عدد رسول اللہ ﷺ سے ان کو محفوظ

(۳۱):(عمدة القاری، کتاب التراویح، باب فضل من قام رمضان، ج: ۱۱، ص: ۱۷۹، ۱۸۰، رقم: ۲۰۱۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۳۲):(جامع الترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی قیام شھر رمضان، ص: ۲۰۱، رقم: ۸۰۶، ط، دار السلام ریاض)

(۳۳):(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه، ص: ۸۶۳، رقم: ۳۸۰۵، ط، دار السلام ریاض)

(۳۴):(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه، ص: ۸۶۳، رقم: ۳۸۰۸، ط، دار السلام ریاض)

تھا اسی واسطے اس کا التزام کیا اگر چہ ایک ہی دوبارہ سہی لیکن تسنن کے واسطے ایک دفعہ کا فعل بھی کافی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (۳۵)**. مطلق اقتداء کا حکم تمام امور میں فرمایا انہوں نے بیس کا امر فرمایا اور نیز خلفاء ثلثہ عمر و عثمان و علی جب کہ ان ہر سہ نے بیس کا امر فرمایا۔ تو بمقتضاء **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين (۳۶)** اس کا عمل امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا اور تمام صحابہ موجودین زمانہ عمرؓ میں عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے کبھی اس پر انکار نہ فرمایا اور برغبت قبول فرمایا یہ اول دلیل ہے اس بات پر کہ سب کے نزدیک یہ عدد عشرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نزدیک محفوظ تھا کہ کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس پر عمل کیا اور یا یہ کہ اطلاق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثبت اس عدد کا بھی سمجھا اور بطیّب خاطر اس کو قبول فرمایا لہٰذا اس عدد کو مسنون ہی کہا جائے گا اور اس پر کسی وجہ سے شائبہ لفظ بدعت کا رکھنا سخت مذموم ہوگا۔ کیونکہ اولاً مطلق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب اعداد مطلقاً مسنون ہو گئے ہیں ثانیاً خود فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً اس کا استحباب ثابت ہوا۔ ثالثاً جن صحابہ کے اقتداء پر ہم کو تاکید کی گئی تھی ان کے فعل سے یہ عدد ثابت ہوا تو گویا ان صحابہ کا فرمانا اور عمل کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمانا اور عمل کرنا تھا۔ رابعاً سوائے ان صحابہ کے دیگر صحابہ جو صدہا تھے کسی نے اس پر انکار نہ کیا اور سب نے اس کو بطیّب خاطر قبول فرمایا پس بعد اس کے کون سی دلیل کی حاجت ہے اور اس فعل حضرت عمرؓ کی روایات صحیح ہیں اور یزید بن رومان کی حدیث میں ہر چند کہ انقطاع ہے مگر اولاً حدیث منقطع موطا کی خود صحیح ہے کہ امام مالکؒ صاحب کے یہاں اور سب محدثین

---

(۳۵): (جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه، ص: ۸۶۳، رقم: ۳۸۰۵، ط، دار السلام ریاض)

(۳۶): (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

کے یہاں قبل زمانہ شافعیؒ سے منقطع ثقہ کی صحیح ہوئی تھی اور ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ جتنے منقطعات مالکؒ کی ہیں ان کا اتصال ہم نے دوسری سند سے دریافت کرلیا ہے۔ سوائے چار روایت کے کہ یہ روایت فعل حضرت عمرؓ کی ان چار ثابت الاتصال میں داخل نہیں اور سائب بن یزید کی روایات جو اوپر مذکور ہوئیں اس کے مؤید ہیں اور یہ صحیح ہیں اور فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ اولاً گیارہ کا حکم کیا تھا اور پھر اکیس کا اور پھر تیئیس کا اور چونکہ اس میں بھی اختلاف زماں ہے لہٰذا نہ اس میں تعارض ہے اور نہ ضعف ہے اور اگر یوں کہا جاوے کہ اول دفعہ آٹھ تراویح تھی اور تین وتر اور دوسری دفعہ اٹھارہ تراویح اور تین وتر اور تیسری دفعہ میں بیس تراویح اور تین وتر تو درست ہے اور یہ ہر سہ فعل باوقات مختلفہ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے معلوم تھے لہٰذا یہ سب سنت ہیں اور کوئی معارض ایک دوسرے کے نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے اوپر معلوم ہو چکا کہ تہجد میں ہے نہ تراویح میں سو وہ معارض بیس کے نہیں ہوسکتی اور اگر بالفرض ہم دونوں صلوٰۃ کو ایک ہی تسلیم کریں تا ہم کچھ معارضہ نہیں اس واسطے کہ یہ قول حضرت عائشہ کا اکثر یہ ہے نہ کہ کلیہ اور اگر اس کو کلیہ کہا جاوے تو خود حضرت عائشہؓ تیرہ کی روایت کرتی ہیں۔ چنانچہ امام مالک موطا میں روایت فرماتے ہیں اور یہ پہلے بھی گزر چکی ہے۔ **عن عائشه قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بالليل ثلث عشرة ركعة ثم يصلى اذا سمع النداء للصبح ركعتين خفيفتين (۳۷). (الحديث).**

پس اگر وہ روایت کلیہ قرار دی جاوے تو یہ روایت غلط ہو جاوے گی اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا تیرہ رکعت روایت کرنا جو صحیحین میں ہے غلط ہو جاوے گا۔ پس یا اس روایت کو اکثر یہ بنایا جاوے تا کہ سب روائتیں صحیح رہیں یا عدم علم حضرت عائشہؓ پر حمل کیا جاوے اور عدم علم پر حمل کرنا ظاہر ہے کہ غیر مناسب ہے پس جیسا کہ تیرہ رکعت کی حضرت عائشہؓ سے

---

(۳۷): (موطا امام مالک، مع أوجز المسالک، کتاب صلاة الليل، باب صلاة النبي ﷺ في الوتر، ج: ۲، ص: ۵۸۳، ط، دار القلم دمشق)

اور دیگر صحابہؓ سے تصحیح ہوگئی ایسا ہی اٹھارہ اور بیس اور زائد کی بھی تصحیح ہوسکتی ہے اور جیسا کہ تیرہ اور گیارہ میں تعارض نہیں ہے ایسا ہی بیس میں تعارض نہ رہے گا۔ بہرحال اس حدیث ابن عباسؓ کی مؤیدات موجود ہیں پھر اس کے ضعف پر کیا نظر کی جاوے گی۔ اگر بمقابلہ گیارہ کے روایت کی صحت تیرہ رکعت کو معتبر کیا جاتا ہے تو بیس رکعت کی روایات صحیحہ جو صحابہؓ کے فعل سے معتبر ہوئیں کس طرح معتبر نہ ہوگی بلکہ افعال صحابہ بھی حسب ارشاد جناب فخر عالم علیہ السلام کے مثل فعل رسول اللہ ہی کے ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ بیس کے فعل کی نسبت خلفاء ثلثہ کی طرف ہے اور خلیفہ اول سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا تو کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ خلفاء صیغہ جمع کا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا ہے اور قاعدہ عربیت کا ہے کہ جب الف لام جمع پر داخل ہوتا ہے تو وہ معنی عموم کے دیتا ہے جمع اور واحد کو دونوں کو مثلاً **لا اتزوج النساء** اگر کہے تو جیسا کہ بہت عورتوں کے نکاح کرنے سے حانث ہوگا ایسا ہی ایک اور دو سے بھی حانث ہوجاتا ہے جیسا کہ **لایحل لک النساء من بعد** (۳۸) میں ممانعت نکاح ایک کی اور بہت کی ثابت ہوتی ہے۔ پس تین خلیفہ کا عمل اس پر ہونا کافی ہے اور اگر ایک خلیفہ بھی اس کے اوپر عمل کرتے جب بھی کافی تھا چہ جائیکہ تین خلیفہ نے یہ کام کیا اور سب صحابہ نے اس پر اجماع کیا اور مراد سنۃ الخلفاء سے حدیث میں وہ امر ہے کہ اصل اس کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو مگر شیوع اس کا نہیں ہوا پھر کسی خلیفہ نے اس کا شیوع کردیا سو وہ فی الحقیقت سنت رسول اللہ ہی ہے مگر چونکہ اس کا شیوع خلفاء سے ہوا اس واسطے اس کو سنۃ الخلفاء فرمایا پس سنۃ الخلفاء وہی ہے کہ اصل اس کی سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہو سو رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ کہا تھا کہ **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین** (۳۹) اس لئے جو امر کہ مخالف سنت رسول اللہ ﷺ ہوگا وہ امر بدعت ہوگا اور

---

(۳۸): (سورة الاحزاب: ۵۲)

(۳۹): (مشكوة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، ط، قديمي كتب خانه كراتشي)

صحابہ بھی اسی سنت خلفاء کو التزام کرتے تھے کہ جس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہو اور خلفاء کی سنت بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور جب تک کہ صحابہ کو سنت خلفاء کی اصل نہ معلوم ہوتی تھی وہ قبول نہ کرتے تھے مثلاً جس وقت شیخینؓ نے زیدؓ بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کے واسطے کہا تو چونکہ زید کو یہ امر بدعت معلوم ہوا تو یہ جواب دیا کہ کس طرح کرتے ہو تم اس عمل کو جس کو رسول اللہ نے نہیں کیا اور زید کہتے ہیں کہ اگر شیخینؓ مجھ کو پہاڑ نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے نزدیک سہل تھا اس امر سے۔ اور اس کی وجہ وہی تھی کہ اس کو وہ بدعت سمجھ رہے تھے لہٰذا انہوں نے اس کو قبول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت صدیقؓ نے ان کو سمجھا دیا کہ یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہی ہے اس وقت انہوں نے فرمالیا یہ قصہ بخاری میں موجود ہے۔ **عن عبيد بن السباق ان زيد بن ثابت قال ارسل ابو بكر مقتل اهل اليمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابو بكر ان عمر اتانى فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن وانى اخشى ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن وانى ارى ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدرى لذالک ورأيت فى ذٰلک الذى راى عمر قال زيد قال ابو بكر انک رجل شاب عاقل لانتهمک وقد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان اثقل على مما امرانى به من جمع القرآن قل كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ قال هو والله خير فلم يزل ابو بكر يراجعنى حتى شرح الله صدرى الذى شرح له صدر ابى وعمر (۴۰).**

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبول کرنا صحابہ کا سنت خلفاء کو اس وقت ہوتا تھا کہ ان

---

(۴۰): (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ص: ۱۰۸۵، رقم: ۴۹۸۶، ط، دار السلام ریاض)

کے نزدیک وہ سنت موافق سنت رسول اللہ ہے ہوتی تھی پس یہ سنت عشرین رکعت بھی ایسی ہی ہے کہ اس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہے۔ اسی واسطے تمام صحابہؓ نے اس وقت میں اس کو قبول کیا اور اس پر عامل رہے اور کسی وقت کسی ایک نے بھی صحابہ میں سے اس پر انکار نہ کیا نہ اس کو مخالف رسول اللہ سمجھا۔ اگرچہ بعض نے اس پر عمل نہ کیا ہو بلکہ دوسرے عدد پر عمل کیا ہو کہ وہ بھی سنت سے ان کے نزدیک ثابت تھا مگر انکار ہرگز کسی نے نہیں کیا، اگر کسی کو دعویٰ ہے تو ظاہر کرے پس جب اجماعاً اس کا ثبوت بلا انکار قرن صحابہ میں ہو گیا تو یہ مجمع علیہ ہو گیا اور سنت رسول اللہ ﷺ ہونا اس کا واضح ہو گیا۔ **قال علیه السلام لاتجتمع امتی علی الضلالة(۴۱).**

پس بعد ایسی دلیل قطعی کے کسی اہل فہم کو جسارت نہ ہوگی کہ اس کو بدعت کہے مگر ہاں اس کو بھی سنت جان کر دوسرے عدد پر جو کہ سنت سے ثابت ہے اس سے کم یا زیادہ اگر اس پر عمل کرے تو ملامت نہیں مگر ان لوگوں پر جو آٹھ رکعت پر قناعت کرتے ہیں اور اس سے زیادہ سے اعراض کرتے ہیں۔ بسبب ترک کر دینے سنت خلفاء راشدین کے کہ فی نفس الامر وہ بھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور بقول علیہ السلام **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین والمھدیین عضوا علیھا بالنواجذ (۴۲).** جو کہ امر موکد ہے شائبہ الزام ضرور ہوگا کیونکہ مراد آنحضرت ﷺ کی دونوں پر التزام کرو کما لا یخفیٰ مگر اس کو بدعت کہنا نہایت زبوں اور شنیع ہے بعد اس سے کسی دلیل کی حاجت نہیں اب روایت فتح الباری شرح بخاری کی نقل کی جاتی ہے کہ جس سے مذاہب علماء وفقہاء دریافت ہو جائیں اگرچہ اوپر کی عبارات سے بھی معلوم ہو گئے تھے مگر اس میں زیادہ بسط ہے **قال فی فتح**

---

(۴۱):(سنن ابن ماجة، کتاب الفتن، باب سواد الأعظم، ص: ۲۸۳، ط،قدیمی کتب خانه آرام باغ کراتشی)

(۴۲):(مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، ط، قدیمی کتب خانه کراتشی)

الباری لم یقع فی هذه الروایة عدد الرکعات التی کان یصلی بها ابی بن کعب وقد اختلف فی ذٰلک ففی المؤطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة رکعة ورواه سعید بن منصور من وجه اخر وزاد فیه وکانوا یقرؤن بالمئین ویقومون علی العصی من طول القیام ورواه محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحٰق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرة ورواه عبدالرزاق من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی وعشرین وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة وهذا محمول علی غیر الوتر عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بثلث وعشرین وری محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم فی رمضان یصلون عشرین رکعة وثلث رکعات الوتر والجمع بین هذا الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذلک الاختلاف بحسب تطویل القراء ة وتخفیفها فحیث یطیل القراء ة تقل الرکعات وبالعکس وبذلک جمع الداؤدی وغیره.

والعدد الاول موافق لحدیث عائشة المذکور بعد هذا الحدیث فی الباب والثانی قریب منه والاختلاف فی ما زاد علی العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر کانه تارة یوتر بواحدة وتارة بثلاث وروی محمد بن نصر من طریق داؤد بن قیس قال ادرکت الناس فی امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینه یقومون بست وثلاثین رکعة ویوترون بثلث وقال مالک هو الامر القدیم عندنا وعن الزعفرانی عن الشافعی رایت الناس یقومون بالمدینة بتسع وثلاثین وبمکة بثلث وعشرین ولیس فی شیء من ذلک ضیق وعنه قال ان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وان اکثروا السجود واخفوا القراء ة فحسن والاول احب الی وقال

الترمذی اکثر ماقیل فیه انها تصلی احدی واربعین رکعة یعنی وبالوتر کذا قال وقد نقل ابن عبدالبر عن الاسود بن یزید یصلی اربعین یوتر بسبع وقیل ثمان وثلثین ذکره محمد بن نصر عن ابن ایمن عن مالک وهذا یمکن رده الی الاول بانضمام ثلث الوتر لکن صرح فی روایته بانه یوتر بواحدة فتکون اربعین الا واحدة.

قال مالک وعلی هذا العمل منذ بضع ومائة سنة عن مالک ست واربعون وثلث الوتر وهذا هو المشهور عنه وقد رواه ابن وهب عن العمری عن نافع قال لم ادرک الناس الا وهم یصلون تسعا وثلثین یوترون منها بثلث ومن زرارة بن اوفیٰ انه کان یصلی بهم بالبصرة اربعا وثلثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین وقیل ست عشرة غیر الوتر روی عن ابی مجلز عن محمد بن نصر واخرج من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جده السائب بن یزید قال کنا نصلی زمن عمر فی رمضان ثلث عشرة قال ابن اسحاق وهذا اثبت ماسمعت فی ذلک وهو موافق لحدیث عائشة فی صلوٰة النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل واللّٰه اعلم انتهیٰ (۴۳).

الحاصل گیارہ رکعت تراویح سے جو زیادہ عدد منقول ہیں اس پر کسی نے قرون ثلثہ میں انکار نہیں کیا اگرچہ عمل اس پر نہ کیا ہو تو بس جواز و سنت جملہ اعداد پر اجماع ہو گیا۔ بعد ازاں قرون کے اگر کسی نے اس پر انکار کیا تو وہ قابل التفات کے نہیں لہٰذا بیس رکعات کو یا اس سے زیادہ کو بدعت کہنا ہرگز سزاوار نہیں۔ چنانچہ واضح ہو گیا اور یہ مدعا درصورۃ اتحاد دونوں صلوٰۃ کے بھی حاصل ہے بحث تفرقہ ہر دو صلوٰۃ کے بسبب سوال سائل کی گئی اگرچہ برائے

(۴۳):(فتح الباری، کتاب التراویح، باب فضل من قام رمضان، ج: ۴، ص: ۲۹۸، ط، مکتبة الملک فهد الوطنیة ریاض)

بعض علماء سلف سے یہ رائے خلاف ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الاحقر: رشید احمد عفی عنہ گنگوہی ۱۶ شوال ۱۳۱۵ھ۔ رشید احمد



جو نماز تراویح کی آٹھ رکعات پڑھے

﴿سوال﴾:

آٹھ رکعت تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں جیسا کہ بعض آدمی پڑھتے ہیں؟

﴿جواب﴾:

جو لوگ آٹھ رکعت پڑھتے ہیں وہ تارک فضیلت سنت ہیں (۴۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



حافظ کو تراویح میں قرآن مجید سنانے کا معاوضہ دینے کے مسائل

﴿سوال﴾:

نماز تراویح میں قرآن پڑھنے یا سننے پر اجرت مقرر کر کے لینا یا بغیر مقرر کئے ہوئے قاری و سامع کو کچھ دینا کیسا ہے؟

(۴۴): قال العلامة المحدث الفقيه الشيخ محمد عبدالحی اللكنوی الهندی رحمه الله تعالىٰ: الامر الثالث: أن مجموع عشرين ركعة فی التراويح سنة مؤكدة، لأنه مما واظب عليه الخلفاء، وان لم يواظب عليه النبی صلى الله عليه وعلى آله وسلم، قد سبق أن سنة الخلفاء أيضاً لازم الاتباع، وتاركها آثم، وان كان اثمه دون اثم تارك السنة النبوية، فمن اكتفى على ثمان ركعات يكون مسيئاً لتركه سنة الخلفاء. (تحفة الاخيار فی احياء سنة سيد الابرار، ص: ٦٨، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

﴿جواب﴾:

قرآن سنانے کی اجرت تراویح میں لینا درست نہیں کہ قرآن پڑھنا عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا حرام ہے۔ **قال فی ردالمحتار الآخذ والمعطی آثمان (۴۵)**. انتھٰی. واللہ تعالیٰ اعلم

﴿سوال﴾:

حافظوں کو نماز تراویح میں قرآن اجرت پر سنانا اور اجرت مقرر کری ہو یا نہ کری ہو لینا کیسا ہے زید کہتا ہے کہ اجرت لینا منع ہے اور عمرو کہتا ہے کہ جیسے اجرت اذان واقامت وامامت درست ہے ویسے ہی قرآن سنانے پر درست ہے صحیح کس طور پر ہے؟

﴿جواب﴾:

حافظوں کو اجرت پر قرآن سنانا حرام ہے اور اجرت بھی ناجائز ہے اذان وامامت اور تعلیم ووعظ اس کو متاخرین نے بوجہ ضرورت استثناء کیا ہے۔ قرآن سنانے میں کوئی ضرورت نہیں جس نے قرآن سنانے کو اذان پر قیاس کیا ہے وہ غلط ہے (۴۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۴۵): فی رد المحتار: قال تاج الشریعة فی شرح الهداية: ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ، وقال العينی فی شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطی آثمان. (ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، ج: ۹، ص: ۷۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴۶): (قوله كرهوا أن يأخذ على الأذان أجرا) هذا يرد على الشافعية مذهبهم فی تجويز أخذ الاجرة على القرآن الا أن لهم أن يعتذروا بورود النص ههنا فی الترک فان الاستئجار على الطاعات من تعليم القرآن والوعظ وأمثاله جائز عندهم ومنعه المتقدمون من علمائناذهاباًاِلٰی أمثال هذه الروايات وجوزه المتأخرون

تراویح میں قرآن مجید سننے والے کی اجرت

﴿سوال﴾:

جس حالت میں قرآن مجید کا سننا لازم ہوا تو اس ضرورت کے ادا کرنے کے واسطے حافظ کو کچھ اجرت کے طور پر ٹھہرا کر دینا کیسا ہے اگر حافظ کو نہ دیا جائے تو سامع کو کچھ اجرت کے طور پر دینا کیسا ہے اگر حافظ کو نہ بھی دیا جاوے تو سامع بغیر لیے نہیں مانتے اور بغیر سامع کے صرف حافظ کے پڑھنے میں شک رہتا ہے اور اکثر بعض بعض الفاظ رہ جاتے ہیں بلکہ آیت رہ جاتی ہے اور تنہا حافظ کو اس کا پتہ نہیں چلتا تو مجبوراً سامع کو اجرت دی جاتی ہے اور سامع پہلے ٹھہرا لیتے ہیں پس بہتر کیا ہے۔ آیا الم ترکیف سے ہی روزانہ تراویح ادا کرلی

منهم ضرورة فيجوز أخذ الأجرة على تعليم القرآن والوعظ والتأذين ولا يجوز فى قراءة القرآن فى التراويح وعلى القبور لعدم الضرورة فيهما لاجراء امامة غير الحافظ فيصلى بهم من لا يأخذ الأجر بسور قصار يحفظها فان قيل ان ختم القرآن مرة سنة مؤكدة فهلا تعد اقامتهاضرورة قلنا.

وقال العلامة المحدث الشيخ محمد زكريا الكاندهلوى رحمه الله تعالىٰ فى حاشية الكوكب:

بياض فى الأصل بعد ذلک، والاوجه عندى فى الجواب أن الختم فيها ليس بسنة مؤكدة بل السنة المؤكدة هى التراويح فقط حتى الجماعة فيها أيضا سنة على الكفاية كما صرح به أهل الفروع وأما ختم القرآن فهو ان كا ن سنة لكنها ليست بمؤكدة فانهم صرحوا بأن القوم ان مل بالختم قرأ بقدر مالايؤدى الىٰ تنفير هم فاذا ترک بملالهم فأولى أن لايترک له المذهب .(الكوكب الدرى على جامع الترمذى، ج: ١، ص: ٢٣٥، ط، ندوة العلماء لكهنؤ، هند)

(وكذا فى ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، ج: ٩، ص: ٧٧، ط، دار عالم الكتب رياض)

جاویں یا سامع کو بطور اجرت کچھ دے دیا جاوے اور جو مصلحتیں اول سے آخر تک قرآن شریف سننے میں ہیں وہ حضور کو معلوم ہیں اظہار کی چنداں ضرورت نہیں اور اس وقت کے حفاظ کی حالت بھی زمانہ کے موافق ظاہر ہے پس سب امورات پر نظر فرما کر جو حکم ہو اس سے مفصل اور مشرح طور پر آگاہی بخشئے۔

﴿جواب﴾:

تراویح میں جو کلام اللہ پڑھے یا سُنے اس کی اجرت دینا حرام ہے جب اجرت کا دینا حرام ہوا تو الم ترکیف سے ہی پڑھنا چاہیے (۴۷)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



حافظ کو بغیر مانگے کے دینا

﴿سوال﴾:

جو شخص قرآن نماز تراویح میں سنائے بغیر ٹھہرائے اور مانگے اگر آدمی کچھ اس کو بطور چندہ کے دیویں یہ لینا اس کو جائز ہے یا نہیں ہے اور دینے والے کو یہ دینا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے دیا تو درست ہے (۴۸) اور جو

---

(۴۷):ولا یجوز فی قراءة القرآن فی التراویح وعلی القبور لعدم الضرورة فیهما لاجراء امامة غیر الحافظ فیصلی بهم من لا یأخذ الأجر بسور قصار یحفظها. (الکوکب الدری علی جامع الترمذی، ج: ۱، ص: ۲۳۵، ط، ندوة العلماء لکھنؤ، هند)

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (اجرت تراویح کا شرعی حکم، ص: ۳۴، تا ۴۷، ط، گوارخ پبلی کیشن کوئٹہ)

(۴۸):وعن خالد بن عدی أن النبی ﷺ قال: من جاءه من أخیه معروف من

حسب رواج وعرف دیتے ہیں۔ حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں (۴۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



تراویح کی دو رکعتوں کی بجائے سہواً چار رکعت پڑھنے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

تراویح میں بجائے دو رکعتیں سہواً چار رکعت پڑھ لیں اب سجدہ سہو سے تلافی ہو کر نماز صحیح ہوگی یا نہیں ایک شخص کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی کیونکہ رکعتیں پر قعدہ فرض تھا اور وہ ترک ہوگیا یہ مقولہ صحیح ہے یا نہیں؟

غير اشراف ولامسألة فليقبله ولايرده فانما هو رزق ساقه الله اليه.رواه احمد. وقال العلامة صبحيؒ في تخريج هذا الحديث: في المسند [۴/ ۲۲۱] بسند صحيح.قلت: وأخرجه أبو يعلى رقم[۹۲۵] وابن حبان رقم[۳۴۰۴] و [۵۱۰۸] والطبراني في المعجم الكبير رقم [۴۱۲۴] والحاكم [۲/۶۲] والبيهقي في شعب الايمان رقم[۳۵۵۱]، وصححه الحاكم ووافقه الذهبي. وهو حديث اسناده صحيح، والله أعلم. (نيل الاوطار من أسرار منتقى الأخبار، كتاب الهبة والهدية، الباب الأول في بيان افتقارها الى القبول والقبض، ج: ۱۱، ص: ۱۵۷، ط، دار ابن جوزي رياض)

(۴۹):والمعروف عرفاً كالمشروط شرطاً. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب: في تحرير حكم ما يأخذ المتولي من عوائد، ج: ٦، ص: ۲۷۲، ط، دار عالم الكتب رياض)

وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع الفارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، ج: ۹، ص: ۷۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

﴿جواب﴾:
دو تراویح ہوئیں ترک فرض نہیں ہوا بلکہ تاخیر فرض ہوئی (۵۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



نماز تراویح میں قرآن مجید سننا کیسا ہے؟

﴿سوال﴾:
نماز تراویح میں اول سے آخر تک قرآن شریف کا سننا فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب؟

﴿جواب﴾:
نماز تراویح میں کلام اللہ شریف سننا سنت ہے (۵۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۵۰): وان صلى اربع ركعات بتسليمة واحدة والحال انه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد تجزى الاربع عن تسليمة واحدة اى عن ركعتين عند ابى حنيفة وابى يوسف وهو المختار. واختاره الفقيه ابو جعفر وابوبكر محمد بن الفضل قال قاضى خان وهو الصحيح. (غنية المستملى فى شرح منية المصلى، كتاب الصلاة، فصل فى التراويح، ص: ۴۰۸)

(۵۱): قال العلامة المحدث الشيخ محمد زكريا الكاندهلوى رحمه اللّٰه تعالىٰ فى حاشية الكوكب:

بياض فى الأصل بعد ذلک، والاوجه عندى فى الجواب أن الختم فيها ليس بسنة مؤكدة بل السنة المؤكدة هى التراويح فقط حتى الجماعة فيها أيضا سنة على الكفاية كما صرح به أهل الفروع وأما ختم القرآن فهو ان كا ن سنة لكنها ليست بمؤكدة فانهم صرحوا بأن القوم ان مل بالختم قرأ بقدر مالايؤدى الىٰ تنفير هم فاذا ترک بملالهم فأولى أن لايترک له المذهب. (الكوكب الدرى على جامع

تراویح میں قرآن مجید سنانا

﴿سوال﴾:

ہر حافظ قرآن کو ہر ماہ رمضان میں محراب سنانا سنت مؤکدہ ہے یا نہیں اور حافظ کو محراب سنانے میں زیادہ ثواب ہے یا نہیں؟ (از سعید احمد خان مرادآبادی)

﴿جواب﴾:

تراویح میں قرآن سنانا اور سننا سنت ہے (۵۲) مگر ہر حافظ پر مؤکدہ نہیں کہ سب پڑھا کریں اگر کوئی جدا پڑھے جب بھی درست ہے اس کے ترک سے عتاب نہ ہوگا۔ مگر قرآن کو پڑھتے رہنا چاہیے (۵۳)۔



الترمذی، ج: ۱، ص: ۲۳۵، ط، ندوة العلماء لکھنؤ، هند)

(وكذا في مجمع الأنهر في ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ج: ۱، ص: ۲۰۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵۲): والحاصل: أن السنة في التراويح انما هي الختم مرة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات في كل عشرة مرة أفضل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، نوع آخر: بيان القراء ة في التراويح، ج: ۲، ص: ۳۲۴، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ج: ۱، ص: ۱۱۷)

(۵۳): عن ابن عمرؓ أن رسول اللهﷺ قال: انما مثل القرآن مثل الابل المعقلة، ان عاهد صاحبها على عقلها أمسكها، وان أطلقها ذهبت. اذا قام صاحب القرآن فقرأه بالليل والنهار ذكره، واذا لم يقرأه نسيه. رواه مسلم. (الجامع لشعب الايمان، التاسع عشر من شعب الايمان وهو باب في تعظيم القرآن، فصل في ادمان

شبینہ کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

شبینہ یعنی کلام اللہ شریف کا ایک شب میں تراویح میں پڑھنا ثابت ہے یا نہیں بالخصوص ایسی حالت میں کہ ادائے حروف بترتیل حتیٰ کہ تصحیح الفاظ تک نہیں ہوتی اور مقتدیوں پر بار تطویل وریاء وشہرت علاوہ لہٰذا ایسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

قرآن شریف کا ایک رات میں ختم کرنا بصورت تصحیح الفاظ وغیرہ جائز ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک رات میں ختم کرنا ثابت ہے(۵۴) اور اگر قرآن ترتیل کے ساتھ نہیں پڑھا مگر الفاظ صحیح پڑھے گئے تو اس طرح پڑھنے میں ثواب کم ہوگا اور باترتیل میں ثواب زائد(۵۵) اور ریاء تو فرائض میں بھی ممنوع ہے تراویح پر کیا

تلاوة القرآن، ج: ۳، ص: ۳۵۰، رقم: ۱۸۱۱، ط، مكتبة الرشد رياض)

(۵۴):عن عبدالرحمن بن عثمان التيمى قال: رأيت عثمان رضى الله عنه عند المقام ذات ليلة قد تقدم، فقرأ القرآن فى ركعة ثم انصرف، فقلت: يا أمير المؤمنين! انما صليت ركعة قال: هى وترى، رواه ابن المبارك فى الزهد، وابن سعد، وابن أبى شيبة، وابن منيع، والطحاوى، والدارقطنى، والبيهقى، وسنده حسن كذا فى كنزل العمال [۶: ۳۷۲]. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب جواز التطويل للمنفرد ولو بختم القرآن كله فى صلاة أو ركعة، ج: ۴، ص: ۳۲۵، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(۵۵):فى منهج الحياة الايمانية: ويستحب قراء ة القرآن بالترتيل، ولو كان لايفهم المعنى، قال ابن عباس رضى الله عنهما: لأن أقرأ "اذا زلزلت" و "القارعة" أتدبرهما، أحب الى من أن أقرأ البقرة وآل عمران تهذيراً. وقال العلامة عبدالرشيد الندوى فى تخريج هذا الحديث: أخرجه ابن أبى شيبة برقم: ۸۸۲۴ عن محمد بن

موقوف ہے(۵۶) اور مقتدیوں کو اگر اس طرح پڑھنا دشوار ہوتا ہے تو نہ پڑھیں (۵۷)۔ فقط



کعب القرظی من قوله، وأما أثر ابن عباس فقد أخرجه ابن المبارک فی الزهد ص: ۴۲۰ برقم: ۱۱۹۳، والبیهقی فی الشعب برقم: ۱۸۸۲ وعبدالرزاق فی المصنف برقم: ۴۱۸۷ ج/ ۲، ص: ۴۸۹ عن أبی جمرة الضبعی قال: قلت لابن عباس: انی رجل فی کلامی وقراء تی عجلة، فقال ابن عباس: لأن أقرا البقرة فأرتلها أحب الی من أن أهذ القرآن کله، ثم رأیت أن المصنف نقل ذلک من شرح الاحیاء ۴/ ۴۷۸ وهو عزاه لقوت القلوب. (منهج الحیاة الایمانیة والتربیة الدینیة فی ضوء الکتاب والسنة، ص: ۲۱۲، ط، المکتبة الیحیویة سهانفور الهند)

(۵۶):عن أبی هریرة أن رسول اللّٰه ﷺ قال قال اللّٰه عزوجل أنا أغنی الشرکاء عن الشرک فمن عمل لی عملاً أشرک فیه غیری فأنا منه برئ وهو للذی أشرک. وفی اهداء الدیباجة تحت هٰذا الحدیث: أن اللّٰه تعالٰی لایقبل من الأعمال ماخالطه شرک، ولایقبل منها الا ماکان خالصاً أرید به وجهه سبحانه وتعالٰی، فمن راء ی بعمله أی أراد به غیر اللّٰه حبط عمله. (اهداء الدیباجة بشرح سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب الریاء والسمعة، ج: ۵، ص: ۵۳۱، رقم:۴۲۰۲)

(۵۷):فی الدرالمختار: والختم مرة سنة، ومرتین فضیلة، وثلاثاً أفضل ولایترک الختم لکسل القول لکن فی الاختیار: الأفضل فی زماننا قدر مالایثقل علیهم.

وفی الشامیة تحته: (الأفضل فی زماننا الخ) لأن تکثیر الجمع أفضل من تطویل القراء ة،حلیه عن المحیط. وفیه اشعار بأن هذا مبني علی اختلاف الزمان فقد تتغیر الأحکام لاختلاف الزمان فی کثیر من المسائل علی حسب المصالح ولهٰذا قال فی البحر: فالحاصل أن المصحح فی المذهب أن الختم سنة لکن لایلزم منه عدم ترکه اذ لزم منه تنفیرالقوم تعطیل کثیر من المساجد خصوصاًفی زماننا،

ملفوظات

ایک مسجد میں مکمل تراویح پڑھنے کے بعد دوسری مسجد میں تراویح میں شریک ہونا

﴿۱﴾ جس صورت میں لوگوں کے جمع ہونے سے مسجد کی بے تعظیمی ہوتی ہے ایسی صورت میں چپکے سے ختم کر دینا اور کسی کو خبر نہ کرنا بہت بہتر اور مناسب ہے اور جس شخص نے بیس تراویح پڑھ لی ہوں پھر کسی دوسری مسجد میں تراویح ہوتی دیکھے تو شریک ہو جاوے کچھ حرج نہیں بلکہ ثواب ہے(۵۸)۔



تراویح میں سورہ اخلاص کی تکرار

﴿۲﴾ تراویح میں سورہ اخلاص کو مکرر کرتے ہیں اس واسطے کہ ایک بار میں قرآن کی سورۃ ہونا نیت کرتے ہیں اور دوبارہ اس کو اس خیال سے پڑھتے ہیں کہ جو کچھ کمی غلطی قرآن

فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ۴۹۷، ۴۹۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۵۸): ولو اقتدى بالامام فى التراويح وهو قد صلى مرة لابأس به ويكون هذا اقتداء المتطوع بمن يصلى السنة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ج: ۲، ص: ۱۲۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى التاتارخانية: والمقتدى اذا صلاها فى المسجدين لابأس به، ولكن ينبغى أن يوتر فى المسجد الثانى، هكذا حكى عن الفقيه أبى القاسم. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثالث عشر فى التراويح، نوع آخر فى أن الجماعة هل هى سنة التراويح، ج: ۲، ص: ۳۲۱، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

میں واقع ہوئی اس کا جبر نقصان ہو جاوے کہ یہ ثلث قرآن وصف رحمٰن تعالیٰ شانہ ہے بعض کتب فقہ میں بھی یہ لکھا ہے۔ پس مضائقہ نہیں۔ اور مکرر پڑھنا کسی سورۃ کا حرج نہیں۔ (۵۹) مگر اس کو سنت نہ جانے اور مکرر پڑھنا کسی آیت کا تو حدیث سے بھی ثابت ہے (۶۰) کسی وجہ سے مگر اس وجہ خاص سے سراجیہ کتب فقہ میں لکھا ہے اور کوئی ضروری امر نہیں چاہے نہ پڑھے البتہ ضروری اور سنت جان کر پڑھنا بدعت ہو جائے گا (۶۱)۔

---

(۵۹):وقراءة قل هو الله احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه ابو الليث هذا شئ استحسنه اهل القرآن وائمة الامصار فلابأس به. (غنية المستملى فى شرح منية المصلى، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، ص: ۴۹۶)

وفى الهندية: قراءة قل هو الله أحد ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ واستحسنها أكثر المشايخ لجبر نقصان دخل فى قراءة البعض الا أن يكون ختم القرآن فى الصلاة المكتوبة فلايزيد على مرة واحدة كذا فى الغرائب. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع فى الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن والذكر والدعاء ورفع الصوت عند قراءة القرآن، ج: ۵، ص: ۳۱۷)

(۶۰):أخرج ابن أبى شيبة فى المصنف، واحمد، والنسائى، وابن مردويه، والبيهقى فى سننه، عن أبى ذر ؓ قال:صلى رسول الله ﷺ ليلة فقرأ بآية حتى أصبح، يركع بها ويسجد بها: [ان تعذبهم فانهم عبادك] الآية. فلما أصبح قلت: يارسول الله، مازلت تقرأ هذه الآية حتى أصبحت! قال: انى سألت ربى الشفاعة لأمتى فأعطانيها، وهى نائلة ــ ان شاء الله ـ من لايشرك بالله شيئاً. (الدر المنثور فى التفسير بالمأثور، سورة المائدة رقم الآية: ۱۱۸، ج: ۵، ص: ۲۰۸)

(۶۱):من اصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الاضلال فكيف من اصر على بدعة أو منكر. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الاول،

﴿۳﴾ جو مکروہ وقت میں نماز ہووے اس کا اعادہ چاہیے اگرچہ عصر کو بعد مغرب ہی پڑھے کہ جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

﴿۴﴾ امانت کو بلا اذن صرف کرنا خیانت ہے گناہ ہوگا (۶۲)۔

﴿۵﴾ جماعت کو چھوڑ کے دوسری مسجد میں کہ پوری نماز امام کے ساتھ ملے ہرگز نہ جاوے کہ اعراض جماعت مسلمین سے ظاہر ہے اور دوسری جگہ کا ملنا محتمل اور اس مسجد کا حق تلف ہوتا ہے اور صورت تہمت واعراض (۶۳)۔



ج:۳، ص: ۲۶، رقم: ۹۴۶، ط، دارالکتب العلمیة، بیروت لبنان)

(۶۲):وعن أبی حرة الرقاشی، عن عمه، قال: قال رسول اللهﷺ: ألا لاتظلموا، ألا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه. رواه البیهقی فی شعب الایمان، والدار قطنی فی المجتبیٰ. وفی المرقات تحت هٰذا الحدیث: (لایحل مال امرئ) أی مسلم أو ذمی (الا بطیب نفس) أی بأمر أو رضا. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریة، الفصل الثانی، ج: ۶، ص: ۱۳۴، ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۶، ط، دار الکتب ریاض)

اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول اللهﷺ: "أد الأمانة الی من ائتمنک، ولاتخن من خانک. وفی التنویر تحت هذا الحدیث: (ولاتخن من خانک) الخیانة ضد الأمانة وهو أن یؤتمن الانسان فلاینصح وهو نهی عن خیانة الانسان لمن خانه، وأنه لایقابل الاساءة بالاساءة فبالأولی أن یحرم علی خیانة من لم یخنه. (التنویر شرح الجامع الصغیر، ج: ۱، ص: ۴۶۳، ط، مکتبه دار السلام ریاض)

(۶۳):لو فاتت احدهم تکبیرة الافتتاح او رکعة او رکعتان ویمکنه ادراکها فی غیره لایذهب الیه لانه صار محرزا فضیلة الجماعة فی مسجده فلا یترک حقه. (غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی، فصل فی احکام المسجد، ص: ۶۱۳)

باب بھول کے سجدوں کا بیان

سنن ونوافل میں قعدہ اولیٰ کا چھوڑنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور بیچ کے قعدہ میں بیٹھنا بھول گیا۔ اسی طور پر چاروں رکعت پوری کرلیں اخیر میں قعدہ کر کے سلام پھیرا یہ نماز اس کی ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو نوافل کی اصل رکعات دو ہیں بیچ کا قعدہ فرض تھا باوجود ترک نماز کیسے ہوئی اور جو نہیں ہوئی تو قضا میں کے رکعت پڑھے دو یا چار؟ دوسرے یہ کہ ایک شخص نے چار فرائض کی نیت کی اور قعدہ اخیرہ کا نہ کیا پس اس صورت میں جو فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر پانچوں رکعت کا سجدہ نہ کیا تو بیٹھ جاوے اور سجدہ کر کے فارغ ہوجائے اور جو سجدہ پانچوں رکعت کا کرلیا تو فرض باطل ہوگئے اب اگر ایک رکعت اور ملا لیوے گا تو چھ نفل ہوجاویں گے پس جس حالت میں قعدہ اخیر فرض کا ترک ہوا تو نوافل ہونا کیسے صحیح ہوا یا قعدہ اخیر کی فرضیت میں بہ نسبت فرائض ونوافل کے کچھ تفاوت ہے اور پہلی صورت نوافل کی بعض صاحب ایسی فرماتے ہیں کہ دو رکعت نفل کی قضا ہوگی اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ وہاں فرض سے دو جائز اور دو ناجائز اور یہاں فرائض میں چاروں بلکہ چھٹوں جائز مگر فرضیت باطل اور نفلیت قائم دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا

جواب:

اس کی چار رکعتیں ہوگئیں اور قعدہ اولیٰ نوافل میں مطلقاً فرض نہیں بلکہ اس وقت فرض ہوتا ہے کہ رکعت اخیرہ بعد واقع ہو اور جس وقت کہ یہ شخص تیسری رکعت میں کھڑا ہوگیا تو معلوم ہوا کہ یہ محل قعدہ فرض کا نہ تھا بلکہ قعدہ اس جگہ واجب تھا جیسا کہ فرائض میں بھی واجب ہوتا ہے پس اس کا انجبار سجدہ سہو سے ہوسکتا ہے نفل میں بھی اور فرض میں بھی ہاں اگر

مصلی تیسری رکعت کے قیام سے قعدہ اول کی طرف لوٹ آیا تو معلوم ہوا کہ یہ قعدہ قعدہ اخیرہ تھا جو فرض ہے پس اس وقت میں قیام سے تاخیر فرض ہوئی اسلئے انجبار اس کا سجدہ سہو سے ہو جائے گا اور فرض میں قعدہ اولیٰ کا وجوب اور ثانیہ رکن ہوتا ہے۔ مستر داور موقوف فعل مصلی پر نہیں بلکہ قعدہ اخیرہ یعنی ثنائی میں دو رکعت کے بعد اور ثلاثی میں تین رکعت کے بعد اور رباعی میں چار رکعت کے بعد قعدہ ہر حال میں فرض ہے مصلی اگر موقوف سے تجاوز کرے تو قبل اس کے کہ رکعت زائدہ کو مقید بسجدہ کرے دو رکعت محل رفض ہے اس کو چھوڑ سکتا ہے اور جب اس کو مقید بسجدہ کر دیا تو اب یہ رکعت ثانیہ ہو کر قابلیت فرض سے نکل گئی تو اس میں متحقق ہو گیا کہ مصلی نے قعدہ مفروضہ کو چھوڑ دیا۔ پس فرضیت باطل ہو گئی۔ مگر نفلیت کا بطلان اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اس میں یہ قعدہ فرض نہ تھا کیونکہ یہ رکعت وسط صلوٰۃ میں واقع ہوئی ہے نہ آخیر میں قال فی الدر المختار تحت قوله و القعود الاول ولو فی نفل الاصح. اور اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے۔

لانه وان كان كل شفع منه صلوٰة على حدة حتى افترضت القراء ة فی جميعه لكن القعدة انما افترضت للخروج من الصلوٰة فاذا قام الى الثالثة تبين ان ماقبلها لم يكن او ان الخروج من الصلوٰة فلم تبق القعدة فريضة(۱). انتهٰى كلامه.

پس اس سے معلوم ہو گیا کہ چار رکعت اس کی ہو گئیں اور قضا نہ آوے گی نہ دو کی نہ چار کی پس ان صاحب کا قول غلط ہو گیا کہ جو فرماتے ہیں دو کی قضا آوے گی اور دونوں صورتوں میں فرق بھی ظاہر ہو گیا اور یہ جواب موافق مذہب شیخین کے ہے اور امام محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرض و نفل میں کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ فرائض باطل ہو گئے ویسے ہی اصل صلوٰۃ باطل ہو گی پس ان کے مذہب کے موافق سرے سے سوال ہی

(۱):(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۲، ص: ۱۵۸، ط، دار عالم الكتب رياض)

وارد نہیں ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ کہ کل شفع من النفل صلوٰۃ علی حدۃ. کلیہ نہیں بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے ہے قال فی رد المختار وکون کل شفع صلوٰۃ علی حدۃ لیس مطردا فی کل الاحکام ولذا لو ترک القعدۃ الاولیٰ لاتفسد خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) انتہیٰ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم



سنن ونوافل میں ضم سورۃ کا حکم

﴿سوال﴾:

آیا سنن ونوافل میں ترک ضم سورۃ سے سجدہ سہو لازم ہوگا اور وتر کو اس بارہ میں حکم فرائض کا دیا جاوے گا یا سنن کا کہ وتر میں بھی ترک ضم سے سجدہ آوے؟

﴿جواب﴾:

ضم سورۃ یا فاتحہ نوافل وسنن میں مثل فرائض کے واجب ہے ترک سے سجدہ سہو آوے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲):(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مطلب: قولهم كل شفع من النفل صلاة ليس مطرداً، ج: ۲، ص: ۴۵۶، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۳):فی البحر الرائق: (وفيما بعد الأوليين اكتفى بالفاتحة) يعنى فى الفرائض. أطلقه فشمل الثالثة من المغرب والأخيرتين من الرباعى......وقيدنا بالفرائض لأن النفل والواجب تجب القراء ة فى جميع الركعات بالفاتحة والسورة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،ج: ۱، ص: ۵۶۸، ۵۷۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وان تركها فى الاخريين لايجب ان كان فى الفرض وان كان فى النفل أو

قومہ وجلسہ کی دعاؤں کا حکم

﴿سوال﴾:

قومہ وجلسہ میں دعاء مسنونہ پڑھنے سے جو شخص کہتا ہو کہ سجدہ سہو لازم ہے یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ مسئلہ صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے(۴)۔فقط



الوتر وجب علیه کذا فی البحر الرائق. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی سجود السهو، ج: ۱، ص: ۱۲۶)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ج: ۲، ص: ۱۶۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۴):فی البحر الرائق: قال یعقوبؒ: سألت أبا حنیفة عن الرجل یرفع رأسه من الرکوع فی الفریضة، أیقول اللّٰهم اغفرلی قال: یقول ربنا لک الحمد وسکت. وکذلک بین السجدتین فقد أحسن حیث لم ینهه عن الاستغفار صریحاً من قوّة احترازه.

وفی منحة الخالق تحته: (فقد أحسن حیث لم ینهه عن الاستغفار الخ) أقول: وفی عدم نهیه عنه اشارة الی أنه لو فعل لم یکره اذ لو کره لکان الأولی النهی کما نهی عن القراءة فی الرکوع والسجود. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ج: ۱، ص: ۵۶۱/وفی رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفه الصلاة، ج: ۲، ص: ۲۱۲، ۲۱۳، ط، دار عالم الکتب ریاض/وفی النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفه الصلاة، ج: ۱، ص: ۲۱۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

باب وتر کا بیان

فرض پڑھانے والے کے سوا وتر کوئی اور وتر پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

﴿سوال﴾:

یہ جو مشہور ہے کہ جو شخص فرض نماز پڑھاوے وہی وتر پڑھاوے اگر دوسرا شخص پڑھا دے تو جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

درست ہے کہ دوسرا شخص وتر پڑھاوے (۱) اور جو مشہور ہے غلط ہے۔



جس کو فرض کی نماز نہ ملے وہ وتر کیسے پڑھے

﴿سوال﴾:

جس شخص کو نماز جماعت فرضوں کی نہ ملے وہ نماز وتر جماعت سے پڑھے یا علیٰحدہ زید کہتا ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ صحیح کس طرح ہے؟

﴿جواب﴾:

---

(۱): فی الشامیة: أما لو صلاها جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لا کراهة.
(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل مطلب: فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی وفی صلاة الرغائب، ج: ۲، ص: ۵۰۰، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل باب ادراک الفریضة، ج: ۲، ص: ۱۲۳، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وتر جماعت سے پڑھ لے(۲)۔فقط



دعا قنوت کے بعد درود شریف کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

وتروں میں دعائے قنوت کے بعد درود پڑھنا جیسے کہ شرح درمختار میں لکھا ہے کیسا ہے زید کہتا ہے کہ دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا اچھا ہے؟

﴿جواب﴾:

دعائے قنوت کے بعد درود شریف مستحب ہے(۳)۔فقط



---

(۲):وفی القنية لو تركوا الجماعة فی الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعة لأنها تبع له ولو لم يصلها بامام له أن يصلی الوتر به كما أن له أن يصلی التراويح بامام، والوتر بآخر علی الصحيح. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراويح، قبيل باب الصلاة فی الكعبة، ص: ۴۱۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

صلی العشاء وحده، فله أن يصلی التراويح مع الامام. ولو تركوا الجماعة فی الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة. واذا صلی معه شيئاً من التراويح أو لم يدرك شيئاً منها أو صلاها مع غيره، له أن يصلی الوتر معه، وهو الصحيح. (الفتاوی العالمكيرية، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح، ج: ۱، ص: ۱۱۷)

(۳):فی مراقی الفلاح: روی النسائی باسناد حسن ان فی حديث القنوت (وصلی اللّٰه علی النبی) صلينا عليه صلی اللّٰه عليه (و) علی (آله وسلم) كما اختار الفقيه أبو الليث رحمه اللّٰه تعالٰی أنه يصلی فی القنوت علی النبی صلی اللّٰه عليه وسلم.

باب الجمعہ والعیدین

جمعہ کہاں اولیٰ ہوگا

﴿سوال﴾:

یہاں بہت سی مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے اولیٰ کس میں ہے؟

﴿جواب﴾:

سب مسجدوں میں جمعہ درست ہے(۱) مگر بڑی مسجد میں اولیٰ ہے یا جس میں امام عالم متقی ہو۔فقط والسلام



فی حاشیة الطحطاوی تحته: قوله: (كما اختار الفقيه أبو الليث) فی الحلبی عن ابن الهمام لاينبغی أن يعدل عن هذا القول وهو الحق كما فی البحر وابن أمير الحاج. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، ص: ۳۸۱، ۳۸۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ص: ۹۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ج: ۱، ص: ۲۹۲، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱):فی البحر الرائق: (وتؤدی فی مصر مواضع) أی يصح أداء الجمعة فی مصر واحد بمواضع كثيرة وهو قول أبی حنيفة ومحمد وهو الأصح، لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدينة كبيرة حرجاً بيناً وهو مدفوع. كذا ذكر الشارح. وذكر الامام السرخسی أن الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدين وأكثر، و به نأخذ لاطلاق لاجمعة الا فی مصر شرط المصر فقط. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲ ،ص: ۲۵۰،

قریہ میں جمعہ وعیدین کا ہونا

﴿سوال﴾:

جس مقام پر تفسیر حسب فقہاء صادق نہ آتی ہو مثل قریہ وغیرہ یا جس مصر میں حاکم اور نائب بھی نہ ہو کہ اجرائے حدود شرعیہ کرے اور کفار وہاں کے مانع احکام شرعیہ بھی نہ ہوں تو وہاں جمعہ عیدین قائم کیا جاوے یا نہیں اگر ایسی جگہ قائم کرلیں تو صحیح ہوگا یا ظہر ذمہ باقی رہے گی اور حدیث **لاجمعة و لاتشریق الا فی مصر جامع** صحیح ہے یا ضعیف؟

﴿جواب﴾:

یہ حدیث قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیح ہے(۲) اور اس پر ہی عمل درآمد حنفیہ

ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

تؤدى الجمعة فى مصر واحد فى مواضع كثيرة وهو قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالٰى وهو الاصح. (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۵)

(وكذا فى اعلاء السنن، كتاب الجمعة، باب تعدد الجمعة فى مصر واحد، ج: ۸، ص: ۸۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(۲): ورواه عبدالرزاق من حديث عبدالرحمٰن السلمى عن على رضى الله عنه قال: لاتشريق ولاجمعة الا فى مصر جامع. وقال الشيخ عبدالرزاق فى تخريج هذا الحديث: موقوف صحيح أخرجه عبدالرزاق[۳: ۱۶۷] والبيهقى [۳: ۱۷۹] كلاهما عن علىؓ موقوفاً والطحاوى فى المشكل [۲: ۵۴] وقال ابن حجر فى الدراية [۱: ۲۱۴] اسناده صحيح. وقال ابن حزم فى المحلى [۵: ۵۳] فقد صح عن على: لاجمعة ولاتشريق الا فى مصر جامع. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فى اعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فى القرى،

کثر ہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔قریہ میں نماز جمعہ کسی حال میں ادانہیں ہوتی (۳)۔البتہ قصبہ یا شہر میں اگر غلبہ کفار کا ہواور اپنا امام خطیب مقرر کر کے جمعہ ادا کریں جیسا اب مروج ہے تو جمعہ ادا ہوجاتا ہے ظہر ساقط ہوجاتی ہے (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



ج: ۸، ص: ۳، ط، ادارة القرآن العلوم الاسلامية كراتشى)

(۳):فى غنية المستملى: واما شروط الاداء فستة ايضا الشرط الاول المصر او فناؤه فلاتجوز فى القرى عندنا وهو مذهب على بن ابى طالب وحذيفة وعطاء والحسن بن ابى الحسن والنخعى ومجاهد وابن سيرين والثورى وسحنون خلافا للائمة الثلثة لما روى ابن ابى شيبة عن على بن ابى طالب انه قال لاجمعة ولاتشريق ولاصلاة فطر ولااضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة وصححه ابن حزم فى المحلى. (غنية المستملى فى شرح منية المصلى، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۴۹)

(وكذا فى رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴):فى الهندية: بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما كذا فى معراج الدراية. (الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۶)

وفى الشامية: فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۱۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

دیہات میں جمعہ کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں اس کی کیا تعریف ہے اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے اور اگر چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضرور ہے یا نہیں اور بڑے گاؤں میں بعد جمعہ ظہر پڑھیں یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لیے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہوئی بلکہ شرعی دلیل سے ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں چنانچہ **یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فسعوا الٰی ذکر اللّٰہ وذرو البیع.**

یعنی اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکار ہو تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اب ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری نے عام طور پر ہر مسلمان کو فرمایا کہ جب جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو تو لوگ فوراً حاضر ہوں لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی کی ضرورت نہیں ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ضرور ثابت ہوئی ہے کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہو جاوے چنانچہ بیہقی میں ہے۔ **عن طارق بن شہاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی ﷺ قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امراۃ او صبی او مریض رواہ ابو داؤد انتھٰی مختصراً.**

یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے بجز چار کے مملوک غلام یا عورت یا بچہ یا بیمار کے خلاصہ یہ کہ جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہو جاوے اور جماعت کے لئے سب سے کم درجہ دو عدد ہے اور دو شخصوں سے

جماعت ہو جاتی ہے چانچہ نیل الاوطار میں ہے۔

اما الاثنان فبانضمام احدهما الى الأخر يحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع عليهما اسم الجماعة فقال الاثنان فما فوقهما جماعة كما تقدم فى ابواب الجماعة.

خلاصہ یہ کہ دوشخصوں سے جماعت ہوجاتی ہے اب ظاہر ہے کہ آیت اور دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ قدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں جن کا کم سے کم درجہ دو عدد ہے لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو اس پر بھی جمعہ فرض ہے ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے لئے دلیل یہ قول بیان کیا گیا ہے۔**لاجمعة ولاتشريق ولافطر ولا اضحى الا فى مصر جامع.** اور اس قول کو صاحب ہدایہ نے حضرت کا قول قرار دیا ہے مگر صحیح یہ بات ہے کہ حضرت کا قول نہیں ہے(۵) بلکہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے **قوله: يقول على لاجمعة ولاتشريق الخ رفعه المصنف وانما رواه ابن ابى شيبة موقوفا على على رضى الله تعالىٰ عنه لاجمعة ولاتشريق ولا فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة وصححه ابن حزم(٦).** یعنی

---

(۵):عن على رضى الله عنه أنه قال: لاجمعة ولاتشريق الا فى مصر جامع. أخرجه أبو عبيد باسناد صحيح اليه موقوفا. ومعنا لاصلاة جمعة، ولاصلاة عيد. كذا فى فتح البارى [۲: ۳۸]......وذكر الامام خواهر زاده فى "مبسوطه" أن أبا يوسف ذكره فى الاملاء مسندا مرفوعا الى النبى ﷺ. وأبو يوسف امام الحديث حجة اهـ. كذا فى البناية [۱ : ۹۸۳]. أى فيكون رفعه حجة لأنه زيادة من ثقة فتقبل. (اعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فى القرى، ج: ۸، ص: ۳، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(٦):فتح القدیر کے حوالے سے جو یہ لکھا گیا ہے"قوله: يقول على لاجمعة ولاتشريق

مصنف نے اس قول کومرفوع قرار دیا ہے یعنی حضرت کا قول کہا ہے حالانکہ یہ قول حضرت علی پرموقوف ہے یعنی ان کا ہی قول ہے خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اس کے بعد خود حنفیہ میں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ مصر کس کو کہتے ہیں اور اس بارے میں علماء حنفیہ کے مختلف اقوال موجود ہیں چنانچہ یہ اقوال ہدایہ اور اس کی شرحوں میں موجود ہیں لیکن واضح ہو کہ جمعہ کے لئے مصر کا ہونا خود حنفیہ کے اصول اور قاعدہ کی رو سے حجت نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع یعنی حضرت کا قول موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے مصر ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے اور حنفیہ کا قاعدہ ہے کہ جو قول صحابی ایسا ہو کہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہو تو وہ حجت نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

قول الصحابی حجة فیجب تقلیده عندنا اذا لم ینفه شیء اخر من السنة. یعنی قول صحابی حجت ہے لہٰذا اس کی تقلید ہمارے اوپر واجب ہے مگر اس وقت کہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرے اس قاعدہ سے معلوم ہوا قول صحابی حجت نہ ہوگا کیونکہ اس کے خلاف حدیث مرفوع موجود ہے لہٰذا جمعہ کے لئے شہر کا ٹھہرانا باطل ہو گیا اور قابل تسلیم نہیں رہا اور جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنا ضروری نہیں ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل نہیں ہے دوسرے یہ کہ جو لوگ آج کل جمعہ کے بعد ظہر پڑھنی بتاتے ہیں وہ یہ وجہ کہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ فرض ہونے میں شک ہے اس واسطے احتیاطاً ظہر پڑھ لینی چاہیے لیکن اوپر معلوم ہو چکا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے دیہاتوں میں جمعہ فرض ہے لہٰذا اب جمعہ کی فرضیت میں شک نہیں رہا اور جب شک جاتا رہا تو احتیاطی ظہر بھی جاتی رہی اور اور اس کے پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں باقی رہی واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

الخ'' یہ عبارت درست نہیں، بلکہ فتح القدیر کی صحیح عبارت یہ ہے ''**قوله: لقوله ﷺ لاجمعة الخ**۔ دیکھئے: **فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان.**

عن ابن عباس اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی عن البحرین بخاری وابوداؤد وقال جواثی قریة فی قری البحرین.

اور امور معلومہ ظاہرہ سے ہے کہ عبدالقیس نے بغیر امر حضرت ﷺ کی اقامۃ جمعہ نہیں کیا از انکہ عادت صحابہ کرام سے یہ ہے کہ کوئی فعل بغیر امر شارع کے نہیں کیا کرتے خصوصاً زمان نزول وحی میں اور خصوصاً ابتداء اسلام میں معہذا اگر یہ امر اقامۃ جمعہ منجملہ ممنوعات شرعیہ سے ہوتا تو البتہ اس کی نہی میں نزول وحی ہوتا اور عدم نزول وحی اقوی ادلہ جواز سے ہے۔ چنانچہ حضرت جابر اور ابوسعید نے جواز عزل پر اسی طرح استدلال کیا اور کہا کنا نعزل والقرآن ینزل وھکذا.

اور شواہد اس کے بہت ہیں وایضا جمعہ مانند سائر صلوٰۃ کے ہے الا ماورد به النص بالتخصیص کالخطبة وغیرہ. اور بالاتفاق جمیع صلوات سب جگہ بلافرق قری ومدن کے لازم ہے یہ بھی ویسا ہی ہے اور ایضا حدیث الجمعة الجمعة واجب علی کل محتلم عام ہے جمیع امکنہ کو بلا تخصیص بلاد عظیمہ وغیرہ کے اور حسب قاعدہ اصولیہ عام جب تک کوئی مخصص صحیح موازن اس کی توقیت وغیرہ میں نہ عموم پر محمول ہوتا ہے باقی وہ حدیث جس پر فرقہ متعصبہ نازاں وفرحان ہے عن علی مرفوعا لاجمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع امام احمد نے اس حدیث کے رفع میں بہت کلام کیا اور اخیر فیصلہ کیا صحیح یہ ہے کہ حدیث مرفوع نہیں ہے اور ابن حزم نے فرمایا الصحیح وقفه نیل الاوطار میں ہے وللاجتهاد فیها مسرح فلاینتهض للاحتجاج.

پس یہ حدیث موقوف کیونکر معارضہ اس حدیث مذکورہ بالا کا کر سکتی ہے بلکہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے امام نووی فرماتے ہیں حدیث علی متفق علی ضعفه علاوہ اس کے اور احادیث اس کی مؤیدات ہیں بخاری شریف میں ہے قال یونس کتب زریق بن حکیم الی ابن ابی شهاب وانا معه یومئذ بوادی القری هل تری ان اجمع

وزریق عامل علی الارض یعملها وفیها جماعة من السودان وغیرهم وزریق یومئذ علی ایلة فکتب ابن شهاب وانا اسمع یامره ان یجمع الحدیث بطوله ابن شیبة من طریق ابی رافع عن ابی هریرة عن عمر سے لائے ہیں۔

ان عمر رضی اللّٰہ عنہ کتب الیٰ اهل البحرین ان اجمعوا حیث ماکنتم قال هذا یشتمل القری والمدن وصححه ابن حزیمة.

امام بیہقی طریق ولید بن مسلم سے لائے ہیں۔ قالت سالت اللیث بن سعد رایه عن التجمیع فی القریٰ، فقال کل مدینة او قریة فیها جماعة امروا بالجمعة فان اهل مصر وسواحلها کانوا یجمعون الجمعة علی عهد عمر وعثمان بامرهما وفیها رجال من الصحابة.

القصہ احادیث کثیرہ مابین ضعاف وحسان اس بارہ میں اسفار معتبرہ میں موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ جہاں جمعہ پڑھنا ضروری ہے از آنکہ وعید تارک جمعہ تارک جمعہ سب پر عائد ہے باقی جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے اور تعیین جماعت متیقن اقوال مختلفہ وارد ہوئے۔ چنانچہ صاحب فتح الباری نے ۱۵۔ اقوال نقل کئے امادہ تعین جو خود شارع شریف سے ثابت ہے متیقن وواجب التسلیم ہے فرمایا:

اثنان فما فوقها جماعة قال فی النیل لم یثبت دلیل علیٰ اشتراط عدد مخصوص وقد صحت الجماعة فی سائر الصلوٰة باثنین ولا فوق بینها وبین الجمعة ولم یات نص رسول اللّٰہ ﷺ بان الجمعة تنعقد بکذا وکذا.

پس حاصل یہ ہے جب دو شخص کسی مکان میں مل کر جماعت سے جمعہ پڑھ لیں تو وہ ادائے ماوجب علیہما سے بری ہوگئے ہذا ھوالحق۔ سید محمد نذیر حسین۔ سید محمد عبدالسلام غفرلہ۔ سید محمد ابوالحسن۔

آیت سے فرض ہونا جمعہ کا عام طور پر ہر جگہ ثابت ہوا شہر ہو یا قریہ پس تخصیص شہر کی نص کے مقابلہ میں موافق قاعدہ اصول حنفیہ کے احناف کو کرنا چاہیے واذا لیس فلیس اور خلاف قواعد اپنے مذہب کے فتویٰ دینا کالحباری فی الصحاری باطل ہے بل ھو ھرس من ھرسات الشیطان اور ابوداؤد میں ہے باب الجمعة فی القری حدثنا عثمان بن ابی شیبة و محمد بن عبداللّٰہ الخزومی لفظه قالا نا وکیع عن ابراھیم بن طھمان عن ابی جمرة عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللّٰہ ﷺ بالمدینة الجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین قال عثمان من قری عبدالقیس.

اور صلوٰۃ جمعہ ادا کر کے پھر ظہر پڑھنا ایک محدث امر ہے اور وسوسہ شیطانی حدیث میں آیا ہے۔ کل محدث بدعة. تلطف حسین۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: حامدا للّٰہ علی جزائل نعمائه وشاکرا له علی جلائل الآئه ومصلیا علی رسوله محمد افضل انبیائه ومبلغ انبائه وعلی سائر الصحب والآل ومن سلک مسالک اقتفائه اقول وباللّٰہ التوفیق.

یہ جواب فتویٰ کے چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ فرض ہے اگر چہ وہاں دو ہی مسلمان ہوں ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ روایات معتبرہ صحیحہ سے یہ امر ثابت ہے کہ فرضیت نماز جمعہ مکہ معظّمہ میں قبل ہجرت ہو چکی تھی۔ مگر جناب رسول اللہ ﷺ کو مکہ معظّمہ میں اقامۃ جمعہ کی بسبب غلبۂ کفار کے قدرت نہ تھی لہٰذا اقامۃ جمعہ سے عاجز رہے۔ لیکن اہل مدینہ کو آپ نے واسطے اقامۃ جمعہ کے امر فرمایا تھا اور حسب حکم آپ کے مدینہ طیبہ میں جمعہ ہوا اور تا مقدم رسول اللہ ﷺ وہاں جمعہ جاری رہا۔ چنانچہ شوکانی نیل الاوطار میں فرماتے ہیں۔ وذلک ان الجمعة فرضت علی النبی ﷺ وھو بمکة قبل الھجرة کما اخرجه

الطبرانی عن ابن عباس فلم یتمکن من اقامتها هنالک من اجل الکفار فلما هاجر من هناجر من اصحاب المدینة کتب الیهم یامرهم ان یجمعوا فجمعوا (۷) انتهٰی عبارته.

اور نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی عون الباری میں اور علامہ قسطلانی اور علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں تحت قوله فهدانا اللّٰه له بان نص لنا علیه ولم یکلنا الی اجتهادنا لاحتمال ان یکون صلی اللّٰه علیه وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم تمکن من اقامتها بها و فیه حدیث عن ابن عباس عند الدار قطنی ولذلک جمع لهم اول ما قدم المدینة کما ذکره ابن اسحاق وغیره (۸) انتهٰی. کلامه جمیعا. اور نیز سنن ابوداؤد میں ہے: عن عبدالرحمن بن کعب بن مالک وکان قائد ابیه بعد ماذهب بصره عن ابیه کعب مالک رضی اللّٰه عنهما انه کان اذا سمع الداء یوم الجمعة ترحم لاسعد بن زرارة قال فقلت له اذا سمعت الدآء ترحمت لاسعد بن زرارة قال لانه اول من جمع بنا فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الحضمات قلت کم انتم یومئذ قال اربعون رجلا (۹). ورواه

(۷):(نیل الاوطار من أسرار منتقی الأخبار، ابواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعین واقامتها فی القری، ج: ٦، ص: ۲۵۰، ۲۵۱، ط، دار ابن الجوزی ریاض)

(۸):(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ج: ۲، ص: ۱۵۵، ۱۵٦، ط، الکبری الامیریة مصر، واللفظ له./ فتح الباری، کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۱۴، ط، مکتبة الملک فهدالوطنیة ریاض)

(۹):(سنن أبی داؤد، ابواب الجمعة، باب الجمعة فی القری، ص: ۱٦۲، رقم: ۱۰٦۹، ط، دار السلام ریاض)

ابن ماجة وقال فيه كان اول من صلى بنا صلٰوة الجمعة قبل مقدم النبی ﷺ من مكة (١٠). انتهٰی.

اور جب آپ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو اول جمعہ جو آپ کے وہاں ہوا آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور اس وقت تک آیت جمعہ ہرگز نہ نازل ہوئی تھی بلکہ ایک مدت کے بعد نازل ہوئی ہے چنانچہ اتقان میں ہے۔ سورة الجمعة الصحيح انها مدينة لما روى البخاری عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال كا جلوسا عند النبی صلی الله تعالی عليه وسلم فانزلت عليه سورة الجمعة واخرين منهم لما يلحقوا بهم قلت من هم يا رسول الله الحديث ومعلوم ان اسلام ابی هريرة بعد الهجرة بمدة وقوله قل يايها الذين هادوا خطاب لليهود وكانوا بالمدينة واخر السورة نزل فی انفضاضهم حال الخطبة لما قدمت العير كما فی الاحاديث الصحيحه فثبت انها مدينة كلها (١١) انتهٰی. عبارة الاتقان.

پس ان روایات سے ثابت ہو چکا کہ نزول آیت جمعہ کا بعد فرضیت جمعہ کے ہے اس آیت کے نزول سے ابتداء فرضیت جمعہ امت پر نہیں ہوئی بلکہ نزول آیت کا بعد فرضیت جمعہ کے ہوا ہے، بہت سے احکام اس قبیل سے ہیں کہ اول حکم نازل ہو گیا اور آیت اس باب میں بعد میں نازل ہوئی یہ آیت بھی اسی قسم میں داخل ہے سیوطی اتقان میں کہتے ہیں۔ النوع الثانی عشر ماتاخر حكمه عن نزوله وما تاخر نزوله عن حكمه الى ان قال ومن امثلته ايضا اٰية الجمعة فانها مدينة والجمعة فرضت بمكة الى اخر ما

(١٠):(سنن ابن ماجة، باب فرض الجمعة، ص: ٧٦، ط، قديمی كتب خانه كراتشی)

(١١):(الاتقان فی علوم القرآن، النوع الأول معرفة المكی والمدنی، فصل فی تحرير السور المختلف فيها، الجزء الأول، ص: ٢٣)

قال (۱۲).

پس جو علماء فرماتے ہیں کہ فرضیت جمعہ بعد ہجرت مدینۃ طیبہ میں ہوئی اس آیت سے سو اگر ان کی یہ مراد ہے کہ وہ آیت جس سے فرض ہونا جمعہ کا ہم کو معلوم ہوتا ہے مدینہ میں نازل ہوئی تو یہ قول ان کا درست اور بجا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں بعد ہجرت اس آیت سے ہی فرض ہوا تو ہر اہل بصیرت پر واضح ہے کہ یہ رائے خلاف واقعہ کے ہے، چنانچہ اوپر کی احادیث سے ظاہر ہو گیا اور یہ روایت ابوداؤد وغیرہ کی ہے: **جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان تنزل الجمعة فقالت الانصار ان لليهود يوما يجتمعون فيه كل سبعة ايام وللنصارى كل فهام فلنجعل يوما نجتمع فيه نذكر الله تعالىٰ ونصلى ونشكره فجعلوه يوم العروبة اجتمعوا على اسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ وانزل الله تعالىٰ بعد ذلك اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة الأية(۱۳). انتهىٰ.**

سو یہ روایت معارض اس پہلی روایت کے کہ جس میں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقامۃ

(۱۲):(الاتقان فی علوم القرآن، النوع الثانی عشر ما تأخر حكمه عن نزوله، وما تأخر نزوله عن حكمه، الجزء الأول، ص: ۲۴۲)

(۱۳):لم أجده في سنن أبي داؤد ولكن اخرجه الحافظ عبدالرزاق في مصنفه عن ابن سيرين مرسلا. وقال العلامة بدر الدين العينيؒ في العمدة والحافظؒ في الفتح : و هذا وان كان مرسلا فله شاهد باسناد حسن أخرجه أحمد وأبو داؤد وابن ماجة و صححه ابن خزيمة وغير واحد من حديث كعب مالك قال: كان أول من صلى بنا الجمعة.الى آخر الحديث. (انظر:المصنف لعبدالرزاق، كتاب الجمعة، باب أول من جمع، ج: ۳، ص: ۱۵۹، رقم: ۵۱۴۴، ط، المكتب الاسلامي بيروت/ وفتح البارى، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۱۴، ط، مكتبة الملك فهد الوطنية رياض/ وعمدة القارى، كتاب الجمعة، باب فرض الجمعة، ج: ٦، ص: ۲۳٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

جمعہ ثابت ہوتا ہے ہرگز نہیں ہے چونکہ یہ اجتماع انصار کا از رائے خود قبل امر رسول اللہ ﷺ کے ہوا تھا اور وہ صلوٰۃ تنفلا تھی۔ اس کے سبب سے انہوں نے فرض ظہر ترک نہ کیا کیونکہ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اپنی رائے سے ایک امر ایجاد کر کے فریضہ حق سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے اور بعد امر رسول اللہ ﷺ فریضہ دو رکعت پڑھی گئی اور اس کو مسقط ظہر ٹھہرایا گیا پس ان دونوں واقعات میں کچھ مخالفت اور تعارض نہیں ہے۔ الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہوچکی تھی اور مکہ میں اقامۃ جمعہ سے تعذر رہا اور مدینہ میں کہ مصر تھا اور مسلمانوں کو تمکن اقامۃ جمعہ کا تھا جمعہ بامر رسول اللہ ﷺ جاری رہا اور جو مواقع محل اقامۃ جمعہ نہ تھے۔ مثل عوالی قباء وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا حالانکہ وہاں بہت مسلمان مقیم تھے اور نہ کبھی بعد میں وہاں جمعہ پڑھا گیا۔ چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے:

عن ابن عباس ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد ماجمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبدالقیس (۱۴) انتھٰی.

پس اگر ہر قریہ میں اگر چہ صغیرہ ہو جمعہ فرض تھا کہ تو کیا وجہ تھی کہ حضرت ﷺ نے ان لوگوں کو امر نہ فرمایا جیسا کہ اہل مدینہ کو امر فرمایا تھا حالانکہ تبلیغ احکام آپ کی ذات پاک پر ہر بشر کی طرف فرض تھی اور بعد اس کے جب آپ نے ہجرت فرمائی تو اول نزول آپ کا قبا میں ہوا۔ اور وہاں چودہ روز آپ نے اقامۃ فرمائی اگر چہ عدد ایام اقامۃ میں اختلاف ہے مگر کتاب بخاری اصح الکتب میں جو چودہ روز مذکور ہیں وہ سب سے راجح ہے اور ان ایام اقامۃ قبا میں آپ کو دو جمعہ پیش آئے کیونکہ آپ پیر کے روز قبا میں فروکش ہوئے اور پیر ہی کے روز پندرہویں دن مدینہ کو تشریف لے گئے (۱۵) مگر آپ نے قبا میں اقامۃ جمعہ نہ فرمائی اور نہ

---

(۱۴):(سنن أبی داؤد، ابواب الجمعة، باب الجمعة فی القری، ص: ۱٦٢، رقم: ۱۰٦٨، ط، دار السلام ریاض)

(۱۵):قال أبو جعفر: وقدم دلیلهما بهما قباء، علي بني عمرو بن عوف لثنتي

اہل قبا کو حکم فرمایا کہ تم پر نماز جمعہ فرض ہے تم اقامۃ جمعہ کرو اور نہ اس پر سرزنش فرمائی کہ مدینہ میں جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک جمعہ کیوں نہیں پڑھا تو اہل قریہ پر اگر جمعہ فرض تھا تو اس

عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الأول، يوم الأثنين حين اشتد الضحى، وكادت الشمس أن تعتدل. (تاريخ الطبرى، ج: ٢، ص: ٣٨١، ط، دار المعارف بمصر)

قال ابن اسحاق: فأقام رسول اللهﷺ بقباء فى بنى عمرو بن عوف يوما الاثنين ويوم الثلاثاء يوم الاربعاء ويوم الخميس وأسس مسجده، ثم أخرجه الله من بين أظهرهم يوم الجمعة وبنو عمرو ابن عوف يزعمون أنه مكث فيهم أكثر من ذلک. وقال عبدالله بن ادريس عن محمد بن اسحاق: قال: وبنو عمرو بن عوف يزعمون أنه عليه السلام أقام فيهم ثمانى عشر ليلة....وقال الواقدى: ويقال أقام فيهم أربع عشرة ليلة. (البداية والنهاية، ج: ٣، ص: ١٩٨، ط، مكتبة المعارف بيروت لبنان)

قال ابن شهاب: واخبرنى عبدالرحمٰن بن مالک المدلجى، وهو ابن أخى سراقة بن مالک بن جعشم، أن اباه أخبره أنه سمع سراقة بن جعشم يقول:.....حتى نزل بهم فى بنى عمرو بن عوف، وذلک يوم الاثنين من شهر ربيع الأول، فقام أبو بكر للناس وجلس رسول اللهﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم ير رسول اللهﷺ يحيى ابا بكر، حتى أصابت الشمس رسول اللهﷺ فأقبل أبو بكر حتى ظلل عليه بردائه فعرف الناس رسول اللهﷺ عند ذلک فلبث رسول الله فى بنى عمرو بن عوف بضع عشرة ليلة۔ الى آخر الحديث۔

وفى الفجر الساطع تحت هذا الحديث: بضع عشرة ليلة: يأتى أنها أربعة عشر يوماً. (الفجر الساطع على الصحيح الجامع، كتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبىﷺ، وأصحابه الى المدينة، ج: ٩، ص: ٢٠٨، ط، مكتبة الرشد رياض)

(وكذا فى منحة الملک الجليل، شرح صحيح محمد بن اسماعيل، كتاب فضائل أصحاب النبىﷺ، باب مقدم النبىﷺ واصحابه الى المدينة، ج: ٧، ص:

ترک نماز جمعہ کی اہل قبا سے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی کیا وجہ تھی جو صاحب مدعی وجوب جمعہ پر اہل قری ہیں۔ان پر اس کا جواب واجب ہے۔ بخاری میں ہے:

حدثنا انس بن مالک قال لما قدم رسول اللہ ﷺ المدینة نزل فی علو المدینة فی حی یقال لھم بنو عمرو بن عوف قال فاقام فیھم اربع عشرة لیلة الحدیث(۱۶).

اور جن علماء کو اس روایت جمعہ جواثی سے شبہ وجوب جمعہ بر اہل قریٰ ہوا ہے وہ کئی وجہ سے درست نہیں ہے اول تو یہ کہ جواثی گاؤں نہ تھا بلکہ شہر تھا اور جب اس میں احتمال ان معنی

۳۴۳، ط، دار التوحید ریاض)

عن أنس بن مالک قال: لما قدم رسول اللہ ﷺ المدینة فنزل فی علو المدینة فی حی یقال: لھم بنو عمرو بن عوف، فأقام فیھم أربع عشرة لیلة ۔ الی آخر الحدیث ۔

وفی حاشیة البذل تحت ھذا الحدیث: وفی روایة الحموی والمستعلی: أربع عشرون، والصواب الأولی، کما ذکرہ المصنف ومسلم، "ابن رسلان". وھو الأنسب لأنہ علیہ الصلاة والسلام بدر وکمالہ فی أربعة عشر. "ابن رسلان". (بذل المجھود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی بناء المساجد، ج: ۳، ص: ۱۶۷، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

وفی فتح المنعم: (فأقام فیھم أربع عشرة لیلة) ھذہ روایة الأکثرین، وفی روایة "بضع عشرة لیلة" ولاخلاف بینھما، لکن فی روایة المستعلی والحموی "أربعاً وعشرین لیلة" قال الحافظ ابن حجر: والأول ھو الصواب. (فتح المنعم شرح صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب مسجد المدینة، والصلاة فی مرابض الغنم، ج: ۳، ص: ۱۱۰، ط، دار الشروق القاھرة)

(۱۶):(صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ الی المدینة، ص: ۸۰۸، رقم: ۳۹۳۲، ط، دار السلام ریاض)

کا ہوا تو استدلال درست نہ رہا کہ: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فی العینی شرح بخاری وحکی ابن القیس عن الشیخ ابی الحسن انها مدینة وفی الصحاح للجوهری والبلدان للزمخشری جواثی حصن بالبحرین وقال ابو عبدا البکری وهی مدینة بالبحرین لعبد القیس قال امرأ القیس

ورحنا کانا من جواثی عشیة
تعالی النعاج بین عدل ومحقب

یرید کانا من تجار جواثی لکثرة ما معهم من الصید اراد کثرة امتعة تجار جواثی قلت کثرة الامتعة تدل غالبا علی کثرة التجار وکثرة التجار تدل علی ان جواثی مدینة قطعا ان القریة لایکون فیها تجار کثیرون غالباً (۱۷) انتہٰی. اور با آنکہ بعض اوقات اطلاق قریہ کا باعتبار اس کے معنی لغوی اجتماع کے مدینہ پر بھی ہو جاتا ہے: قال اللّٰہ تعالٰی وقالوا لولا انزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (۱۸).

یعنی مکہ وطائف اور اگر تسلیم ہی کر لیا جاوے کہ جواثی قریہ تھا تو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اہل جواثی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت واذن سے وہاں جمعہ ادا کیا تھا اور آپ کو اس کی اطلاع ہو کر آپ نے اس کی تقریر بھی فرمائی آج تک یہ کسی سے ثابت نہیں ہوا ہے کہ یہ فعل ان کا باذن واجازت آپ کے تھا اگر کسی کو دعویٰ ہو تو اب صراحۃً اجازت آپ کی کسی حدیث صحیح سے ثابت کرے اور یہ خیال کہ جو کچھ کرتے تھے آپ کی اجازت سے کرتے تھے۔ چنانچہ بعض علماء مثل علامہ شوکانیؒ وغیرہ نے عذر کیا ہے درست نہیں ہے کیونکہ بہت افعال صحابہ کرام سے بلا اذن صریح واجازت آپ کے ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ خود اسی امر جمعہ میں

(۱۷):(عمدة القاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، ج: ۶، ص: ۲۷۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۸):(سورة الزخرف: ۳۱)

اسعد بن زرارۃ نے قبل امر رسول اللہ ﷺ کے جمعہ قائم کیا تھا جیسا کہ حدیث ابوداؤد سے اوپر ثابت ہوا اور چونکہ جواز اقامۃ جمعہ کا جواثی میں درصورت قریہ صغیرہ ہونے جواثی کے موقوف تھا یا اذن رسول اللہ ﷺ پر یا بعد خبر ہونے کے تقریر اور سکوت پر اور یہ دونوں امر ہرگز ثابت نہیں تو علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواز کے لئے یہ تجویز فرمائی کہ جس کو مجیب صاحب نقل فرماتے ہیں۔

بقوله عن ابن عباس رضی الله عنه اول جمعه جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین (١٩). (بخاری وابوداؤد) وقال جواثی قریة من قری البحرین (٢٠) الی اخر ما ذکر فی جواب المجیب.

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اگرچہ یہاں اذن سے رسول اللہ ﷺ کے نہ ہو یا کسی نے خبر اس اقامۃ کی آپ کو نہ دی ہو تا کہ آپ کی تقریر اور سکوت موجب جواز ٹھہرائی جاوے مگر چونکہ آپ کی حیات میں اہل جواثی نے یہ اقامۃ جمعہ کی تھی تو اگر یہ اقامۃ ناجائز ہوتی تو بالضرور بذریعہ وحی کے آپ کو اطلاع دی جاتی اور آپ اس کو منع فرماتے پس جب کہ آپ کو اس کی ممانعت کا حکم نہ آیا تو یہ اقامت درست اور جائز ہوگئی اور اس کی نظیر میں واقعہ عزل کو پیش فرماتے ہیں۔ اب بندہ عرض کرتا ہے کہ جو امر صحابہؓ نے اپنی رائے سے بدون علم اطلاع رسول ﷺ کے عمل درآمد فرمایا اور اس کی ممانعت میں نزول وحی نہ ہوا تو اس امر کے جواز کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس میں کوئی نص ممانعت کی موجود نہ ہو دوسرے یہ عام صحابہ پر تعامل فرماویں نہ چند نفر اصحاب اگر کوئی نص ممانعت موجود ہو تو ہرگز صحابہ کا تعامل معتبر نہ ہوگا

---

(١٩):(صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن، ص: ١٧٦، رقم: ٨٩٢، ط، دار السلام ریاض)

(٢٠):(سنن أبی داؤد، ابواب الجمعة، باب الجمعة فی القری، ص: ١٦٢، رقم: ١٠٦٨، ط، دار السلام ریاض)

بمقابلہ نص صریح صحیح کے اور نہ یہاں ضرورت نزول وحی کہ ہوگی کہ وہ نص ممانعت خود بمنزلہ وحی کے موجود ہے چنانچہ سب پر واضح ہے اور اگر بدون اطلاع کے نص کے اکثر صحابہ نے بھی کوئی عمل کیا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ بھی قابل اعتماد کے نہ ہوگا اور ضرورت نزول وحی کی نہ ہوگی۔ کیونکہ قول اور فعل رسول اللہ ﷺ کا مثل وحی کے ہے بلکہ ایسے مواقع میں اس کے مقابل دوسری نص کی حاجت ہوتی ہے جو مؤید رائے صحابہ کے ہو۔ چنانچہ باب متعہ میں بعد اوطاس کے رسول اللہ ﷺ نے متعہ کو ابد الآباد تک حرام من کل الوجوہ فرمادیا تھا (۲۱) اور بعد اس کے بسبب ہجری اس تحریم کے بعض صحابہ نے اس کو ناجائز جانا اور اکثر نے اس پر عمل بھی کیا اس میں نزول وحی کا نہیں ہوا پھر بھی کوئی اس کو جائز نہیں کہہ سکتا اور اس کے اور نظائر بھی موجود ہیں۔ اور باب عزل میں خود جواز کی نص موجود ہے کہ خود جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں۔

قال قلنا یا رسول اللّٰہ کنا نعزل فزعمت الیھود انہ المؤدۃ الصغری فقال کذب الیھود ان اللّٰہ اذا اراد ان یخلق شیئا لم یمنعہ (۲۲).

پس جبکہ جابر رضی اللہ عنہ کو جواز اس کا معلوم ہو چکا تھا اور اکثر صحابہ اس پر تعامل رکھتے تھے اور کوئی نص اس کی حرمت کی نہ تھی اس پر بھی جب بعض نے اس فعل کا انکار کیا تو

---

(۲۱): عن ایاس بن سلمۃ، عن ابیہ، قال: رخص رسول اللّٰہ ﷺ عام أوطاس، فی المتعۃ ثلاثا. ثم نھٰی عنھا. وفی فتح الملھم تحت ھذا الحدیث: ھذا تصریح بأنھا أبیحت یوم فتح مکۃ، وھو ویوم أوطاس شیء واحد. (موسوعۃ فتح الملھم بشرح صحیح الامام مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ وبیان أنہ أبیح ثم نسخ، ثم أبیح ثم نسخ واستقر تحریمہ الی یوم القیامۃ، ج: ٦، ص: ٥٥٢، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

(۲۲): (جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی العزل، ص: ٢٧٥، رقم: ١١٣٦، ط، دارالسلام ریاض)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ فعل باجازت رسول اللہ ﷺ ہوا ہے اور کوئی وحی اس کے ترک کی نہیں آئی تو کس وجہ سے یہ فعل ناجائز ہوسکتا ہے ہاں اگر یہ فعل خلاف اولیٰ ہوتو یہ دوسرا امر ہے بخلاف مسئلہ اقامت جمعہ کے اس میں کوئی دلیل جواز جمعہ کی موجود نہیں ہے بلکہ نص صریح فعل رسول اللہ ﷺ وتعامل صحابہ اہل عوالی وغیرہ سے اس کی ممانعت بدیہی وصریح ہے اور اہل جواثی کہ بزعم علامہ رحمۃ اللہ علیہ وہ قریہ صغیرہ تھا۔ چند نفر صحابہ تھے کہ چند روز صحبت رسول اللہ ﷺ سے مشرف ہوئے تھے اور بیشتر قری صغیرہ میں بھی چالیس پچاس آدمی ہوتے ہیں۔ پھر یہاں نزول وحی کے باوجود ایسی نص مخالف موجود ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ پس اس کو باب عزل پر قیاس کرنا ایسے علامہ محقق سے بہت بعید ہے معہذا اگر کوئی اس رائے کو باوجود عدم صحت قبول بھی کرلے تو اس سے جواز اقامۃ فی القری نکلتا ہے نہ فرضیت پھر یہ روایت مجیب صاحب کو کیا مفید ہوگی کہ وہ دو آدمی قریہ پر بھی جمعہ فرض فرماتے ہیں نہ معلوم نقل اس عبارت سے مجیب صاحب کو کیا تائید ملی اور حنفیہ فرماتے ہیں کہ جواثی مدینہ تھا۔ چنانچہ محققین لغت حدیث نے تصریح فرمائی ہے کما ذکرنا اور عادت ہے کہ مدینہ پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے اور قریہ کو مدینہ کوئی نہیں کہتا۔ لہٰذا اگر کسی نے جواثی کو قریہ کہا تو وہ حجت اس پر نہیں ہے کہ جواثی قریہ تھا بلکہ وہ مدینہ ہی تھا پس دریں صورت اقامۃ جمعہ اہل جواثی کی بنص صریح وباجازت رسول اللہ ﷺ ہے کہ اس میں کچھ اشکال نہیں۔ بعد اس کے مجیب صاحب فتح الباری سے آثار حضرت عمر وحضرت عثمان وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نقل فرمائے ہیں اور یہ ان کو مفید نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے نامہ میں جو لفظ حیثما کنتم واقع ہے اس سے یہ صاحب عموم امکنہ ثابت کرتے ہیں کہ مدن اور قری کو شامل ہے سو اولاً ہم کہتے ہیں کہ اگر حسب الحکم مجیب صاحب عموم امکنہ ہی مراد ہوتو یہ عموم صحاری اور بحار کو بھی مشتمل ہے اور صحاری میں کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا تو جس طرح صحاری وبحار کو وہ تخصیص کریں گے اسی طرح سے ہم قری صغیرہ کو تخصیص کریں گے، اعنی بالنص المرفوع،

ثانیا اگر مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعمیم ہے تو کیونکر مظنون ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ دس سال تک حضرت علیہ صلی اللہ وسلم کے فعل کو مشاہدہ فرماویں پھر آپ کے تعامل کے خلاف پر جرأت فرماویں حاشا وکلا یہ ہرگز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوسکتا۔ ثالثا بفرض محال اگر مراد ان کی عموم ہی ہے تو خلاف نص قطعی فعل رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم کے کس طرح معتبر ہوگی لہٰذا مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عموم مدن ہے نہ اشتمال قری۔ علیٰ ہذا اثر حضرت عثمانؓ وغیرہ کا یہی جواب ہے اور اسی وجہ سے صاحب فتح نے یہاں اشتمال قری خیال فرمایا ہے وہ اول آثار کو خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ ان کے نزدیک موقوف ہے۔ اور بسبب موقوفیت ان ہرسہ آثار کے ان کو مثبت مدعا نہ جان کر فرماتے ہیں کہ رجوع طرف مرفوع کے واجب ہے پس حنفیہ عامل اس پر ہوئے کہ نص مرفوع یعنی فعل رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم کو پیش نظر کیا اور اقوال اور افعال صحابہ کو ہرگز وہ مختلف نہیں جانتے اور نہ وہ فی الواقع مختلف ہیں بلکہ سب کے نزدیک وہ ہی معتبر ہے کہ جس پر جناب رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عمرؓ ہی حکم دیتے تھے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حذیفہ وغیرہما رضی اللہ عنہم فرماتے تھے۔ پس کوئی ادنیٰ صحابی بھی حضرت علیہ صلی اللہ وسلم کے خلاف نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اور اکابر صحابہ۔ پس جملہ اصحاب کرام کے کلام کو بالاتفاق موافق فعل رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم کے حمل کرنا چاہیے اور اگر خلاف متبادر ہو تو تاویل کرنا واجب ہے اور اگر تاویل بھی نہ ہوسکے تو ترک کردینا چاہیے اور مذہب اپنا موافق فعل رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم کے کرنا چاہیے اور اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ جتنی احادیث موقوفہ یا مرفوعہ بلفظ عموم آئی ہیں وہ سب مخصوص ہیں اس میں عموم مدن ہے نہ قری اور جہاں قریہ کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں مراد مدینہ ہے۔ حسب لغت قرآن نہ قریہ صغیرہ ورنہ دس سال کے فعل رسول اللہ علیہ صلی اللہ وسلم سے سخت مخالفت ہوگی۔ چنانچہ اوپر ذکر ہوچکا۔ الحاصل نہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہے اور نہ رجوع الی المرفوع سے جواز اقامۃ قری ثابت ہے پس مذہب حنفیہ پر کسی طرح کا اشکال نہیں ہے

البتہ نظر غائر درکار ہے اور پھر جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں کس قدر تاکید فرماتے تھے اور ترک پر تغلیظ فرماتے (۲۳) اور اس کو تمام اہل عوالی سنتے معہذا کسی نے اپنے قریہ میں جمعہ قائم نہ کیا اور نہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال حیوۃ خود ان کو اقامۃ جمعہ کا حکم فرمایا نہ ترک جمعہ پر تغلیظ فرمائی۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اہل عوالی یہ سمجھتے تھے کہ یہ تاکید اور تغلیظ انہیں لوگوں پر ہے جن پر جمعہ فرض ہے اہل قری اہل صحاری اس سے خارج اور مستثنیٰ ہیں علیٰ ہذا آیۃ کے عموم اور عموم الفاظ جملہ احادیث واردہ فی الجمعہ سے بھی یہ لوگ خارج ہیں لہٰذا کسی قریہ میں کبھی کسی نے جمعہ قائم نہ کیا اور اگر کسی شخص کو اس کا دعویٰ ہو کہ وہاں جمعہ ہوتا تھا تو اس کو ثابت کرے ورنہ معاذ اللہ یہ لازم آوے گا کہ تمام اہل عوالی بترک جمعہ فرض قطعی فاسق ہوں استغفر اللہ استغفر اللہ اور احادیث سے صریح ثابت ہے کہ عوالی سے لوگ مدینہ طیبہ میں نوبت بنوبت آتے تھے کہ ایک جمعہ کو چند آدمی آئے باقی اپنے گھر پر رہے اور دوسرے جمعہ کو دوسری جماعت جو پہلے جمعہ کو نہ آئی تھی۔ جمعہ کے واسطے مدینہ آتے اور وہ جماعت جو پہلے جمعہ کو مدینہ آئی تھی اپنے گھر پر رہتی اور جو لوگ اپنے گھر پر رہتے تھے وہ ظہر

---

(۲۳): عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعة: لقد هممت أن آمر رجلا یصلی بالناس، ثم احرّق علی رجال یتخلفون عن الجمعة بیوتهم. رواه مسلم والحاکم باسناد علی شرطهما.

وعن أبی الجعد الضمری وکانت له صحبة رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع اللّٰہ علی قلبه. رواه احمد وأبوداؤد والنسائی والترمذی وحسنه، وابن ماجة وابن خزیمة، وابن حبان فی صحیحیهما والحاکم، وقال: صحیح علی شرط مسلم. وفی روایة لابن خزیمة، وابن حبان: من ترک الجمعة ثلاثا من غیر عذر فهو منافق. (اخرجهما الحافظ المنذری فی الترغیب والترهیب فی کتاب الجمعة، باب الترهیب من ترک الجمعة لغیر لغیر عذر، ج: ۱، ص: ۵۰۸، ۵۰۹، ط، دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

پڑھتے تھے وہاں کبھی انہوں نے جمعہ ادا نہیں کیا۔ اور یہ امر بعلم رسول اللہ ﷺ بلکہ بامر رسول اللہ ﷺ تھا اگر اہل قری پر جمعہ فرض تھا تو معاذ اللہ جناب رسول اللہ ﷺ اقامت جمعہ کا حکم ان لوگوں کو نہ فرمانے میں کیا مخالف حکم بلغ ما انزل الیک من ربک (۲۴) کرتے ہرگز نہیں بلکہ اہل قری پر جمعہ فرض ہی نہ تھا اور نوبت بنوبت ان کا آنا واسطے تحصیل برکات زیارت کے تھا اور بغرض تعلیم مسائل دینیہ کہ ہر ہر جماعت اپنی اپنی نوبت میں شرف زیارت سے مشرف ہو جاوے اور مسائل دینیہ سیکھ کر پس ماندگان کو تعلیم کرے بخاری میں ہے۔

عن عروة الزبير عن عائشة رضى الله عنها زوج النبى ﷺ قالت كان الناس يتناوبون الجمعة من منازلهم والعوالى (۲۵) الى الحديث قال العلامة ابن حجر فى شرحه قال القرطبى فيه رد على الكوفيين حيث لم يوجبوا الجمعة على ما كان خارج المصر كذا فيه نقل لانه لو كان واجبا على اهل العوالى مايتناوبوا ولكانوا يحضرون جميعا (۲٦) انتهٰى.

سبحان اللہ ابن حجرؒ مرحوم نے کیا انصاف اور دیانت کو کام فرمایا کہ باوجود تصلب اپنے مذہب شافعی کے حق کو ظاہر کر گئے کہ اہل قری پر فرضیت جمعہ کی ہرگز اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی جیسا کہ قرطبی کو غلطی ہوئی بلکہ وہ مان گئے کہ اس حدیث سے اہل قریٰ پر جمعہ فرض نہ ہونا ثابت ہوتا ہے مگر ہاں اتنی کمی رہی کہ ابن حجر بنظر انصاف یہ فرماتے کہ اس حدیث سے قریہ میں جمعہ کا ادا نہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ورنہ باقی ماندگان عوالی اپنی قری میں

---

(۲۴):(سورة المائدة: ٦٧)

(۲۵):(جامع البخارى، كتاب الجمعة، باب من اين توتى الجمعة الخ، ص: ١٧٨، رقم: ٩٠٢، ط، دار السلام رياض)

(۲٦):(فتح البنارى، كتاب الجمعة، باب من اين توتى الجمعة، وعلى من تجب، ج: ٢، ص: ٤٤٩، رقم: ٩٠٢، ط، مكتبة الملك فهد الوطنية رياض)

جمعہ ادا کیا کرتے اس واسطے کہ جمعہ کے فضائل اور کثرت ثواب جوان کے دلوں میں رچا ہوا تھا تو تمام عمر اس سے محرومی کیونکر گوارا کرتے بلکہ صحابہ کرام بنظر ان کی کثرت حرص حسنات مسابقت الی الخیرات ایک جمعہ کا ترک بھی گوارا نہ فرماتے اور خود رسول اللہ ﷺ جو ارحم الناس اپنے صحابہ پر تھے اور نوافل وسنن وفضائل ومستحبات کے لئے ان کو امر ندب فرماتے تھے اس کا بھی ضرور امر فرماتے حالانکہ کہیں اس کا پتہ نہیں ہے اس سے خود ہویدا ہے کہ قریہ محل اقامۃ جمعہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ ان پر فرض ہوتا۔ پس ان دلائل واضحہ سے ہر اہل انصاف پر مثل آفتاب روشن ہوگیا کہ نہ قری صغیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں پر اقامۃ جمعہ واجب ہے اور ان کو ادائے جمعہ کے لئے شہر میں جانا فرض ہے پس مجیب اور ان کے معاونین کا یہ لکھنا (کہ وجوب جمعہ کے لئے خاص کسی بستی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے) احادیث صحیحہ کے صریح خلاف اور محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور مجیب صاحب جو عموم آیت سے یہ نکالتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ تو اول تو وہ خود حدیث طارق بن شہاب سے مروی ابوداؤد (٢٧) سے تخصیص آیات کی کرتے ہیں کہ مریض اور مملوک اور مرأۃ اور صبی کو خارج کرتے ہیں جس سے عموم آیت بحال خود نہ رہا دوسرے مسافر اس آیت سے خارج ہے اور اہل صحرا بھی اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں عرفات پر نماز جمعہ نہیں پڑھی (٢٨) کیونکہ آپ مسافر تھے۔ اور نیز اس

(٢٧): عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال: الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا أربعة: عبد مملوک أو امرأة أو صبی أ مريض. (سنن أبی داؤد، کتاب الجمعة، باب الجمعة للمملوک والمرأة، ص: ١٦٢، رقم: ١٠٦٧، ط، دار السلام رياض)

(٢٨): فی البذل: فثبت بهذا أن رسول الله ﷺ لم يصل الجمعة فی القری، ولم يأمر بها فيها، فعلم بهذا أن القری ليس محل اقامة الجمعة، کما أن البراری ليس محل اقامتها، وقد ثبت برواية مسلم أن رسول الله ﷺ لما وقف بعرفات فی

وجہ سے کہ عرفات صحرا ہے نہ بستی ایک روایت رجاء ابن المرجاء نے تمیم داری سے نقل کی ہے جس میں پانچ شخصوں کو استثناء کیا ہے چار یہ اور ایک مسافر (۲۹) اور ایسے ہی صحرا میں جمعہ درست نہ ہونا اور صحرا والوں پر فرض نہ ہونا علماء مجتہدین کا متفق علیہ ہے (۳۰) تیسرے یہ سابقاً مثل آفتاب کے روشن ہوگیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی قریہ عوالی یا غیر عوالی میں اقامۃ جمعہ نہیں ہوئی لہٰذا اہل قریہ اس آیت سے مستثنٰی ہیں۔ پس استدلال مجیب کا عموم آیت سے فرضیت جمعہ اہل قری پر درست نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ فرضیت جمعہ پہلے محقق ہو چکی تھی اب جس پر اور جس جگہ جمعہ فرض تھا اور جہاں ادا ہوتا تھا وہ سب سے پہلے

حجة الوداع يوم الجمعة لم يصل الجمعة فيها، بل صلى فيها الظهر. (بذل المجهود فى حل سنن ابى داؤد، ابواب الجمعة، باب الجمعة فى القرى، ج: ۵، ص: ۶۳، ط: دار البشائر بيروت)

(۲۹): عن تميم الدارى عن النبى ﷺ قال: الجمعة واجبة الا على امراة أو صبى أو مريض أو عبد أو مسافر. (المعجم الكبير للطبرانى، ج: ۲، ص: ۵۱، رقم: ۱۲۵۷، ط، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۳۰): قال العزالیؒ: الثانى: دار الاقامة فلاتقام الجمعة فى الصحارى. (العزيز شرح الوجيز المعروف بالشرح الكبير، كتاب الجمعة، باب شرائط الجمعة، ج: ۲، ص: ۲۵۰، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

فلاتصح صلاة الجمعة فى الصحراء وبين الخيام. (الفقه المنهجى على مذهب الامام الشافعى، كتاب صلاة الجمعة، شرائط صحتها، ج: ۱، ص: ۲۰۲، ط، دار القلم دمشق)

(وكذا فى روضة الطالبين وعمدة المفتين، كتاب صلاة، الباب الأول فى شروطها، ج: ۲، ص: ۴، ط، المكتب الاسلامى بيروت لبنان)

(وكذا فى المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون: صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۴۳۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

معلوم اور مقرر ہو چکی تھی۔اب جس پر اور جس جگہ جمعہ فرض تھا اور جہاں ادا ہوتا تھا وہ سب پہلے معلوم اور مقرر ہو چکی تھی اور قبل نزول آیت سب قواعد ممہد ہو لئے تھے۔پس اس آیت کے اندر جو مؤمن مخاطب ہیں یہ وہ ہی مؤمنین ہیں کہ جن پر فرضیت جمعہ مقرر ہو چکی تھی۔پس اس کے عموم سے کسی کے استثناء کی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ سرے سے داخل ہی نہیں تھے۔ علیٰ ہذا القیاس جو احادیث ان میں عام لفظوں سے وجوب جمعہ بیان کیا گیا ہے ان سب سے وہ لوگ مذکورہ بالا حدیث سے مستثنیٰ ہیں۔جیسا کہ آیت شریف:

ان الذین کفروا سوآء علیهم أ انذرتهم ام لم تنذرهم لایؤمنون (۳۱).

میں اگرچہ لفظ موصول عام ہے مگر مراد اس سے وہی معدودے چند کافر ہیں کہ جو سابقہ روز ازل میں کافر مقدر ہو چکے تھے۔جیسے ابوجہل ابولہب وغیرہما نہ کل کفار کیونکہ بعد نزول اس آیت کے لاکھوں کافر مسلمان ہوئے اگر اس آیت سے عموم جنسی مراد ہوتا تو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔علی ہذا جملہ احادیث واردہ باب جمعہ وآیت جمعہ میں لفظ موصول میں اہل قری وغیرہ داخل ہی نہیں ہیں کہ تخصیص کی ضرورت پڑے مگر چونکہ مجیب صاحب نے غور اور فکر کو کام نہیں فرمایا جو چاہا لکھ دیا۔اور اوپر اشارہ ہو چکا ہے آپ کے قبا کے قیام میں اختلاف ہے کہ کتنے روز ہوا مگر جب ہم نے بخاری اصح الکتب پر اعتماد کیا تو ان روایات کی مخالفت کچھ مضر نہیں ہر چند کہ وہ روایات صحیح ہوں مگر صحت روایت منافی اس کے خلاف واقعہ ہونے کے نہیں ہوتی۔مثلاً صحیح بخاری میں عمر رسول اللہ ﷺ میں تین روایتیں ہیں۔ساٹھ برس، تریسٹھ برس، پینسٹھ برس، سو ہر سہ روایت بروئے سند صحیح ہیں مگر موافق ومطابق واقعہ کے ان میں سے ایک ہی روایت تریسٹھ برس کی ہے اور دو روایتیں خلاف واقعہ کے ہیں (۳۲)۔سو ان دو روایت کو یا غلط کہا جاوے یا کوئی معنی مجازی لے کر ان کی تاویل کی

---

(۳۱):(سورۃ البقرۃ: ۶)

(۳۲):عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها أن النبی ﷺ

جاوے گی۔ بہر حال معنی ظاہر خود دو صحیح روایت خلاف واقعہ کے ہیں ایسے ہی باب قیام قبا میں چند روایتیں ہیں کہ خلاف صحیح بخاری کے ہیں از انجملہ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ بروز جمعہ مدینہ تشریف لے گئے اور آپ نے بنی سالم میں نماز جمعہ ادا کی اس روایت سے بھی بعض علماء نے جواز جمعہ قری تجویز کرلیا۔ اگر چہ ہم کو بعد اعتماد روایت بخاری اس پر وثوق کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ خلاف واقع ہے کیونکہ جب آپ پیر کو قبا میں تشریف لائے اور پندرہویں روز پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو پھر راہ میں بنی سالم میں جمعہ پڑھنے کے کیا معنی ہوئے یہ روایت صحیح نہیں بلکہ غلطی راوی کی ہے لیکن اگر کسی طرح نماز جمعہ بنی سالم میں تسلیم بھی کی جائے تو بنی سالم محلّہ مدینہ طیبہ کا ہے اور فناء مدینہ میں واقع ہے کہ وہ آباد نہیں ہے اور اس وقت آباد تھا اور مدینہ طیبہ کا محلّہ شمار کیا جاتا تھا کیونکہ فناء مدینہ میں واقع تھا جیسا کہ حرۃ البیت بھی فناء مدینہ میں خارج مدینہ واقع ہے سو یہ حجت مجوزین جمعہ قری کو مفید نہیں ہے حنفیہ کو مضر نہیں اور بمقابلہ روایات کے جو اوپر مذکور ہوئیں کچھ معتبر بھی نہیں اور یہ سب تقریر برتقدیر وجوب جمعہ بحالت قیام مکہ ہے اور یہی صحیح ہے اور اگر بپاس خاطر بعض

توفي وهو ابن ثلاث وستين وقال ابن شهاب وأخبرني سعيد بن المسيب مثله. وفي العمدة القاري تحت هذا الحديث: قوله: "توفي وهو ابن ثلاث وستين" هذا هو الأصح في سنه، وقد ذكره البخاري في آخر العزوات، وترجم عليه هذه الترجمة أيضا، وروى أيضا هذا عن ابن عباس ومعاوية، وقال البيهقي: وهو قول سعيد بن المسيب والشعبي وأبي جعفر محمد بن علي واحدى الروايتين عن أنس، وروى عن أنس: أنه توفي على رأس الستين، وصححه الحاكم في الاكليل وأسنده ابن سعد من طريقين عنه، وبه قال عروة ويحيى بن جعدة والنخعي، وروى مسلم من حديث عمار بن أبي عامر عن ابن عباس: أنه توفي وهو ابن خمس وستين، وصححه أبو حاتم الرازي أيضاً في تاريخه. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب وفاة النبي ﷺ، ج: ١٦، ص: ١٣٧، رقم: ٣٥٣٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

علماء یہ تسلیم کرلیا جاوے کہ جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوا تب بھی اعتراض جوانب مدینہ میں جمعہ نہ ہونے کا اور اہل عوالی کے تناوب کا باقی ہے اور حنفیہ کے لئے عدم وجوب جمعہ بر اہل قری وعدم صحت جمعہ قری کے لئے دلیل کافی ہے چنانچہ ابن حجرؒ نے اس کا اقرار کرلیا پھر یہ کہ مجیب صاحب نے اثر حضرت علیؓ میں کلام کیا ہے جس سے ان کی ناواقفیت اصول حدیث وفقہ سے معلوم ہوگئی۔ پس سنو کہ جو حدیث موقوف کہ اس میں قیاس کو دخل ہو قول صحابی کا ہوتا ہے اور ایسے ہی موقوف کو صاحب فتح القدیر حسب قاعدہ اصول فقہ فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حدیث مرفوع معتبر نہیں ہوتے اور جو حدیث موقوف کہ قیاس کو اس میں دخل نہ ہو یا وہ مؤید ومشید بحدیث مرفوع ہو وہ خود بحکم مرفوع ہوتی ہے، اور یہ اثر علیؓ قسم ثانی ہے نہ اول سے کیونکہ شرطیت عبادات کی رائے اور قیاس سے ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ اس کے لئے نص صریح کا ہونا درکار ہے پس حضرت علیؓ کا صحت جمعہ کے واسطے مصر کا شرط فرمانا بدون نص شارع علیہ السلام نہیں ہوسکتا ورنہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حسب زعم مجیب اور اس کے شیوخ اور اتباع کی آیت:

یایھا الذین اٰمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الاٰیۃ(۳۳).

عام اور دیگر احادیث بھی باب جمعہ سے عام ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو جانتے ہوں اور پھر نصوص قطعیہ کو وہ اپنی رائے سے مخصوص بنادیں اور تخصیص نسخ ہوتا ہے قدر مخصوص میں معاذ اللہ علی کرم اللہ وجہہ سے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آیت قرآنی وحدیث رسول کو اپنی رائے سے فسخ کردیں یہ تو کسی عامی کا بھی کام نہیں ہے تو بالضرور علی کرم اللہ وجہہ کے پاس وہ علم تھا کہ جس سے تخصیص ان نصوص کے ہوتی ہو اور اس سے انہوں نے تخصیص فرمائی اور خود ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین روز بعد ہجرت فرما کر قبا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آملے تھے(۳۴) اور باوجود فرضیت جمعہ کے مکہ میں پھر آپ کا

---

(۳۳):(سورۃ الجمعۃ: ۹)

(۳۴):عن علیؓ قال: لما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ فی الھجرۃ أمرنی

قبا میں جمعہ نہ پڑھنا انہوں نے دیکھا اور یہ نص قطعی عدم فرضیت جمعہ کے مکہ میں پھر آپ کا قبا میں جمعہ نہ پڑھنا انہوں نے دیکھا اور یہ نص قطعی عدم فرضیت اہل قری کے ان کو معلوم ہوئی اور پھر مدینہ طیبہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر دس سال تک دیکھتے رہے کہ کبھی کسی قریہ اور گاؤں میں نہ جمعہ ہوا اور نہ آپ نے باوجود علم کے کسی اہل قریہ کو حکم اقامۃ جمعہ کا دیا اور نہ کسی کے عدم اقامۃ جمعہ پر اس کو سرزنش فرمائی اور نہ استحباباً ارشاد فرمایا پس یہ نص قطعی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم تھی جس سے آپ نے یہ شرط مصر ارشاد فرمائی یہ موقوف موقوف اور اثر علی نہیں ہے بلکہ مرفوع ہے اعلیٰ درجہ کا اور یہ بات اہل علم پر تو ظاہر ہے مگر بعد اس تقریر کے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی نافہم بلید بھی اس کا انکار نہ کرے گا۔ باقی رہا یہ کہ رفع اس کا ضعیف ہے بحسب سند سو یہ ضعف منجبر ہوگیا۔ دوسری مرفوع سے اور جب دوسری احادیث صحاح سے یہ ضعف منجبر ہوگیا تو اثر مذکور ضعیف نہیں رہا بلکہ حسن ہوگیا۔ پس ایسی حدیث حکما مرفوع کو ضعیف کہنا جس کی تائید دوسری حدیث صحاح کر رہی ہیں خلاف قاعدہ مقررہ اہل اصول ہے۔ اب اس اثر کو ضعیف کہنا اہل علم کی شان نہیں ہے اور ثبوت شرطیت مصر واسطے اقامۃ جمعہ کے اس ہی اثر سے کافی ہے چہ جائیکہ اور بھی بہت سی احادیث اس کی مؤید موجود ہوں (۳۵)۔



أن أقيم بعده حتى أودّي ودائع كانت عنده للناس، ولذا كان يسمى الأمين، فأقمت ثلاثاً فكنت أظهر، ماتغيبت يوما واحداً، ثم خرجت فجعلت أتبع طريق رسول الله ﷺ حتى قدمت بنى عمرو بن عوف ورسول الله ﷺ، مقيم فنزلت على كلثوم بن الهدم هنالك منزل رسول الله ﷺ. (كتاب الطبقات الكبير، طبقات البدريين من المهاجرين، ذكر اسلام عليؓ وصلاته، ج: ۳، ص: ۲۰، ط، مكتبة الخانجى بالقاهرة)

(۳۵): عن على رضى الله عنه أنه قال: لاجمعة ولاتشريق الا فى مصر جامع. أخرجه أبو عبيد باسناد صحيح اليه موقوفا. ومعنا لاصلاة جمعة، ولاصلاة عيد. كذا

قریہ میں جمعہ پڑھے یا ظہر

﴿سوال﴾:

اگر قریہ میں جمعہ پڑھ لیوے بایں وجہ کہ احادیث میں وارد ہے اور محدثین اور شافعی صاحب رحمہم اللہ کا وہ مذہب ہے تو ہو جائے گا یا گنہگار ہوگا اور ظہر اس کے ذمہ باقی رہے گا؟

﴿جواب﴾:

قریہ میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک ادا نہیں ہوتا تو ان کے نزدیک قریہ میں جمعہ نہ پڑھے کہ ان کا جمعہ درست نہیں ہوتا (٣٦)۔ اور نہ ظہر ذمہ سے ساقط ہوتی ہے اور جماعت نماز جمعہ کی نفل نماز کی جماعت ہوکر کراہت تحریمہ ہوتی ہے کہ جماعت نوافل کی بتداعی مکروہ

فی فتح الباری [٢: ٣٨]. .وذكر الامام خواهر زاده فی "مبسوطه" أن أبا يوسف ذكره فی الاملاء مسندا مرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم. وأبو يوسف امام الحديث حجة اهـ. كذا فی البناية [١ : ٩٨٣]. أی فيكون رفعه حجة لأنه زيادة من ثقة فتقبل. (اعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب عدم جواز الجمعة فی القرى، ج:٨، ص:٣، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

(٣٦): فی غنية المستملی: واما شروط الاداء فستة ايضا الشرط الاول المصر او فناؤه فلاتجوز فی القرى عندنا وهو مذهب علی بن ابی طالب وحذيفة وعطاء والحسن بن ابی الحسن والنخعی ومجاهد وابن سيرين والثوری وسحنون خلافا للائمة الثلثة لما روى ابن ابی شيبة عن علی بن ابی طالب انه قال لاجمعة ولاتشريق ولاصلاة فطر ولااضحی الا فی مصر جامع او مدينة عظيمة وصححه ابن حزم فی المحلى. (غنية المستملی فی شرح منية المصلی، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ٥٤٩)

(وكذا فی رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٧، ط، دار عالم الكتب رياض)

تحریمہ ہے(۳۷) فقط البتہ حسب مذہب شوافع وبعض محدثین کے جمعہ ادا ہوگیا اور ظہر ساقط ہوگئی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



احتیاط الظہر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

جو لوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور اس کے تارک کو ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگئی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو تو اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں اور اگر وہ پڑھے گا ان ہی میں داخل ہوگا یا نہیں؟ اور بصورت عدم پابندی واصرار کا لوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا ہے کس بناء پر نکالا تھا۔اور کس درجہ میں رکھا تھا۔اب کس درجہ میں پہنچا اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۳۷):ولايصلى التطوع بجماعة الا فى شهر رمضان، وعن شمس الأئمة السرخسى: أن التطوع بالجماعة انما يكره اذا كان على سبيل التداعى، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد، لايكره، واذا اقتدى بواحد، اختلف فيه، وان اقتدى أربعة كره اتفاقاً. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العاشر فى بيان التطوع، ج: ۲، ص: ۲۹۲، ۲۹۳، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(وكذا فى اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كراهة الجماعة فى النوافل والوتر سوى التراويح وصلاة الكسوف والاستسقاء والعيدين بالتداعى، ج: ۷، ص: ۸۹، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

ان کے پاس کون سی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے۔ اگر جمعہ نہ ہوا تو ظہر ہو جائے گی آیا قیاس اس کا صیام یوم الشک پر ہوسکتا ہے یا نہیں اور منجملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں (۳۸) لہٰذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا تو بناء مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی تو ان کے مذاہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے مگر چونکہ دوسری خرابی یہ ہوگئی کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا۔ تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا۔ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط ادا ہو جاوے گی اور جو جمعہ ادا ہو گیا تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی یہ اصل اس کی ہے مگر حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں۔ اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچتی اور یہ خود بدعت ہے۔ دوسرے بعضے اولی النزاع آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے اگر درجہ احتیاط واستحباب

---

(۳۸): في ملتقى الأبحر: لاتصح الا بستة شروط المصر أو فناؤه والسلطان أو نائبه. الخ.

وفي مجمع الانهر تحته: (المصر أو فناؤه) حتى لاتجوز وفي المفاوز، ولا في القرى والحكم غير مقصور على المصلى، بل تجوز في أفنية المصر. الخ. (والسطان) أي الوالي الذي لا والي فوقه (أو نائبه)، وهو الأمير أو القاضي، أو الخطباء. (مجمع الانهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۱، ص: ۲۴۴، ۲۴۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

میں رہتے تو خیر سہل بات تھی۔ پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیۃ وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے جمعہ ادا کریں (۳۹) پس حسب اس روایت کے سب جگہ امام موجود ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا۔ اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا۔ پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جو ان لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے چاہئے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں یہ کیا بے موقع بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادی یعنی تنہا تنہا پڑھیں یہ سخت خرابی ہے پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں۔ خصوص اس صورت نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں تو دیدہ دانستہ اس حرکت لایعنی کو کیوں اختیار کیا۔ واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ کو ادا کریں۔ الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پروائی دین سے ہونے کا ہے (۴۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۳۹):فی الهندية: بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما كذا فى معراج الدراية.(الفتاوى العالمكيرية،الباب السادس عشرفى صلاة الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۴۶)

وفى الشامية: فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۱۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴۰):فى البحر: أقول: وقد كثر ذلک من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وانما وضعها بعض المتأخرين عند الشک فى صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فى مصر واحد وليست هذه الرواية

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱۔

الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملک العلماء سلطان الاتقیاء زین المفسرین رئیس المحدثین نعمان اوانا مجدد زماننا نائب رسول اللّٰہ الصمد علیہ الصلوٰۃ من اللّٰہ الاحد مولانا العالم العامل الحافظ رشید احمد مداللّٰہ ظلال فیوضہ علی رؤس العالمین اللّٰھم آمین فھو حق والحق احق باتباع واولٰی لان الحق یعلو ولایعلی. حررہ اذل تلامذتہ الفقیر محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ۔ فقیر محمد حسین ۱۲۰۵۔ قادر علی عفی عنہ ۱۲۰۴۔ مدرس مدرسہ حسین بخش۔

جواب ہذا صحیح حسبنا اللہ۔ حفیظ اللہ محمد ساکن درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء ضلع دہلی۔

المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی بقلم خود۔ اصاب من اجاب محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ۔

جواب دوم از علمائے دہلی دامت افاداتہم

صورت مرقومہ میں معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نماز احتیاطی حضرت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے حضرت سے تو یہی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ بس دو رکعت بعد الجمعہ پڑھتے تھے۔ بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ بروایت ابن عمر انہ قال کان النبی ﷺ لایصلی بعد صلوٰۃ الجمعۃ حتی ینصرف فیصلی فی بیتہ (۴۱).

بالمختارة، وليس هذا القول. أعنى اختيار صلاة الأربع بعدها. مروياً عن أبى حنيفة وصاحبيه حتى وقع لى أنى أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً على اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۲۴۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۴۱): (صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها،

اور کتب فقہ میں ہے کہ نماز احتیاطی ہرگز ہرگز درست نہیں ہے کسی طرح جائز نہیں ہے اصل عبارت یہ ہے۔ وقد کثر ذلک من جملة زماننا ایضا ومنشاء جھلم صلٰوة الاربع بعد الجمعة بنیة الظھر وانما وضعھا بعض المتاخرین عند الشک فی صحة الجمعة بسبب روایت عدم تعدد فی مصر واحد ولیست ھذه الروایة بالمختارة ولیس ھذا القول اعنی اختیار الاربع بعدھا مرویا عن الامام وصاحبیه حتی وقع لی انی افتیت مرارا بترکھا بعد صلٰوتھا خوفا علی اعتقاد الجھلة انھا الفرض وان الجمعة لیس بفرض (۴۲) انتھٰی. ماقال صاحب البحر.

اس روایت فقہیہ سے واضح ہوگیا کہ احتیاطی نہ حضرت نے پڑھی ہے نہ صحابہ کرام نے نہ ائمہ اربعہ نے پڑھی اور نہ امر کیا ساتھ اس کے کبھی کسی کو اور یہ بھی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ احتیاطی تو کسی طور درست نہیں ہوتی نہ عقلاً نہ نقلاً نہ کشفاً و نہ الہاماً کذا فی تاتارخانی وایضاً قال فیه قال السید الھمنی ربی ان اداء الجمعة بالشبھة من وسوسة الشیطان انتھٰی ودر بحر گفت سزاوار نیست کہ فتوی دادہ شود بچہار رکعت بعد جمعہ دریں زمانہ زیرا کہ راہ می یابند عوام بتکاسل از جمعہ بلکہ بسا است دردل عوام چنیں خواہد رفت کہ جمعہ فرض نیست وظہر کافی ست و در کفر ایں چنیں کس کہ اعتقاد فرضیت ندارد جمعہ راشکے نیست کذا فی عرفانی شرح سلطانی وھکذا فی فتح القدیر من باب شروط الصلٰوة وغیره درفصول عمادی آوردہ است کہ فرضیت جمعہ ساقط نمی شود اگرچہ تمامی شرائط منعدم میشوند کذا فی اسکندریہ فی الباب الآخر فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابومحمد

ص: ۱۸۵، رقم: ۹۳۷، ط، دار السلام ریاض/ و صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة، بعد الجمعة، ص: ۳۵۳، رقم: ۲۰۴۰، ط، دار السلام ریاض)

(۴۲):(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۲۴۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

عبدالوہاب الفتجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عنہ ذنبہ الخفی والجلی فی اواخر شہر اللہ الذی فیہ القرآن۔

ابومحمد عبدالوہاب رسول الاداب خادم شریعت۔

نماز احتیاط ظہر جو اکثر لوگ بعد جمعہ کے پڑھتے ہیں یہ نماز نہ عندالحدیث درست ہے نہ فقہ میں پائی گئی صرف علماء دین کا قیاس ہے کیونکہ یہ نماز خیر القرون میں نہیں پائی گئی پس جبکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تو ایسی نماز کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون معلوم ہوتا ہے پس اس صورت میں یہ نماز احتیاط الظہر کسی طرح درست نہیں بعد جمعہ چھ سنتیں پڑھنی چاہئیں (۴۳)۔حررہ محمد امیر الدین پٹیالوی حنفی واعظ جامع مسجد دہلی مقیم محلّہ مزید پارچہ متصل فتحپوری۔

محمد امیر الدین ۱۳۰۱ الجواب صحیح عبداللطیف عفی عنہ۔عبداللطیف ۱۲۹۵۔

قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ الفقیر محمد عبدالرؤف البہاری عبدالرؤف ۱۳۰۳۔

محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ھ
خادم شریعت رسول الثقلین۔

---

(۴۳):فی المحیط البرهانی: والتطوع قبل الجمعة أربع ركعات، لحديث ابن عمر رضى الله تعالى عنهما: أن رسول اللهﷺ كان يتطوع قبل الجمعة أربع ركعات. وقد اختلفوا فى التطوع بعدها، فعن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه: أنها أربع، وبه أخذ ابو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى، وعن على رضى الله تعالى عنه: أنه يصلى بعدها ستا، أربعاً، ثم ركعتين، وبه أخذ أبو يوسف والطحاوى وكثير من المشايخ رحمهم الله تعالى، على هذا قال الشيخ الاسلام الأجل شمس الأئمة الحلوانى رحمه الله تعالى: الأفضل أن يصلى أربعا، ثم ركعتين، فقد أشار الى أنه مخير بين تقديم الأربع، وبين تقديم المثنى، لكن الأفضل تقديم الأربع، كيلا يصير

نماز احتیاطی محض بناوٹی ہے کسی خیر القرون میں سے منقول نہیں ہے بدعت سیئہ ہے بلکہ کتب فقہ میں ہے کہ مثل صوم شک کے دنوں بھی نہیں ہوتے۔ امیر احمد پشاوری۔

اصاب من اجاب حررہ محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔

سید محمد عبد السلام ۱۲۹۹۔ محمد شمس الدین ۱۳۰۵۔ ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵۔ عبد الجلیل

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۴ بعد نماز جمعہ کے فرض احتیاطی بے سند و بے اصل ہے عند الشرع پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ جواب صحیح ہے محمد فقیر اللہ: اصاب من اجاب فقیر محمد حسین خان خورجوی ضلع بلند شہر بقلم خود: حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ: للہ در المجیب ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن لاہوری بلاد ہند میں فرض جمعہ بلاشبہ ادا ہو جاتا ہے۔ نماز ظہر احتیاطی کی حاجت نہیں۔ فقط حررہ بندہ قادر علی عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم۔

قادر علی عفی عنہ فقیر محمد حسین ۱۲۸۵۔ فقیر مصنف تیغ فقیر وکلیات مدحیہ فقیر۔



شہر اور دیہات میں احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم

سوال:

بعد نماز جمعہ احتیاط الظہر جو چہار رکعت پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

جواب:

قصبہ میں اور شہر میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد ظہر نہ پڑھنی چاہیے اور گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا لہٰذا ظہر کو جماعت سے پڑھنا چاہیے (۴۴)۔ فقط



متطوعاً بعد الفرض مثلها. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الحادی عشر فی التطوع قبل الفرض وبعده، ج: ۲، ص: ۲۳۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

(۴۴): ومن لاتجب علیهم الجمعة من أهل القری والبوادی لهم أن یصلوا

احتیاط الظہر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

یہ موضع قصبہ سردھنہ سے قریب پانچ کوس کے واقع ہے اوراس سے زیادہ قریب کوئی شہرنہیں ہے اور موضع مذکور میں قریب دو ہزار مردم شماری کے ہے جس میں زیادہ نصف سے مسلمان اور باقی ہندو ہیں۔ مسلمانوں کے دین احکام سے کوئی مانع نہیں ہے۔ ضروری احتیاج کے واسطے دکانیں بیس بائیس موجود ہیں۔ روزمرہ تیس بتیس سے زیادہ نمازی وقتہ میں جمع ہوتے ہیں۔ رمضان شریف میں ساٹھ ستر اور جمعہ رمضان میں دوسواورعیدین میں ایک ہزار سے زیادہ جمع ہوتے ہیں۔ موضع مذکور میں جمعہ کی نماز جائز ہے یانہیں اور بعض عالم امام شافعی صاحب کے قول پرعمل کرتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ جائز کہتے ہیں اور احتیاط الظہر بھی ایسی حالت میں پڑھنی چاہیے یانہیں؟ فقط

﴿جواب﴾:

جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہوں اس جگہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ ادانہیں ہوتا ہے۔ وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے۔ اور جمعہ نہ پڑھنا چاہیے۔ پس جب جمعہ نہیں ہوا۔ احتیاط الظہر کہاں بلکہ ظہر کی نماز جماعت سے مثل دیگر ایام کے پڑھنی چاہیے (۴۵)۔ اور ہندوستان کے سب شہر اور قصبہ میں جمعہ ادا ہوجاتا ہے احتیاط

الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٥)

(وكذا في الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ١، ص: ١٧٧)

(۴۵): في الدر المختار: وكره تحريماً لمعذور ومسجون ومسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها.

الظہر کی کچھ حاجت نہیں اور امام شافعی صاحب کے یہاں گاؤں میں جمعہ ادا ہوجاتا ہے(۴۶)۔ان کے نزدیک بھی کچھ اصل احتیاط الظہر کی نہیں۔پس جو صاحب اس مسئلہ میں شافعیؒ بنے ان پر حنفی کیا الزام دے سکتے ہیں۔کیونکہ یہ بات اپنی اختیاری ہے جو مذہب چاہو اختیار کرو۔غیر مقلد بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بات کسی مذہب کی پسند آئی وہ اختیار کرلیتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



احتیاط الظہر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

جولوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور تارک کو اس کے ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ

وفی الشامية تحته: قوله: (فی مصر) بخلاف القری لأنه لاجمعة عليهم، فكان هذا اليوم فی حقهم كغيره من الأيام. شرح المنية. وفی المعراج عن المجتبى: من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۳، ص: ۳۲، ۳۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

ومن لاتجب عليهم الجمعة من أهل القری والبوادی لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة. (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۱، ص: ۱۷۷)

(۴۶):فی المنهل: وقد اختلف فی الموضع الذی تقام فيه الجمعة فذهبت الشافعية والحنابلة الى أنها تقام فی كل قرية فيها أربعون رجلا أحرار بالغين عقلاء مقمين بها لاينتقلون عنها الا لحاجة. (المنهل العذب المورود، ابواب الجمعة، باب الجمعة فی القرى، ج: ٦، ص: ۲۱٦، ط، مؤسسة التاريخ العربی بيروت لبنان)

کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں اور اگر وہ پڑھے گا ان ہی میں داخل ہو گا یا نہیں اور بصورت عدم پابندی و اصرار کا لوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے جس نے اس کو نکالا ہے کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا اب کس درجہ میں پہنچا اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں۔ واللہ اعلم ان کے پاس کونسی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، اگر جمعہ نہ ہو تو ظہر ہو جائے گی۔ آیا قیاس اس کا صیام یوم الشک پر ہو سکتا ہے یا نہیں اور منجملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں (۴۷) لہٰذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا تو بناء مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے مگر چونکہ دوسری خرابی یہ ہو گئی کہ ایک شہر میں روز تین جگہ جمعہ پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں۔ جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس

---

(۴۷): فی ملتقی الأبحر: لاتصح الا بستة شروط المصر أو فناؤه والسلطان أو نائبه. الخ.

وفی مجمع الانهر تحته: (المصر أو فناؤه) حتی لاتجوز وفی المفاوز، ولا فی القری والحکم غیر مقصور علی المصلی، بل تجوز فی أفنية المصر. الخ. (والسطان) أی الوالی الذی لا والی فوقه (أو نائبه)، وهو الأمیر أو القاضی، أو الخطباء. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ۱، ص: ۲۴۴، ۲۴۵، ط، دار الکتب العلمية بیروت لبنان)

کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ وسقوط ظہر میں رہتا ہے اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط ادا ہوجاوے گی اور جو جمعہ ادا ہوگیا تو یہ رکعات نفل ہوجاویں گی یہ اصل اس کی ہے مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں۔ اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے۔ دوسرے بعضے اولی النزاع یعنی آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہوگئے اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی۔ پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیہ وجود امام ونائب دریافت ہوئی ہے وہ ہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین امام جمعہ مقرر کر کے جمعہ ادا کریں (۴۸)۔ پس حسب اس روایت کے سب جگہ امام موجود ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہوگیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ہوچکا پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جو ان لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے چاہیے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں یہ کیا بے موقعہ بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادیٰ یعنی تنہا تنہا پڑھیں یہ سخت خرابی ہے۔ پس احناف کا احتیاط الظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں تو دیدہٗ ودانستہ اس حرکت لایعنی بے فائدہ کو کیوں اختیار کیا۔ واجب ہے کہ سب جمع ہوکر ایک جگہ

---

(۴۸): فی الشامية: فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ١٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ج: ١، ص: ١٤٦)

جمعہ ادا کریں۔ الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پروائی دین سے ہونے کا ہے(۴۹)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱۔

الجواب صحیح محمد امیر الدین پٹیالوی واعظ جامع مسجد دہلی۔ محمد امیر الدین۔ فقیر محمد حسین۔ قادر علی عفی عنہ ۱۲۰۴ مدرس مدرسہ حسین بخش۔

جواب ہذا صحیح ہے حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ محمد ساکن درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء ضلع دہلی المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی بقلم خود۔ اصاب من اجاب محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے کیونکہ اس فعل نامقبول کو کسی نے بھی ائمہ اربعہ سے نہیں کیا کما هو فی البحر وتاتار خانی وغيرهما من كتب الفقه اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت سیئہ ہے جو ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب وعجم وغیرہ کا بادشاہ تھا اس کی نکالی ہوئی ہے۔ حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے جواب یہ کرے نہ حنفی ہے اور نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے۔ اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز احتیاط الظہر ہر جگہ جاری کی جاوے جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے جو مولوی اس وقت عبد الدنیا والدراہم تھے اس کو قبول کیا اور فتووں میں درج کر گئے اور مذہب حنفی کو بالائے طاق رکھا۔ اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی

---

(۴۹): فی البحر: أقول: وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وانما وضعها بعض المتأخرين عند الشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة، وليس هذا القول. أعنی اختيار صلاة الأربع بعدها. مروياً عن أبی حنيفة وصاحبيه حتی وقع لی أنی أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفاً علی اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ج: ۲، ص: ۲۴۵، ط، دار الكتب العلمية)

المذہب نے خوب تحقیق سے لکھا ہے۔ کذا فی التفسیر المحمدی اور حضرت ﷺ صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد جمعہ کے اور پڑھتے تھے (۵۰)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابو محمد۔

سید محمد عبد السلام غفرلہ۔ ابو محمد عبد الحق۔ ابو محمد عبد الوہاب رسول الادب خادم شریعت ۔عبد الوہاب الپنجابی نزیل الدہلوی ۱۳۰۵ھ۔ سید محمد اسماعیل۔ ہذا الجواب صحیح: فرید آبادی۔ جواب صحیح ہے محمد فقیر اللہ پنجابی ضلع شاہ پور۔ محمد ناظم ملک بنگالہ ضلع فرید پور، ہذا جواب صحیح حررہ ثابت علی اعظم گڈھ۔ الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی مسکین عبد الغنی ضلع کرنال۔

فرض احتیاط ظہر بایں وجہ ایجاد ہوئی تھی کہ اول میں ایک جمعہ ہوتا تھا پھر تعدد جمعہ پر فتویٰ ہوا تو جمعہ سابق تو ہر حال درست ہوا دوسرا جمعہ اصل روایت تو حد جمعہ پر درست نہیں ہوتا۔ اور تعدد کی روایت پر درست ہو جاتا ہے۔ تو اس احتیاط سے فرض پڑھنے شروع ہوئے تھے۔ ازاں بعد یہ ٹھہری کہ جب کسی شرط من الشرائط میں خدشہ ہو تو یہ فرض پڑھا کریں۔ امام کا ہونا یا نائب کا بھی حنفیہ کے مذہب میں شرط جمعہ ہے بہ بسبب ملک کفار کے وہ شرط بظاہر مفقود تھی تو چونکہ مجتہد فیہ تھی کہ شافعی اس میں خلاف ہے۔ لہٰذا جمعہ کو ترک کرنا مناسب نہ جانا۔ فرض احتیاط پڑھنی شروع کردی یہ وجہ تو پڑھنے کی ہے مگر چونکہ یہ بھی فقہاء حنفیہ نے لکھ دیا ہے کہ اگر تعذر نصب امام سے ہو تو عامۂ مومنین اپنا امام جمعہ کا قائم کر لیویں۔ اور جمعہ پڑھ لیویں تو بنا بریں روایت جب کہ امام جمعہ کا مقرر ہے تو قائم مقام امام ہو گیا۔ اقامت جمعہ کی درست ہوئی پس اب فرض احتیاط کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جمعہ حسب روایت حنفیہ

---

(۵۰): عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ اذا صلی أحدکم الجمعة فليصل بعدها أربعا.

وعن سالم عن ابيه أن النبی ﷺ كان يصلی بعد الجمعة ركعتين. (اخرجهما مسلم فی صحيحه فی كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ص: ۳۵۲، ۳۵۳، رقم: ۲۰۳۶، ۲۰۴۱، ط، دار السلام رياض)

درست ہوتا ہے۔ مگر چونکہ مصر کا ہونا شرط ہے۔ لہٰذا صحرا میں جمعہ درست نہیں ہوسکتا تو خواہ کتنے ہی آدمی جمع ہوویں صحرا میں جمعہ نہ کریں۔ ظہر کی جماعت پڑھیں۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔



احکام فطر و تکبیرات تشریق کب بیان کرے

سوال:

احکام صدقہ فطر اور تکبیر تشریق کے خطبہ میں سنائے جاتے ہیں۔ حالانکہ صدقہ نماز سے پیشتر اور تکبیر تشریق یوم عرفہ سے واجب ہوجاتی ہے۔ لہٰذا یہ احکام جمعہ ماضیہ میں بیان ہونے چاہئیں اور بعض کتب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پہلے خطبہ عیدین کا پڑھتے تھے۔ یہ تقدیم سنت عثمان ہے یا بدعت مروان ہے؟

جواب:

عیدین کے احکام کو جو عیدین سے جمعہ پہلے ہو اس میں تلقین بطور وعظ کے مستحسن ہے اور خطبہ میں اردو بیان کرنا مکروہ ہے(۵۱) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبل نماز

---

(۵۱): فی آکالم النفائس: وقد سئلت مرة بعد مرة عن هذه المسألة، فأجبت بأنه يجوز عنده مطلقاً، لكنه لايخلو عن الكراهة، فعارضنى بعض الأعزة بأن الخطبة انما هى لافهام الحاضرين، وتعليم السامعين، وهو مفقود فى العربية فى الديار العجمية بالنسبة الى أكثر الحاضرين، فينبغى أن يجوز مطلقاً من غير كراهة.

فقلت: الكراهة انما هى لمخالفة السنة، لأن النبى ﷺ وأصحابه قد خطبوا دائما بالعربية. (آكام النفائس فى أداء الأذكار بلسان الفارس، فصل فى الخطبة، ص: ۴۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

وفى عمدة الرعاية: لاشك فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى (ﷺ) والصحابة (رضى الله عنهم) فيكون مكروهاً تحريماً.

خطبہ پڑھا ہے اس واسطے کہ ان کے وقت میں دور دور سے لوگ حاضر ہوتے تھے (۵۲)۔ اگر نماز پڑھ کر خطبہ پڑھتے تو دور والے شریک نماز نہ ہوتے اور اگر نماز نہ پڑھتے تا کہ باہر والے آجاویں اور پھر خطبہ پڑھتے تو خلق کثیر کو گرمی سے تکلیف ہوتی اس واسطے یہ صورت پیدا کی کہ خطبہ اول میں پڑھا کہ شرکت باہر والوں کو حاصل ہوجائے اور خطبہ سے کوئی محروم حاضر نہ رہے۔اور خطبہ عیدین کا سنت ہے نہ واجب (۵۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم: الحاشية: ٢، ج: ١، ص: ٢٤٢، ط، مير محمد كتب خانه آرام باغ كراتشى)

(۵۲):عن ابن عباسؓ قال: شهدت صلاة الفطر مع نبى اللهﷺ وأبى بكر و عمر وعثمان، فكلهم يصليها قبل الخطبة، ثم يخطب ـ الى آخر الحديث ـ وفى اكمال المعلم تحت هذا الحديث: قوله: (شهدت صلاة الفطر مع نبى اللهﷺ وأبى بكر وعمر وعثمان، فكلهم يصليها قبل الخطبة، ثم يخطب): هذا هو المتفق عليه من مذاهب علماء الأمصار وفقهاء الفتوى، ولاخلاف بين أئمتهم فيه، وهو فعل النبىﷺ فى الآثار الصحيحة، والخلفاء الراشدين بعده، الا ما روى أن عثمان شطر خلافته، قدمها، اذ رأى من الناس من تفوتهم الصلاة، فقال: لو قدمنا الخطبة ليدركوا الصلاة. (اكمال المعلم بفوائد مسلم، كتاب صلاة العيدين، ج: ٣، ص: ٢٨٩، ٢٩٠، ط، دار الوفاء)

روى ابن المنذر باسناد صحيح الى الحسن البصرى قال: أول من خطب قبل الصلاة عثمان، صلى بالناس ثم خطبهم ـ كالعادة ـ فرأى ناساً لم يدركوا الصلاة ففعل ذلك، فلعل عثمان فعل ذلك أحيانا لمصلحة. (فتح المنعم، كتاب العيدين، ج: ٤، ص: ١١٤، ط، دار الشروق القاهرة)

(۵۳):فى المختار: وتجب على من تجب عليه صلاة الجمعة، وشرائطها كشرائطها الا الخطبة.

عید الفطر کی تکبیرات کا جہراً پڑھنا

﴿سوال﴾:

کتاب مبسوط امام محمد میں تکبیر عید الفطر میں امام صاحب کے نزدیک جہر لکھا ہے۔ اور امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع بھی فرمایا ہے کہ تکبیر جہری، عید الفطر میں بھی کہنا چاہئے یا سری ہی پڑھے کیونکہ اور کتابوں میں سری تکبیر امام صاحب سے منقول ہے۔ اور فتح القدیر میں دونوں مرقوم ہیں مگر رجوع نہیں لکھا ہوا ہے۔ فقط

﴿جواب﴾:

رجوع کرنا امام صاحب کا جواز تکبیر کا عید الفطر میں بندہ کو معلوم نہیں مگر عمل کرنا مذہب صاحبین پر بلا کراہت جائز جانتا ہوں اور عوام کو منع جہر کرنے سے تو فقہاء نے خود مکروہ لکھا ہے (۵۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وفی الاختیار تحته: قال (الاالخطبة) فانه یخطب بعد الصلاة، کذا المأثور عن رسول اللہ ﷺ، ولو ترکها جاز لأنها سنة ولیست بشرط، وقد أساء لمخالفة السنة. (الاختیار لتعلیل المختار، باب صلاة العیدین، ج: ۱، ص: ۸۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ ورد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین، ج: ۳، ص: ۴۵، ۴۶، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۵۴):ولایجهر بالتکبیر فی طریقه، بل یخفیه هو الأصح خلافا لهما فانه یجهر به. والخلاف فی الأفضلیة. (الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی هامش مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، باب صلاة العیدین، ج: ۱، ص: ۲۵۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی غنیة المستملی: واما یوم الفطر فقال ابو حنیفة لایجهر به وقالا یجهر وعن ابی حنیفة کقولهما.... والذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحباب الجهر

خطبہ عیدین و جمعہ ایک شخص پڑھے نماز دوسرا شخص پڑھے

﴿سوال﴾:

بروز عیدین و جمعہ اگر ایک شخص نماز پڑھادے اور دوسرا بلا عذر خطبہ پڑھے جائز ہے یا نہیں اور اگر وہ مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی حرام ہے یا غیر حرام یا باعذر بباعث اس کے کہ ایک شخص خطبہ پڑھنا اچھا جانتا ہے اور نماز نہیں پڑھا سکتا اور دوسرا نماز تو پڑھا سکتا ہے مگر خطبہ نہیں پڑھ سکتا اور تیسرا شخص موجود نہیں یا موجود ہے تو ان ہر سہ صورتوں میں کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾:

بروز عیدین و جمعہ خطبہ دوسرے شخص کو پڑھنا درست ہے (۵۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وعدمه لا فی کراهية وعدمها فعندهما يستحب وعنده الاخفاء افضل وذلک لان الجهر قد نقل عن كثير من السلف کابن عمر وعلی وابی امامة الباهلی والنخعی وابن جبیر وعمر بن عبدالعزيز وابی ليلی وابان بن عثمان والحكم وحماد ومالک واحمد وابی ثور ومثله عن الشافعی ذكره ابن المنذر فی الاشراف وقال الفقيه ابوجعفر والذی عندنا انه لاينبغی ان تمنع العامة عن ذلک لقلة رغبتهم فی الخيرات وبه تأخذ يعنی انهم اذا منعوا عن الجهر به لايفعلونه سرا فينقطعون عن الخير بخلاف العالم الذی يعلم ان الاسرار هو الافضل. (غنية المستملی فی شرح منية المصلی، فصل فی صلاة العيد، ص: ۵۶۶، ۵۶۷)

(وكذا فی مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، باب صلاة العيدين، ج: ۱، ص: ۲۵۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۵۵):ولاينبغی أن يصلی غير الخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشئ واحد فان فعل بأن خطب صبی باذن السلطان، وصلی بالغ جاز. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قبيل باب صلاة العيدين، ج: ۱،

خطبہ میں اشعار کا پڑھنا

﴿ســوال﴾:

خطبہ عیدین یا جمعہ میں اشعار فارسیہ یا عربیہ یا اردو پڑھنے اور مقصود پڑھنے سے ترغیب وترہیب ہوتا ہے اور اشعار میں بھی مضمون ترغیب وترہیب ہوتا ہے جائز ہیں یا نہیں مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی اور بعد ثبوت امتناع پڑھنے والا اشعار کا گنہگار ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

﴿جواب﴾:

خطبہ جمعہ وعیدین میں اشعار پڑھنا خلاف سنت کے ہے۔لہٰذا مکروہ ہوگا(٥٦)۔

ص: ٢٥٤، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي البحر: وقد صرح في الخلاصة بأنه لو خطب صبي باذن السلطان وصلى الجمعة رجل بالغ يجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٢، ص: ٢٥٨، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في رد المحتار على الدر المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ج: ٣، ص: ٣٩، ٤٠، ط، دار عالم الكتب رياض)

(٥٦):في آكام النفائس: وسئلت أيضا عما اعتاده أكثر خطباء زماننا من قراءة الخطبة بالعربية، وتضمينها بعض الأشعار الفارسية أو الهندية، هل يجوز ذلك؟

فأجبت بأن قراءة الأشعار فيها ان كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة، فلاريب في كراهتها، وان كانت بالعربية لما في "نصاب الاحتساب": هل يجوز للمذكر أن يقرأ على المنبر دوبيتي، كما اعتاده مذكرو زماننا، فالجواب أنه ورد في الحديث من أشراط الساعة أن توضع الأخيار، وترفع الأشرار، وأن تقرأ المثناة على رؤوس الناس، والمثناة هي التي تسمى بالفارسية دوبيتي، من صحاح الجوهري، والفقه في منعه أنه غناء، وأنه حرام في غير المنبر، فما ظنك في موضع معد للوعظ

کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں ثبوت اس کا نہیں اور یہ رفتہ رفتہ منجر بافراط ہو جاتا ہے۔ پس مکروہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ١٣٠١۔

الجواب صحیح محمد منفعت علی عفی عنہ دیوبندی۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ احمد عفی عنہ۔ اسمہ احمد۔ خلف مولانا محمد قاسم صاحبؒ۔

اصاب المجیب سلمہ بندہ محمود عفی عنہ مدرس مدرسہ اول عالیہ دیوبند۔ محمود گرداں الٰہی عاقبت۔ الاجوبۃ الاربعۃ صحیحۃ عبداللہ خاں۔ الاجوبۃ کلہا صحیحۃ محمد حسن عفی عنہ دیوبندی۔

جواب صحیح ہے احمد حسن عفی عنہ دیوبندی جواب اس بناء پر صحیح ہے کہ باوصف مقتضی کے خطبہ عیدین اور جمعہ اور جمعہ میں اشعار کا قرون ثلاثہ سے عدم منقول ہونا دلیل بدعت مکروہ کی ہے کما حررہ ملا سعد رومی فی کتابہ مجالس الابرار فقط محمد قاسم علی عفی عنہ۔ خلف مولانا محمد عالم علی محمد قاسم علی ١٢٦٦ امراد آبادی۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم مولوی محمد قاسم علی صاحب کے تعاقبات دیکھے سو بہت شکر کرتا ہوں کہ تصحیح مولوی صاحب نے کی اور دلیل صحت وہی ہے جو بندہ نے لکھی مگر عبارت بدل کرادا کیا ہے سو کچھ مضائقہ نہیں شکر ہے کہ جواب تو صحیح رہا۔ فقط والسلام



والنصيحة.

قال العبد - أصلحه الله - وقد ظفرت على هذا الحديث بعد ما كنت أجلس للعامة فى المنابر بتوفيق الله أكثر من ثلاثين سنة، فحمد الله على أنى وان كنت قبل لم أعلم بحرمة هذا الفعل، ولكنى لم أذكر مثناة، يعنى دو بيتى قط فى منبر أجلست فيه. انتهى كلامه.

وان لم يكن بالغناء فالكراهة لكونه مخالفا للسنة داخلا فى أصناف البدعة. (آكام النفائس فى أداء الأذكار بلسان الفارس، فصل فى الخطبة، ص: ۴۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

خطبہ میں عربی عبارت کا ترجمہ کرنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص کبھی کبھی جمعہ کے خطبہ میں اس نیت سے کہ لوگوں کا اس وقت اجتماع ہے بعد نماز چلے جاویں گے بعض آیت اور حدیث کا ترجمہ حسب احکام وقت کر دیتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا یا علماء دین ان اللّٰہ لایضیع اجرا المحسنین.

﴿جواب﴾:

خطبہ جمعہ میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں کچھ پڑھنا مکروہ لکھا ہے مگر خطبہ کا فرض ادا ہو جاتا کذا فی کتب الفقہ (۵۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



غیر عربی عبارت میں خطبہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

خطبہ جمعہ یا عیدین میں ابیات اردو یا فارسی یا ابیات عربی ہوں پڑھنا ابیات کا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

---

(۵۷):فی آکالم النفائس: وقد سئلت مرة بعد مرة عن هذه المسألة، فأجبت بـأنه يجوز عنده مطلقاً، لكنه لايخلو عن الكراهة، فعارضنى بعض الأعزة بأن الخطبة انـمـا هـى لافهـام الـحـاضـريـن، وتعليم السامعين، وهو مفقود فى العربية فى الديار العجمية بالنسبة الى أكثر الحاضرين، فينبغى أن يجوز مطلقاً من غير كراهة.

فـقـلـت: الكراهة انما هى لمخالفة السنة، لأن النبىﷺ وأصحابه قد خطبوا دائـمـا بـالـعـربية. (آكام النفائس فى أداء الأذكار بلسان الفارس، فصل فى الخطبة، ص: ۴۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

ابیات اردو فارسی بلکہ عربی خطبہ جمعہ یا عیدین میں پڑھنا مکروہ ہے (۵۸) اس لئے کہ شعر پڑھنا خطبہ میں مخالف سنت ہے اور جو فعل اور عبادت کہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہو اس کو کرنا درست نہیں (۵۹)۔ فقط۔

محمد بشیر و نذیر آمدہ ۱۲۹۷ مولانا بشیر الدین صاحب قنوجی۔

خطبہ جمعہ اور عیدین کا زبان ہندی میں اور فارسی میں مکروہ ہے فقط محمد عالم علی عفی عنہ۔

محمد عالم علی ۱۲۸۳ محمد مراد آبادی شاگرد مولانا محمد اسحق صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔



(۵۸): فی عمدة الرعاية: لاشک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی(ﷺ) والصحابة (رضی الله عنهم) فيكون مكروهاً تحريماً وكذا قراءة الاشعار الفارسية والهندية فيها. (عمدة الرعاية فی حل شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم: الحاشية: ۲، ج: ۱، ص: ۲۴۲، ط، مير محمد كتب خانه آرام باغ كراتشی)

(وكذا فی آكام النفائس فی أداء الأذكار بلسان الفارس، فصل فی الخطبة، ص: ۴۸، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

(۵۹): عن سعد بن ابراهيم سمع القاسم قال: سمعت عائشةؓ تقول: قال رسول اللهﷺ: من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد. (مسند احمد بن حنبل، ص: ۱۸۹۸، رقم الحديث: ۲۵۹۸۶)

ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول اللهﷺ فی علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً. (ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب: البدعة خمسة اقسام، ج: ۲، ص: ۲۹۹، ط، دار عالم الكتب، رياض)

ملفوظ

جمعہ کا ثواب کس مسجد میں زیادہ ہوگا

﴿۱﴾ جس مسجد میں لوگ جمعہ پڑھنے لگیں۔ اس میں مسجد جامع کا ثواب ہوگا۔ البتہ مسجد قدیم کا اور کثرت جماعت کا ثواب اسی جگہ ہوگا جہاں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے اور نمازی بکثرت ہوتے ہیں (٦٠) اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے جبکہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے (٦١) پانچسو کا ثواب نفس مسجد جامع کا ہے (٦٢) اور وجوہ سے

---

(٦٠): عن أبی بن کعب قال: صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یوماً الصبح فقال: .... وان صلاة الرجل مع الرجل ازکی من صلاته وحده، وصلاته مع الرجلین ازکی من صلاته مع الرجل، وما کثر فهو احب الی الله عزوجل. وفی بذل تحت هٰذا الحدیث: (فهو أحب الی الله عزوجل) وتذکیره باعتبار لفظ ما، قال القاری: وکل مسجد کثر فیه المصلون فذلک أفضل. (بذل المجهود فی حل سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة، ج: ٣، ص: ٣٩٠، ٣٩١، ٣٩٢، رقم: ٥٥٢، ط، دار البشائر الاسلامیة بیروت لبنان)

(٦١): فی مراقی الفلاح: (وکره امامة العبد)...(والمبتدع) بارتکابه ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللهﷺ: "من علم أو عمل أو مال بنوع شبهة، أو استحسان" وروی محمد عن أبی حنیفة رحمه الله تعالٰی وأبی یوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لاتجوز والصحیح أنها تصح مع الکراهة خلف من لاتکفره بدعته، لقولهﷺ: "صلوا خلف کل بر وفاجر وصلوا علی کل بر وفاجر وجاهدوا مع کل بر وفاجر". رواه الدارقطنی کما فی البرهان. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة فصل فی بیان الأحق بالامامة، ص: ٣٠٣، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(٦٢): عن انس بن مالک قال قال رسول اللهﷺ صلاة الرجل فی بیته

اور زیادہ ہوجاتا ہے۔



بصلاة وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فی المسجد الذی يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فی المسجد الأقصى بخمسين الف صلاة وصلاته فی مسجدی بخمسين الف صلاة وصلاة فی المسجد الحرام بمائة الف صلاة. وفی مصباح الزجاجة تحت هذا الحديث: قال البوصيری: هذا اسناد ضعيف. أبو الخطاب الدمشقی: لايعرف حاله. ورزيق ابو عبدالله الألهانی: فيه مقال......وأورده ابن الجوزی فی العلل المتناهية بسند ابن ماجه وضعفه برزيق. (مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجة ومعه كفاية الحاجة فی شرح سنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة فی المسجد الجامع، ص: ٥٦٨، رقم: ١٤١٣، ط، بيت الافكار الدولية اردن)

باب جنازہ کی نماز بیان

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ جنازہ مسجد میں بموجب احادیث صحیحہ چنانچہ ابوداؤد میں ہے۔

عن عائشة قالت والله ما صلى رسول الله ﷺ على سهيل بن البيضاء الا فى المسجد انتهٰى ايضا قالت والله لقد صلى رسول الله ﷺ على ابنى بيضاء فى المسجد سهيل واخيه انتهٰى. درست ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز دلیل صحیح کیا ہے اور یہ حدیث ابوداؤد من صلى على جنازة فى مسجد فلاشىء له. صحیح ہے یانہیں؟ کیونکہ صاحب سفر السعادت فرماتے ہیں گاہ بیرون مسجد وگاہ اندرون مسجد وہردو جائز است وحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہ پیغمبر ﷺ فرمود من صلى على جنازة فى المسجد فلا شىء له غلط است وصواب آنست کہ خطیب بغدادی روایت کردہ وگفتہ کہ در اصل فلاشیء علیہ است بعض ائمہ حدیث میگویند این حدیث خود ضعیف است چہ از افراد صالح مولی التوامہ است ونماز برابر ابوبکر وعمر در مسجد گذارند بحضرت مہاجرین وانصار وز کسے انکار وارد نشدہ انتھٰی۔ اگر کوئی پڑھ لیوے تو ہوجاویگی یا قابل اعادہ ہوگی؟

﴿جواب﴾:

نماز جنازہ کی مسجد میں ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے امام صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے نزدیک روا نہیں (۱) اورحدیث ابو ہریرۃ حسن ہے غلط اورضعیف

(۱):فى مجمع الانهر: وتكره فى مسجد جماعة ان كان الميت فيه، أى فى المسجد خلافاً للشافعىؒ وان كان الميت خارجه أى المسجد، وقام الامام خارج المسجد، ومعه صف، والباقي في المسجد. (مجمع الانهرفي شرح ملتقى الأبحر،

نہیں (۲) اور اس حدیث صحیحین سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے نجاشی پر مسجد سے باہر تشریف لا کر نماز پڑھی (۳) اور اگر کوئی شخص نماز جنازہ مسجد میں پڑھ لیوے تو نماز ادا ہوگئی اعادہ ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ج: ١، ص: ٢٧٢، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنا ن)

(٢):عن ابن أبي ذئب حدثني صالح مولى التوأمة عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيء له. رواه ابوداؤد (٢: ٩٨) وسكت عنه. ورواه ابن أبي شيبة في مصنفه بلفظ: فلاصلاة له (زيلعي ١: ٣٥١). وفي زاد المعاد (١: ١٤٤): وهذا الحديث حسن، فانه من رواية ابن أبي ذئب عنه، وسماعه منه قديم قبل اختلاطه. ولايكون اختلاطه موجبا لرد ما حدث به قبل الاختلاط. اهـ. (اعلاء السنن، ابواب الجنائز، باب كيفية صلاة الجنازة، ج: ٨، ص: ٢٧٦، ٢٧٧، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشي)

في العمدة القارى: أن أبا داؤد روى بهذا الحديث وسكت عنه، فهذا دليل رضاه، وأنه صحيح عنده. الثاني: أن يحيى بن معين الذي هو فيصل في هذا الباب قال: صالح ثقة الا انه اختلط قبل موته، فمن سمع منه قبل ذلك فهو ثبت حجة، وممن سمع منه قبل الأختلاط: ابن أبي ذئب هو محمد بن عبدالرحمٰن بن المغيرة بن الحارث بن أبي ذئب. (عمدة القارى، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى الى أهل الميت بنفسه، ج: ٨، ص: ٢٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا في التنبيه على مشكلات الهداية، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، المجلد الاول، الجزء الثاني، ص: ٧٩٨، ط، مكتبة الرشد رياض)

(٣):عن أبي هريرةؓ ان رسول الله ﷺ نعى للناس النجاشي في اليوم الذي مات فيه. فخرج بهم الى المصلى. وكبر أربع تكبيرات. وفي فتح الملهم: تحت هذا الحديث: وقد يحتج أبو حنيفة رحمه الله في أن صلاة الجنازة لاتفعل في

بوجہ عذر نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا

﴿سوال﴾:

صلوٰۃ جنازہ اگر بسبب عذر مطر وغیرہ مسجد میں پڑھ لی جائے تو درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

عذر کے سبب کہ جگہ بسبب مطر کے نہ ہو اگر پڑھ لیوے تو مضائقہ نہیں (۴) ورنہ یہ بھی مسئلہ مختلفہ ہے اس کو کر کے محل طعن بننا لائق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



نماز جنازہ کے نمازی مسجد میں ہوں اور جنازہ خارج مسجد

﴿سوال﴾:

جنازہ خارج مسجد ہو اور اس کی نماز پڑھنے والے اکثر خارج مسجد ہوں اور بعض بباعث دھوپ یا بارش خاص مسجد ہوں تو بمذہب حنفیہ جائز ہے یا نہیں اور اگر اکثر خاص مسجد

المسجد بقوله "خرج الى المصلى". (موسوعة فتح الملهم بشرح صحيح الامام مسلم، كتاب الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، ج: ٦، ص: ٣٧، رقم: ٢٢٠١، ط، دار السلام رياض)

(۴):في الشامية: انما تكره في المسجد بلاعذر، فان كان فلا. ومن الأعذار المطر كما في الخانية. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: مهم اذا قال: ان شتمت في المسجد يتوقف على كون الشاتم فيه، وفي ان قتله بالعكس، ج: ٣، ص: ١٢٧، ط، دار السلام رياض)

وفي العمدة: قلت: نحن أيضاً: نقول صلاته في المسجد كان للمطر أو للاعتكاف كما ذكرنا. (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب الرجل ينعى الى أهل الميت بنفسه، ج: ٨، ص: ٣٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

میں ہوں اور بعض خارج ہوں تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جنازہ بھی خاص مسجد میں ہو اور اس کے نمازی بھی بباعث دھوپ بارش خاص مسجد میں ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

نماز جنازہ کی مسجد میں پڑھنا ہر حال میں مکروہ لکھا ہے(۵)۔فقط



قبرستان میں نماز جنازہ

﴿سوال﴾:

قبرستان میں صلوٰۃ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

قبور میں اگر نماز جنازہ کی پڑھ دیوے تو درست ہے مگر خارج از قبور ہونا بہتر ہے(٦)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۵):فی النهر الفائق: (ولافی مسجد) أی: مسجد جماعة لقوله عليه الصلاة والسلام: من صلى على ميت فى مسجد جماعة فلا أجر له. رواه أبو داؤد واطلاقه يفيد الكراهة سواء كان الامام والقوم فى المسجد أو كان الميت خارج المسجد والقوم فى المسجد أو كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فى المسجد أو الميت فى المسجد والامام خارج المسجد وهو المختار خلافاً لما رواه النسفى كذا فى الخلاصة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الصلاة على الميت، ج: ١، ص: ٣٩٥، ٣٩٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج: ٢، ص: ٣٢٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٦):في البدائع: قال ابو حنيفة ولاينبغي ان يصلى على ميت بين القبور وكان

نماز جنازہ سنتوں سے پہلے پڑھے یا بعد

﴿سوال﴾:

جنازہ کی نماز فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے چاہئے یا بعد ادا کرنے سنتوں کے چاہیے؟

﴿جواب﴾:

بعد ادائے سنت کے پڑھے (۷)۔فقط



علی وابن عباس یکرہان ذلک وان صلوا أجزأہم لما روی انہم صلوا علی عائشة وأم سلمة بین مقابر البقیع والامام أبوہریرة وفیہم ابن عمر رضی اللّٰہ عنہم. (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الجنائز، فصل فی سنة الدفن، ج: ١، ص: ٣٢٠، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج: ٢، ص: ٣٤١، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ص: ٥٩٥، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۷):فی الدر المختار: الفتوی علی تأخیر الجنازة عن السنة، وأقره المصنف کأنه الحاق لها بالصلاة.

وفی الشامیة تحته: قوله: (عن السنة) أی سنة الجمعة کما صرح به هناک، وقال: فعلی هذا تؤخر عن السنة المغرب لأنها آکد اهـ. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب العیدین، ج: ٣، ص: ٤٧، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

نماز جنازہ جوتے کے ساتھ پڑھنا

﴿سوال﴾:
صلوٰۃ جنازہ مع جوتہ پڑھنا درست ہے یا نہیں بالخصوص زمین نجس پر؟

﴿جواب﴾:
اگر جوتی پاک ہے تو نماز جنازہ درست ہے ورنہ درست نہیں (۸) ایسا ہی حال زمین کا ہے پس زمین ناپاک پر کھڑے ہوکر بھی درست نہ ہووے گی (۹)، اور زمین خشک ہوکر پاک ہوجاتی ہے (۱۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، ج: ١، ص: ٤٤٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٨): في غاية المقال: يجوز الصلاة فى النعلين اذا كانا طاهرين، ثبت ذلك من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم والصحابة ومن تبعهم.

يشترط لصحة الصلاة طهارة النعل أيضا، كما يشترط طهارة باقى ثيابه. قال البرجندى فى شرح النقاية عند قول المصنف فى باب شروط الصلاة: هى طهر بدن المصلى من حدث وخبث، وثوبه ينبغي أن يعم الثوب بحيث يشمل القلنسوة والخف والنعل ونحوها. انتهٰى. (غاية المقال فيما يتعلق بالنعال، فصل فى الصلاة وما يتعلق بها وفيه مسائل، ص: ١٩، ٢٢، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

(٩): في الدر المختار: وفى القنية: الطهارة من النجاسة فى ثوب وبدن ومكان، وستر العورة شرط فى حق الميت والامام جميعا. (درمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ٣، ص: ١٠٣، ١٠٤، ط، دار عالم الكتب رياض)

(١٠): في ملتقى الأبحر: والأرض بالجفاف وذهاب الأثر للصلاة.

جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

سورۃ فاتحہ صلوٰۃ جنازہ میں پڑھے یا نہیں اور اگر تکبیرین آخرین میں بھی بجائے دعا پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے امام صاحب حدیث سے ممانعت قرأۃ قرآن کی نماز جنازہ میں ثابت کرتے ہیں اگر دعا کی طرح پڑھے درست ہے(۱۱) تو جب نہی اور جواز دونوں

وفی مجمع الأنهر تحته: (و) تطهر (الأرض) النجسة (بالجفاف وذهاب الأثر للصلاة)، وهو اللون والرائحة والطعم.... كما فی بحر الرواية فتجوز الصلاة عليها لقوله عليه الصلاة والسلام: "ذكوة الأرض يبسها" أی طهارتها جفافها اطلاقاً لأسم السبب على المسبب لأن الذكوة. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، ج: ۱، ص: ۸۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان/وكذا فی اللباب فی شرح الكتاب، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، ج: ۲، ص: ۱۰۲، ۱۰۳، ط، دارالسراج مدينة المنورة)

(۱۱):قال العلامة ابن بطال فی شرح البخاری: واختلف العلماء فی القراءة بفاتحة الكتاب على الجنازة، فروی عن ابن مسعود وابن الزبير وابن عباس وعثمان بن حبيب وأبی امامة ابن سهل بن حنيف أنهم كانوا يقرؤن فاتحة الكتاب على ظاهر حنديث ابن عباس، وهو قول مكحول والحسن والبصری، وبه قال الشافعی وأحمد واسحاق...و ذكرأبو عبيد فی فضائل القرآن عن مكحول قال: أم القرآن قراءة ومسألة ودعاء. وممن كان لايقرأ على الجنازة وينكر ذلك: عمر ابن الخطاب وعلی بن أبی طالب وابن عمر وابوهريرة، ومن التابعين: عطاء وطاوس وسعيد بن المسيب وابن سيرين وسعيد بن جبير والشعبی والحكم، وبه قال مالک والثوری

حدیث سے ثابت ہیں اور مسئلہ مختلفہ ہے تو ایسے فعل کو کرنا کیا ضروری ہے۔ ایسے افعال کر کے لامذہب مشہور ہونا ہوتا ہے اتقوا مواضع التهم (۱۲) خود حکم شارع علیہ السلام کا ہے مستحب مختلف کو ادا کر کے فساد برپا کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



وأبو حنيفة وأصحابه، قال مالک: الصلاة على الجنازة انما هو دعاء، وليس قراء ة فاتحة الكتاب معمولا بها ببلدنا. قال الطحاوى: يحتمل أن تكون من قرأ فاتحة الكتاب من الصحابة على وجه الدعاء لا على وجه التلاوة، وقالوا انها سنة، تحتمل أن الدعاء سنة، لما روى عن جماعة من الصحابة والتابعين أنهم أنكروا ذلک، ولما لم يقرء وا بعد التكبير الثانية دل أنه لايقرأ فيما قبلها، لأن كل تكبيرة قائمة مقام ركعة، ولما لم يشهد فى آخرها دل أنه لاقراء ة فيها. (شرح صحيح البخارى لابن بطال، كتاب الجنائز، باب قراء ة فاتحة الكتاب على الجنازة، ج: ۳، ص: ۳۱۶، ۳۱۷، ط، مكتبة الرشد الرياض)

(۱۲):فى احياء علوم الدين: فقال عليه السلام: اتقوا مواضع التهم.

وفى المغنى عن حمل الأسفار فى الأسفار تحت هذا الحديث: لم أجد له أصلاً. (احياء علوم الدين ومعه المغنى عن حمل الأسفار فى الأسفار، كتاب شرح عجائب القلب، بيان تفصيل مداخل الشيطان الى القلب، ص: ۹۱۴، ط، دار ابن حزم بيروت)

وفى اتحاف السادة: (فقال عليه السلام اتقوا مواضع التهم) قال العراقى لم أجد له أصلا له. قلت: أخرج الزبير بن بكار فى الوفقيات عن عمر بن الخطاب قال من تعرض للتهمة فلايلومن من أساء به الظن وأخرج البيهقى فى الشعب عن سعيد بن المسيب قال كتب لى بعض اخوانى من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من عرض نفسه للتهم فلايلومن الا نفسه. (اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين، كتاب عجائب القلب، بيان تفصيل مداخل الشيطان الى القلب، ج: ۷، ص: ۲۸۳، ط،

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا

﴿سوال﴾:

سورہ فاتحہ صلوٰۃ جنازہ میں کہ حسب احادیث صحیحہ مسنون ہے چنانچہ:

مؤسسة التاريخ العربى بيروت لبنان)

وفى كشف الحفاء: اتقوا مواضع التهم: ذكره فى الاحياء، وقال العراقى فى تخريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً لكنه بمعنى قول عمر من سلك مسالك الظن اتهم، ورواه الخرائطى فى مكارم الأخلاق مرفوعاً بلفظ "من أقام نفسه مقام التهم فلايلومن من أساء الظن به"، وروى الخطيب فى المتفق والمفترق عن سعيد بن المسيب قال: وضع عمربن الخطاب رضى الله عنه ثمانى عشرة كلمة، كلها حكم، وهى: ما عاقبت من عصى الله فيك بمثل أن تطيع الله فيه، وضع أمر أخيك على أحسنه حتى يجيئك منه مايغلبك، ولاتظنن بكلمة خرجت من مسلم شراً وأنت تجد لها فى الخير فى يده، وعليك باخوان الصدق تعش فى أكنافهم فانهم زينة فى الرخاء عدة فى البلاء، وعليك بالصدق وان قتلك، ولاتعرض لما لايعنى، ولاتسأل عما لم يكن فان فيما كان شغلاً عما لم يكن ولاتطلبن حاجتك الى من لايحب نجاحها لك، ولاتهاون بالحلف الكاذب فيها فيهلكك الله، ولاتصحب الفجار فتتعلم من فجورهم، واعتزل عدوك، واحذر صديقك الا الأمين ولاأمين الا من خشى الله تعالى، تخشع عند القبور، وذل عند الطاعة، واستعصم عند المعصية، واستشر فى أمرك الذين يخشون الله، فان الله تعالى يقول: ﴿انما يخشى الله من عباده العلمٰؤا﴾ [فاطر: ٢٨]. (كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، ج: ١، ص: ٥٨، ٥٩، رقم: ٨٨، ط، مكتبة العلم الحديث)

وفى الفوائد المجموعة: حديث: اتقوا مواضع التهم.

وقال العلامة الشوكاني رحمه الله تعالى: قال في المختصر: لم يوجد.

عن طلحة بن عبدالله بن عوف رضی الله تعالىٰ عنه قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ فاتحة الكتاب فقال لتعلموا انها سنة وحق رواه البخاری والنسائی انتهىٰ وعن ابی امامة رضی الله عنه قال السنة فی الصلوٰة على الجنازة ان يقرأ فی التكبير الاولی بام القران مخافتة ثم يكبر ثلثا والتسليم عند الاخرة رواه النسائی.

اور محققین علماء بھی اس کی سنیت وافضلیت کے قائل ہیں۔حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

ومن السنة قراءة فاتحة الكتاب لانها خير الادعية واجمعها علمها الله تعالىٰ عباده فی محكم كتابه.

اور ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی استحباب کے قائل ہیں۔ بنابریں احتیاط مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے چنانچہ ردالمحتار میں ہے وقول ملا علی القاری ايضا يستحب قرأتها بنية الدعاء خروجا من خلاف الشافعی.

اور قاضی ثناءاللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں وبعد تکبیر اولیٰ سورہ فاتحہ ہم خوانند انتہٰی۔لہٰذا برعایت اولہ مذکورہ فاتحہ پڑھنا ہی اولیٰ ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ نماز جنازہ میں احیاناً بجواز پڑھی ہے ورنہ معمول ضروری نہ تھا۔کیونکہ امام صاحب قرآن کی ممانعت حدیث سے ثابت فرماتے ہیں۔البتہ بطور دعاء پڑھنا مضائقہ نہیں ہے(۱۳)واللہ تعالیٰ اعلم



(الفوائد المجموعة فی الأحاديث الموضوعة، ص: ٢٥١)

(۱۳):فی كشف المغطی: وفی البدائع: لنا ما روی عن ابن مسعود: أنه سئل عن صلاة الجنازة هل يقرأ فيها؟ فقال: لم يوقت لنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قولاً ولاقراءة،

کئی جنازوں کی نماز ایک ساتھ اور مجنون کی نماز جنازہ

﴿سوال﴾:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مجنون شخص کی نماز جنازہ کس طرح پڑھی جاوے آیا انہیں دعاؤں مخصوصہ سے اس کی نماز پڑھائی جاوے یا کوئی اور دعا بھی اور اگر یہ نہیں تو کونسی دعا ہے اور اگر چند جنازہ مجتمع ہوں تو علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا عمدہ ہے یا ایک جا اور پھر ترتیب کس طرح سے ہے اور اگر ایک مردہ بالغ ہو اور دوسرا نابالغ تو پھر کیا کرے اگر کسی شخص نے مجنون کے جنازہ پر بھی اللّٰھم اغفر لحینا الخ پڑھی تو درست ہے یا نہیں؟ فقط

وفی روایة: دعاء ولاقراءة، کبر ما کبر الامام، واختر من أطیب الکلام ما شئت، وفی روایة: واختر من الدعاء أطیبه، وروی عن عبدالرحمن بن عوف وابن عمر: أنهما قالا: لیس فیها قراءة شیء من القرآن، ولأنها شرعت للدعاء مقدمة الدعاء الحمد، والثناء والصلاة علی النبی ﷺ لا القراءة، وقوله ﷺ: لاصلاة الا بفاتحة الکتاب لایتناول صلاه الجنازة، لأنها لیست بصلاة حقیقة، وانما هی دعاء واستغفار للمیت، ألا تری أنه لیس فیها الأرکان التی تترکب منها الصلاة من الرکوع والسجود، الا أنها تسمی صلاة، لما فیها من الدعاء، وحدیث ابن عباس معارض بحدیث ابن عمر وابن عوف، وتأویل ما روی جابر من القراءة أنه کان قرأ علی سبیل الثناء، لا علی سبیل القراءة، وذلک لیس بمکروه عندنا. (کشف المغطی عن وجه الموطا، کتاب الجنائز، ما یقول المصلی علی الجنازة، ج: ١، ص: ٥٦٧، ط، مکتبة البشریٰ کراتشی)

فی البحر: وفی المحیط والتجنیس: ولو قرأ الفاتحة فیها بنیة الدعاء فلابأس به وان قرأها بنیة القراءة لایجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة اهـ. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، ج: ٢، ص: ٣٢١، ط، دار الکتب العلمیة بیروت)

﴿جواب﴾:

دعائیں نماز جنازہ مجنون کی بلا تفاوت تندرست مردوں جیسی ہوتی ہیں کچھ ذرہ بھر فرق نہیں وہی معمولی دعوات ہیں اور یکساں حکم نماز کا ہے(۱۴) کذا فی عامۃ عموم الکتب واللہ تعالیٰ اعلم جملہ اموات کو جمع کر کے اس طرح کہ ایک مردہ امام کے پاس دوسرا قبلہ کی طرف تیسرا اس کے قبلہ کی طرف صف باندھ کر نماز پڑھے ضمائر کو جمع کی بنادے اور نہ بنادے جب بھی کچھ حرج نہیں، درست ہے اگر ایک طفل ہو تو اس کو بعد جوان کے قبلہ کی جانب رکھے اور دعا مرویہ میں جمع کر لیوے(۱۵)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱۴): یہاں مجنون سے مراد مجنون عارضی ہے یعنی بلوغ کے بعد طاری ہوا ہے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے جیسے اوروں کے لئے کی جاتی ہے کیونکہ جنون سے پہلے وہ مکلّف تھا اور جنون سے پہلے کے بلوغ کے زمانے کے گناہ جنون سے ساقط نہیں ہوئے۔

فی الدر المختار: ولایستغفر فیھا لصبی ومجنون ومعتوہ لعدم تکلیفھم.

وفی الشامیة تحتہ: قولہ: (ومجنون ومعتوہ) ھذا فی الأصلی، فان الجنون والعتہ الطارئین بعد البلوغ لایسقطان الذنوب السالفة کما فی شرح المنیة. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج: ۳، ص: ۱۱۳، ط، دار عالم الکتب ریاض)

(۱۵):ولو اجتمعت الجنائز یخبر الامام ان شاء صلی علی کل واحد علی حدة وان شاء صلی علی الکل دفعة بالنیة علی الجمیع کذا فی المعراج الدرایة. وھو فی کیفیة وضعھم بالخیار ان شاء وضعھم بالطول سطراواحد او یقف عند أفضلھم وان شاء وضعھم واحد وراء ہ واحد الی جھة القبلة وترتیبھم بالنسبة الی الامام کترتیبھم فی صلاتھم حالة الحیاة فیقرب منه الافضل فالافضل...الخ. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت، ج: ۱، ص: ۱۶۵)

باب سجدہ تلاوت کا بیان

سجدہ تلاوت کے لیے تکبیر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

تلاوت کلام مجید کے سجدہ کرتے وقت اللہ اکبر کہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اللہ اکبر کہہ کر جانا چاہئے اور اللہ اکبر کہہ کر اٹھنا چاہیے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۱):فی الهداية: ومن أراد السجود كبر ولم يرفع يديه، وسجد ثم كبر ورفع رأسه، اعتباراً بسجدة الصلاة، وهو المروی عن ابن مسعودؓ. (الهداية شرح بداية المبتدی، كتاب الصلاة، باب فی سجده التلاوة، المجلد الاول، جزء ثانی، ص: ۹۷، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

وفی البحر: قوله(وكيفيته أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين بلارفع يد وتشهد وتسليم) أی وكيفية السجود وقدمنا أنه يستثنی من شرائط الصلاة التحريمة. والمراد بالتكبيرتين تكبيرة الوضع وتكبيرة الرفع وكل منهما سنة كما صححه فی البدائع لحديث أبی داؤد فی السنن من فعله عليه الصلاة والسلام كذلك. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ج: ۲، ص: ۲۲۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

باب بیمار کی نماز کا مسئلہ

بیٹھ کر نماز پڑھنا

﴿سوال﴾:

ایک شخص بیمار گھر سے خود چل کر مسجد آجاتا ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے زید اس کو منع کرتا ہے کہ باوجود قدرت قیام کے بیٹھ کر نماز درست نہ ہوگی۔ ہاں نماز کھڑے ہو کر شروع کیا کر۔ اور بعد عاجزی کے بیٹھ جایا کر۔ خواہ تو بعض نماز کو کھڑے ہو کر پڑھا کرے۔ اور بعض کو بیٹھ کر پس قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

زید سچ کہتا ہے(۱)۔ فقط



(۱):فی البحر: قال الهندوانی: اذا قدر علی بعض القیام یقوم ذلک ولو قدر آیة أو تکبیرة ثم یقعد وان لم یفعل ذلک خفت أن تفسد صلاته. هذا هو المذهب ولایروی عن أصحابنا خلافه. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، ج: ۲، ص: ۱۹۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الهندیة: ولو کان قادرا علی بعض القیام دون تمامه یؤمر بان یقوم قدر ما یقدر حتی اذا کان قادرا علی أن یکبر قائما ولایقدر علی القیام للقراء ة أو کان قادرا علی القیام لبعض القراء ة دون تمامها یؤمر بان یکبر قائما ویقرأ قدر ما یقدر علیه قائما ثم یقعد اذا عجز قال شمس الائمة الحلوانی رحمه اللّٰه هو المذهب الصحیح ولو ترک هذا خفت ان لاتجوز صلاته کذا فی الخلاصة. (الفتاوی العالمکیریة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض، ج: ۱، ص: ۱۳۶)

مسافر کے احکام کا بیان

مسافر امام مقتدی مقیم کی نیتوں کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

امام مسافر ہے اور دو رکعت کی نیت کرتا ہے مقتدی مقیم ہیں امام کی متابعت کی وجہ سے دو رکعت کی نیت کرے یا چار کی نیت کرے؟ اس مسئلہ کو مشروح و مفصل زیب قلم فرمائیے۔

﴿جواب﴾:

امام دو رکعت پڑھتا ہے اس لئے وہ دو رکعت کی نیت کرے گا۔ اور مقتدی چار رکعت کی نیت کرے۔ اس لئے کہ اس کے ذمہ چار واجب ہیں (ا)۔ فقط



سفر میں سنت و نفل پڑھنا

﴿سوال﴾:

سفر میں اگر چہ ریل کا ہو فرض کے علاوہ سنت نفل بھی پڑھے یا نہیں؟

(ا): فی الهندية: وان صلى المسافر بالمقيمين ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم كذا في الهداية. (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ج: ا، ص: ۱۴۲)

وفي الدر المختار: وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فاذا قام المقيم الى الاتمام لايقرأ ولايسجد للسهو في الأصح لأنه كاللاحق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ج: ۲، ص: ۶۱۰، ۶۱۱، ط، دار عالم الكتب رياض)

﴿جواب﴾:

اگر جلدی اور تقاضا نہ ہو اور اطمینان ہو تو سنت ضرور پڑھنی چاہئیں (۲) اور نفل کا اختیار ہے سفر میں بھی، حضر میں بھی۔ فقط



فرسخ اور میل صحیح حد

﴿سوال﴾:

فرسخ اور میل کی تحدید معتبر کیا ہے؟ ازعزیز الدین صاحب مراد آبادی۔

﴿جواب﴾:

فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں مگر یہ سب تقریبی امور ہیں۔ اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر میل کرے اور یہ بھی مختلف ہے وقت اور محل اور رائی کے اعتبار سے (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۲):فی التاتارخانية: وتكلموا فی الأفضل فی السنن، فقيل: هو الترك ترخصا، وقيل: هو الفعل تقربا، وكان الشيخ أبو جعفر يقول بالفعل فی حالة النزول والترك فی حالة السير. (الفتاوی التاتارخانية، الفصل الثانی والعشرون فی صلاة السفر، ج: ۲، ص: ۴۸۷، ط مكتبه زكريا ديوبند)

وفی الهدية العلائية: ويأتی المسافر بالسنن الرواتب حال النزول ويتركها حال السير. (الهديه العلائية لتلاميذ المكاتب الابتدائية، كتاب الصلاة، صلاة المسافر، ص: ۱۰۳، ط، دار ابن حزم بيروت لبنان)

(وكذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ج: ۲، ص: ۶۱۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۳):فی الشامية: الفرسخ: ثلاثة أميال: أربعة آلاف ذراع ....وجه الصحيح

صحیح مسافت سفر

﴿سوال﴾:
کتنی مسافت سفر میں نماز قصر کرنی چاہئے۔حسب احادیث صحیحہ؟

﴿جواب﴾:
چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزلیں ہوتیں ہیں۔حدیث موٴطا مالک سے ثابت ہوتی ہے۔مگر مقدار میل کی مختلف ہے۔لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہوجاتی ہے(۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق فى السهل والجبل والبر والبحر. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ج: ٢، ص: ٦٠٢، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۴): فى المبسوط: قال رضى الله تعالى عنه (وأقل ما يقصر فيه الصلاة فى السفر اذا قصد مسيرة ثلاثة أيام) وفسره فى الجامع الصغير بمشي الاقدام وسير الابل فهو الوسط لأن أعجل السير سير البريد وأبطأ السير سير العجلة وخير الأمور أوسطها وهذا مذهب ابن عباس رضى الله تعالى عنهما واحدى الروايتين عن ابن عمر رضى الله عنهما وعنه فى رواية أخرى التقدير بيوم وليلة وهو قول الزهرى والاوزاعى رحمهما الله تعالى وقال مالك رحمه الله أربعة برد كل بريد اثنا عشر ميلا واستدل بحديث مجاهد وعطاء أن النبى ﷺ قال يا أهل مكة لاتقصروا الصلاة فيما دون مكة الى عسفان وذلك أربعة برد. (المبسوط السرخسى، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ج: ١، ص: ٢٣٥، ط، دار المعرفة بيروت لبنان)

ملفوظ

اگر اسٹیشن شہر میں داخل نہیں ہے تو قصر کرے

اگر اسٹیشن اس میں داخل ہے تو داخل ہے اور اگر اس کے اندر داخل نہیں تو قصر کرے گا۔ جو نمازیں پہلے پڑھی گئیں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں اور اسٹیشن شہر میں داخل ہونے کے یہ معنی کہ ریل شہر میں ہو کر جاتی ہو جیسے دہلی میں پس وہاں اسٹیشن پر قصر نہ ہوگا اور مدار نظر آنے پر نہیں ہے بلکہ دخول پر ہے (٥)۔ فقط والسلام



(٥): عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما: أنہ کان یقصر الصلاۃ حین یخرج من شعب المدینۃ، ویقصر اذا رجع حتی یدخلھا. رواہ عبد الرزاق، واسنادہ لا بأس بہ "آثار السنن"[٢: ٦٤]. (اعلاء السنن، ابواب صلاۃ المسافر، باب القصر الی أن یدخل موضع الاقامۃ، ج: ٧، ص: ٣١١، ط، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

فی الدر المختار: صلی الفرض الرباعی رکعتین.... حتی یدخل موضع مقامہ.

وفی الشامیۃ: قولہ: (حتی یدخل موضع مقامہ) أی الذی فارق بیوتہ سواء دخلہ بنیۃ الاجتیاز أو دخلہ لقضاء حاجۃ، لأن مصرہ متعین للاقامۃ فلایحتاج الی نیۃ. جوہرۃ. ودخل فی موضع المقام ما ألحق بہ کالربض کما أفادہ القھستانی. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، ج: ٢، ص: ٦٠٣، ٦٠٤، ط، دار عالم الکتب ریاض)

شہید کا بیان

چور اور ظالم کے ہاتھ سے مارے جانے والے کی شہادت

﴿سوال﴾:

چور و دیگر ظالم وغیرہ اگر کسی کو مار ڈالیں تو مظلوم شہید ہوگا یا نہیں اور اگر مظلوم کے ہاتھ سے چور غیرہ مارے گئے تو یہ گنہگار تو نہ ہوگا؟

﴿جواب﴾:

چور اور ظالم اگر مظلوم کے ہاتھ سے مر گئے تو شہید نہیں ہوتے بلکہ فاسق مرتے ہیں اور مظلوم مارا گیا تو شہید ہو(ا)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(ا):فی غنية المستملی: واما الشهيد الحقيقی الذی وعده الله الثواب المخصوص فليس ممن يتعلق به الاحكام الجارية على المكلفين غير الاعتقاد بانه الذی قتل فی سبيل الله ومن الحق به والله اعلم بمن قتل فی سبيله ثم الاحسن فی تعريف الشيهد الحكمی على قول ابی حنيفة انه مسلم مكلف طاهر علم انه قتل ظلما قتلا لم يجب به مال ولم يرتث وعلى قولهما يترک قيد التكليف والطهارة فهذا شامل لقتيل اهل الحرب واهل البغی بای شیء كان وبای سبب كان ولقتيل غير اذا لم يجب بنفس القتل مال سواء لم يجب اصلا كقتل الاسير مثله فی دار الحرب عند ابی حنيفة وقتل السيد عبده عند الكل او وجب لعارض كقتل الاب ابنه والصلح عن العمد وشبه ذلک و خرج من الحد من قتل من البغاة وقطاع الطريق واهل المعصية والمقتول بحد او قصاص لانهم لم يقتلوا ظلما وهذا بالاجماع. (غنية المستملی فی شرح منية المصلی، فصل فی الجنائز، ص: ٥٩٩)

قال يعقوب باشا: وأما قتل أهل البغی بعضهم بعضاً وكذا قطاع الطريق

حضرت حسینؓ کی شہادت

﴿سوال﴾:

زید حضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت امام حسین وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو شہید فی سبیل اللہ نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ شہید ہونے کے شرائط ان کے قتل میں نہیں پائی جاتیں اور نہ کسی کافر کے ہاتھ سے جہاد شرعی میں مارے گئے بلکہ جانگی لڑائیوں میں قتل ہوئے۔ البتہ مقتول مظلوم ہوئے اور نہ صریح حدیثوں میں ان کی شہادت پائی جاتی ہے۔ پس آپ کی تحقیق کیونکر ہے اور زید مذکور کا عقیدہ خلاف سلف ہے یا موافق قانون شریعت؟ فقط

﴿جواب﴾:

شہید اصطلاح شرح میں اس کو کہتے ہیں کہ جو مظلوم مارا جائے خواہ کسی طرح سے مارا جائے (۲) پس بایں معنی یہ سب آئمہ مذکورین شہید ہیں اور اجر شہادت کا ان کو ملے گا البتہ احکام شہدا کے جو غسل کا نہ دینا خون آلودہ ان کے لباس میں دفن کرنا ایسے شہداء کے واسطے نہیں ہوتے ان احکام شہداء میں حضرت عمر رضی اللہ اور علی رضی اللہ عنہ شریک نہیں۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ شریک ہیں پس اگر وہ شخص انکار سب شہادت کا کرتا ہے تو غلط ہے

فلایبعد أن یعد المقتول شهیداً انتهٰی. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الشهيد، ج: ا، ص: ۴۰۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲): في القدوری: الشهيد من قتل المشركون، أو وجد فی المعركة وبه أثر الجراحة أو قتله المسلمون ظلماً، ولم تجب بقتله دية.

وفی اللباب تحته: (أو وجد فی المعركة) سواء كانت معركة أهل الحرب، أو البغی، أو قطاع الطريق. (اللباب فی شرح الكتاب، ج: ۲، ص: ۳۰۷، ۳۰۸، ط، دار السراج المدينة المنورة/وفی الفتاوی العالمكيرية، الباب الحادی والعشرون، في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد، ج: ا، ص: ۱۶۷)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید فرمایا ہے(۳)۔اور اگر احکام مذکورہ شہداء کے جاری ہونے کا انکار ہے تو درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۳):عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ قال: صعد النبی ﷺ الی احداً ومعہ أبو بکر وعمر وعثمان فرجف بھم فضربہ برجلہ وقال: اثبت اُحد فما علیک الا نبی أو صدیق أو شھید. (صحیح البخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب أبی حفص القرشی العدوی رضی اللّٰہ عنہ، ص: ۷۵۵، رقم: ٣٦٨٦، ط، دار السلام ریاض)

کتاب الزکوۃ

زکوۃ کے مسائل کا بیان

نوٹ پر زکوۃ کا حکم

﴿سوال﴾:

نوٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو فلوس میں زکوۃ کیوں نہیں ہے یعنی اگر فلوس میں غیر نقدین ہونے کی زکوۃ نہیں ہے تو نوٹ بھی ایسے ہی ہے اس میں زکوۃ کیوں دینا ہوگا؟

﴿جواب﴾:

نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے۔ مثل تمسک کے اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجاوے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جاوے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جاوے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اسی تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہو اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہوگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اکثر لوگوں کو مثل آپ کے شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوۃ نہیں دیتے اور کاغذ کو بیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے(۱)۔ فقط والسلام



---

(۱): دور حاضر کے اکثر علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہو گیا ہے کہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، چنانچہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی صاحب مدظلہم العالی ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مال نصاب سے کوئی چیز خرید لینا

﴿سوال﴾:

جس شخص کے پاس مال نصاب ہو اور وہ اس مال کی کوئی شئے مثل مکان وغیرہ

''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوۃ واجب ہوجائے گی اور چونکہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہونگے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، وجوب زکوۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بعینہٖ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطور زکوۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضے میں لے گا اسی وقت اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی، بعینہٖ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوۃ فی الفور ادا ہوجائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوۃ کی ادائیگی موقوف نہیں رہے گی''۔ (فقہی مقالات، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، کرنسی نوٹ اور زکوۃ، ج:١،ص:٣١، ط، میمن اسلامک پبلشرز کراچی)

فی تکملة فتح الملهم: وبالجملة، فهذا يدل على أن أوراق العملة هذه قد فاقت على العلمة المسكوكة بكثير، في شيوع التعامل بها، وفي اعتماد الناس عليها، وثقتهم بها، حتى أخذت مكان العملة المسكوكة في سائر بلاد العالم، ولايخطر ببال أحد عند التعامل بها، أنه يتعامل بدين، وانما يعتبرها الناس ثمناً فوق ما يعتبرون العملة المسكوكة. ومن هذه الجهة جعلها الشيخ فتح محمد اللكنوى في حكم الثمن العرفي المبتذل، وأفتى بأداء الزكاة بها، وبجواز اشتراء الذهب أو الفضة بها، وبقوله أفتى ابنه الفاضل المفتى سعيد أحمد اللكنوى أيضاً، كما هو مبسوط في آخر عطر الهداية. (تكملة فتح الملهم، كتاب المساقاة، باب تحريم مطل الغني. وصحة الحوالة، واستحباب قبولها اذا أحيل على ملي، ج: ١، ص:

خریدے تو اس مال پر زکوۃ ہوگی یا نہیں یا اس کی آمدنی پر؟

﴿جواب﴾:

جب تک اس مال سے کوئی شے نہ خریدی تھی اس پر زکوۃ تھی اور بعد خریدنے کے اس پر زکوۃ نہیں آتی (۲)۔ فقط



۴۸۷، ط، دار أحیاء التراث العربی بیروت لبنان/ وکذا فی الفقه الاسلامی وادلته، زکاة الاوراق النقدیة، ج: ۲، ص: ۲۷۷، ط، دار الفکر/ و آپ کے مسائل اور ان کا حل، اضافه وتخریج شده ایڈیشن، ج: ۵، ص: ۸۸، ط، مکتبه لدھیانوی/ وخیر الفتاوی، ج: ۳، ص: ۴۸۰، ط، مکتبه امدادیه ملتان/ وفتاوی حقانیة، ج: ۳، ص: ۴۹۷، ط، مکتبه سید احمد شهید اکوڑه خٹک/ وفتاوی فریدیه، ج: ۳، ص: ۳۸۷/ وفتاوی مفتی محمودؒ، ج: ۳، ص: ۲۲۶، ط، اشتیاق اے مشتاق پریس لاهور/ وفتاوی بینات، ج: ۲، ص: ۶۲۹، ط، مکتبه بینات کراچی/ فقه حنفی قرآن وسنت کی روشنی میں، ج: ۱، ص: ۳۴۸، ۳۴۹، ط، ادارة اسلامیات کراچی/ وقاموس الفقه، ج: ۳، ص: ۶۵، ط، زمزم پبلشرز)

(۲): ولاتجب الا علی الحر المسلم العاقل البالغ اذا ملک نصابا خالیا عن الدین فاضلا عن حوائجه الأصلیة ملکا تاما فی طرفی الحول. (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکاة، ج: ۱، ص: ۹۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

فی التاتارخانیة: لیس فیما یشتری للتجمل والزینة من خادم ومتاع ولؤلؤ وجوهر وفلوس للنفقة شیء....ولیس فی دُور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکاة، وعلی هذا کتب العلم لأهلها. (الفتاوی الثاتارخانیة، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة والمسائل المتعلقة بها، ج: ۳، ص: ۱۷۳، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

زکوٰۃ اپنے مخصوصین کو دینا

﴿سوال﴾:

اگر کوئی عورت اپنے ایسے عزیز کو زکوٰۃ دے کہ وہ مال اس عورت اور شوہر اس کے صرف میں آوے اور عورت یہ بھی جانتی ہے کہ اگر عزیز کو زکوٰۃ نہ دوں گی تو بھی یہ مال ان سب لوگوں کے صرف میں آوے گا اور میرے بھی اور میرے شوہر کے اور زکوٰۃ دونگی تو بھی ان کے ہی صرف میں آوے گا تو زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوگی یا نہیں؟ فقط

﴿جواب﴾:

زکوٰۃ ایسے شخص کو دینا درست ہے محل زکوٰۃ میں جب دے کر قبض کرادیا پھر اس شخص کو اختیار ہے چاہے اس کو ہی واپس دے دیوے یا جو چاہے کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۳):فی الهندية: والافضل فی الزكاة والفطر والنذر والصرف أولا الی الاخوة والاخوات ثم الی أولادهم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی أولادهم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی أولادهم ثم الی ذوی الارحام...الخ. (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف، قبيل فصل مايوضع فی بيت المال أربعة أنواع، ج: ١، ص: ١٩٠)

فی ملتقی الأبحر: هی تمليک جزء من المال معين شرع من فقير مسلم غير هاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالی.

وفی مجمع الانهر تحته: (من كل وجه) احترز به عن الدفع الی فروعه، وان سفلوا، والی أصوله، وان علو أو الی مكاتبه، ودفع أحد الزوجين الی الآخر. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، كتاب الزكاة، ج: ١، ص: ٢٨٤، ٢٨٥، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

دوسرے شہر میں زکوٰۃ ادا کرانا

﴿سوال﴾:

زید کا روپیہ کسی شہر دیگر میں ایک شخص کے پاس امانت ہے زید نے اس امین کو تحریر کردیا کہ اس قدر روپیہ فلاں شخص کو تو میری طرف سے دیدے اور دل میں زید نے نیت ادائے زکوٰۃ یا نیت تصدق قیمت چرم قربانی یا نیت ادائے صدقہ فطر کرلی۔ اندریں صورت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوئی یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی (۴)۔ فقط



---

(۴):فی ملتقی الأبحر: وشرط أدائها نية مقارنة للأداء.

وفی مجمع الانهر تحته: (مقارنة للأداء) المراد أن تكون مقارنة للأداء للفقير، أو الوكيل، ولو مقارنة حكمية كما اذا وقع بلانية، ثم حضرته النية، والمال قائم فی يد الفقير فانه يجزيه بخلاف ما اذا نوى بعد هلاكه، ولايشترط علم الفقير بأنها زكاة على الأصح لما فی البحر عن القنية، والمجتبى الأصح ان من أعطى مسكيناً دراهم، وسماها هبة أو فرضاً، ونوى الزكاة فانها تجزيه لأن العبرة لنية الدافع لا لعلم المدفوع اليه...الخ. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، كتاب الزكاة، ج: ١، ص: ٢٩٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفی النهر: (وكره نقلها) أی الزكاة (الى بلد غير بلد) المال لما روينا من حديث معاذ ولو نقلها صح لأن المصرف مطلق الفقراء بالنص. (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ١، ص: ٤٦٩، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

زکوٰۃ کی رقم سے کوئی چیز خرید کر دینا

﴿سوال﴾:
خرید کر قرآن شریف زکوٰۃ میں دینا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
زکوٰۃ کے روپیہ سے قرآن، کتاب، کپڑا وغیرہ جو کچھ خرید کرے دیدیا جاوے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے(۵)۔فقط



مدیون کے قرضہ کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا

﴿سوال﴾:
جس شخص نے مدیون کو قرضہ کے چار روپیہ اپنی زکوٰۃ میں سمجھ کر معاف کر دئے تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

---

(۵):عن طاوس: قال بعث رسول الله ﷺ معاذاً الی الیمن، فأمره أن یأخذ الصدقة من الحنطة والشعیر، فأخذ العروض الثیاب من الحنطة والشعیر. (المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الزکاة، باب ماقالوا: فی أخذ العروض فی الصدقة، ج: ۴، ص: ۲۹۴، رقم: ۱۰۵۳۰، ط، مکتبة الرشد ریاض)

و فی الشامیة: وأجمعوا أنه لو أدی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة. (الرد المحتار علی الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، ج: ۳، ص: ۲۲۷، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الهندیة: المال الذی تجب فیه الزکاة أدی زکاته من خلاف جنسه أدی قدر قیمة الواجب اجماعاً. (الفتاوی الهندیة، کتاب الزکاة، الباب الثالث فی زکاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثانی فی العروض، ج: ۱ ،ص: ۱۸۰)

﴿جواب﴾:
اگراس کوقرضہ معاف کردیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اگر یہ چارروپیہ اس کوزکوٰۃ میں دیکر پھراس سے اپنے قرضہ میں واپس لے لےتو درست ہے(٦)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



ملفوظ

زکوٰۃ میں غلہ دینا اوراسقاط حمل کا بیان

﴿١﴾ زکوٰۃ میں غلہ دینا درست ہے بہ نرخ بازار قیمت غلہ لگا کرروپیہ کا غلہ دے دیا جائے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (٧) اسقاط حمل قبل جان پڑنے سے جائز ہے مگر اچھا نہیں اور

---

(٦):فی الدر المختار: وأعلم أن أداء الدين عن الدين والعين عن العين وعن الدين يجوز، وأداء الدين عن العين، وعن دين سيقبض لايجوز. وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (درمختار مع الشامى، كتاب الزكاة، ج: ٣، ص: ١٩٠، ١٩١، ط، دار عالم الكتب رياض)

وفى البحر: وحيلة الجواز أن يعطى المديون الفقير خمسة زكاة ثم يأخذه منه قضاء عن دينه. كذا فى المحيط. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، ج: ٢، ص: ٣٧٠، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(٧):عن طاوس: قال بعث رسول اللهﷺ معاذاً الى اليمن، فأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير، فأخذ العروض الثياب من الحنطة والشعير. (المصنف لابن ابى شيبة، كتاب الزكاة، باب ماقالوا: فى أخذ العروض فى الصدقة، ج: ٤، ص: ٢٩٤، رقم: ١٠٥٣٠، ط، مكتبة الرشد رياض)

وفى الهندية: المال الذى تجب فيه الزكاة أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب اجماعاً. (الفتاوى الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث فى زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثانى فى العروض، ج: ١، ص: ١٨٠)

جان پڑ جانے کے بعد حرام ہے(٨)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(٨):فی الدر المختار: ویکره أن تسقی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث لایتصور.

وفی الشامية تحته: قوله: (وجاز لعذر) كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع فی استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم یخلق له عضو وقدروا تلک المدة بمائة وعشرین یوماً، وجاز لأنه لیس بآدمی وفیه صیانة الآدمی، خانیة قوله: (حیث لایتصور) قید بقوله: وجاز لعذر، والتصور کما فی القنیة أن یظهر له شعر أو أصبع أو رجل أو نحو ذلک. (رد المختار علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیره، ج: ٩، ص: ١٥٢، ط، دار عالم الکتب ریاض)

وفی الهندية: العلاج لاسقاط الولد اذا استبان خلقه کالشعر والظفر ونحوهما لایجوز، وان کان غیر مستبین، الخلق یجوز. (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الکراهية، الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات، ج: ٥، ص: ٣٥٦)

باب عشر وصدقہ وزکوٰۃ کن کن کو دیا جائے اس کا بیان

جو زمیندار صاحب نصاب نہ ہو اور عشر دیتا ہو اس کو عشر لینا جائز ہے یا نہیں

﴿سوال﴾:

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اور زمیندار بھی ہو مگر کاشتکار ہو اور بوجہ کاشتکاری عشر جب دیتا ہو تو اس کو عشر کا لینا بھی جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کو عشر لینا درست ہے(۹)۔



(۹):فی الملتقی: هو الفقير، وهو ما له شيء دون نصاب.

وفی الدر المنتقٰی: أی مصرف الزكاة والعشر، وما أخذه العاشر من تجار المسلمين قاله الشمنی وعمم القهستانی: كل صدقة واجبة.وأما خمس المعدن فمصرفه مصرف الغنيمة، (هو الفقير) اعلم أن الفقير شرط فی جميع الأصناف الا العامل كما سيجیء، (وهو من له) أدنی (شیء دون نصاب) أو قدر نصاب غير نام مستغرق فی الحاجة، ويجوز الدفع له. (الدر المنتقٰی شرح الملتقی، كتاب الزكاة، باب فی بيان أحكام المصرف، ج: ۱، ص: ۳۲۴، ۳۲۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۳، ص: ۲۸۳، ۲۸۴، ط، دار عالم الكتب رياض)

کیا میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں

﴿سوال﴾:

غایت الاوطار میں لکھا ہے کہ زوجہ مال زکوٰۃ کا زوج کو دیدے کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو فرمایا تھا (۱۰)۔

﴿جواب﴾:

زوجہ کو زوج کی زکوٰۃ اور زوج کو زوجہ کی زکوٰۃ لینا درست نہیں اور روایت صدقہ نفل پر محمول ہے (۱۱)۔ فقط



(۱۰):(غایت الاوطار، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، ج: ۱، ص: ۵۲۸، ط، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۱۱):فی البحر: لایجوز الدفع لزوجته ولا دفع المرأة لزوجها لما قدمناه من عدم قطع المنفعة عنه من کل وجه وفی دفعها له خلافهما لقوله علیه الصلاة والسلام "لک أجران أجر الصدقة وأجر الصلة" قاله لامرأة ابن مسعود وقد سألته عن التصدق علیه. قلنا: هو محمول علی النافلة. کذا فی الهدایة. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، ج: ۲، ص: ۴۲۵، ۴۲۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

فی ملتقی الأبحر: ولایدفع الی.....زوجته وکذا لاتدفع الی زوجهاخلافاً لهما.

وفی مجمع الانهر تحته: (خلافاً لهما) لقوله علیه الصلاة والسلام: لک أجران أجر الصدقة وأجر الصلة. قاله لامرأة ابن مسعود رضی اللّٰه تعالی عنه، وقد سألته عن التصدق، قلنا: هو محمول علی النافلة للاشتراک فی المنافع. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصرف، ج: ۱،

رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

خوشدامن زوجہ پسر کو اور زوجہ پسر خوشدامن کو مال زکوٰۃ وعشر کا لے دے سکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

لے دے سکتی ہے (۱۲)۔فقط



رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا افضل ہے کہ غیر رشتہ داروں کو

﴿سوال﴾:

غریب محتاج کو دینا افضل ہے یا اپنے رشتہ دار محتاج غریب کو؟

﴿جواب﴾:

ص: ۱۳۳۱، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۱۲):في البحر: وقيد بأصله وفرعه لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو أولى ما فيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهذا قال في الفتاو ى الظهيرية: ويبدأ في الصدقات بالأقارب ثم والموالي ثم الجيران. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۲، ص: ۴۲۵، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفي النهر: قيد بالأصول لأن غيرهم من الأقارب يجوز الصرف اليه. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۱، ص: ۴۶۳، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

اپنے کو دینے میں بہ نسبت غیر کے زیادہ ثواب ہے(۱۳)۔فقط



زکوٰۃ کے روپیہ سے کتب خرید کر تقسیم کرنا

﴿سوال﴾:

زکوٰۃ کے روپیہ سے دینیات کی کتابیں خرید کر عام لوگوں میں تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر رسائل دینیہ خرید کر کسی کی ملک کردے تو درست ہے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی(۱۴)۔



(۱۳):عن سلمان بن عامر الضبی یرفعه قال: الصدقة علی المسکین صدقة، وهی علی ذی الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (مسند الدارمی، کتاب الزکاة، ص: ۵۴۵، رقم، ۱۷۰۴)

فی الهندية: والافضل فی الزکاة والفطر والنذر والصرف أولا الی الاخوة والاخوات ثم الی أولادهم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی أولادهم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی أولادهم ثم الی ذوی الارحام...الخ. (الفتاوی العالمکیرية، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف، قبیل فصل مایوضع فی بیت المال أربعة أنواع، ج: ۱، ص: ۱۹۰)

(۱۴):عن عبدالرزاق عن هشیم بن بشیر عن المجالد عن الشعبی أن شریحا ومسروقاً کانا لایجیزان الصدقة حتی تقبض. (المصنف لعبدالرزاق، کتاب الصدقة، باب لاتجوز الصدقة الا بالقبض، ج: ۹، ص: ۱۲۲، رقم: ۱۶۵۹۱، ط، المجلس العلمی)

زکوۃ کی رقم تعمیر مسجد میں لگانے کے لیے حیلہ شرعی

﴿سوال﴾:

زکوۃ مسجد کی تعمیر میں صرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

زکوۃ کا روپیہ بغیر حیلہ شرعی مسجد میں لگادیں گے تو مسجد میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا مگر زکوۃ ادا نہ ہوگی (۱۵) اور حیلہ شرعی سے لگادیں تو زکوۃ ادا ہوجاتی ہے اور حیلہ یہ کہ کسی

فی الشامية: وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ج: ٣، ص: ٢٢٧، ط، دار عالم الكتب رياض)

واعلم أن التمليك شرط. قال تعالى: ﴿وآتوا الزكاة﴾ والايتاء: الاعطاء، والاعطاء: التمليك، فلابد فيها من قبض الفقير أو نائبه....لأن التمليك لايتم بدون القبض. (الاختيار لتعليل المختار، كتاب الزكاة، باب المصارف الزكاة، ج: ١، ص: ١٢١، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(١٥):اخرج عبدالرزاق عن الثورى قال: الرجل لايعطى زكاة ماله من يحبس على النفقة من ذوى أرحامه، ولايعطيها فى كفن ميت، ولادين ميت، ولابناء مسجد، ولاشراء مصحف، ولايحج بها، ولاتعطيها مكاتبک، ولاتبتاع بها نسمة تحررها، ولاتعطيها فى اليهود ولا النصارى، ولاتستأجر عليها منها من يحملها، ليحملها من مكان الى مكان. (المصنف لعبدالرزاق، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، ج: ٤، ص: ١١٣، ١١٤، رقم: ٧١٧٠، ط، المجلس العلمى)

فى الدر المختار: لايصرف الى بناء نحو مسجد.

وفى الشامية تحته: قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالاتمليک فيه.زيلعى. (رد المختار

محتاج فقیر کو وہ یعنی زکوٰۃ دی جائے اور اس کو مالک بنا دیا جائے اور وہ اپنی خوشی سے اور اپنی طرف سے مسجد میں لگا دے تو یہ درست ہے(۱۶)۔فقط



رفاہی انجمن کا چندہ زکوٰۃ سے دینا

﴿سوال﴾:

انجمن جماعت الاسلام لاہور کے کارکنان نے یہ قاعدہ کر رکھا ہے کہ ہر فرقہ کا مسلمان کم سے کم چار آنہ ماہوار انجمن کو امداد دینے سے انجمن کا ممبر ہوسکتا ہے پس اگر کوئی ممبر چندہ فیس ممبری کو زکوٰۃ کے روپیہ سے ادا کرے تو یہ امر جائز ہے یا نہیں اگر کوئی شخص علاوہ فیس ممبری کے زکوٰۃ کا روپیہ خاص یتیم خانہ انجمن مذکور کو بھیج دے تو مناسب ہے یا نہیں اور فیس منی آرڈرز زکوٰۃ کے روپیہ سے وضع کر کے بھیجنی چاہئے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

اگر چندہ لینے والوں کو اس امر کی اطلاع کر دی جاوے کہ یہ مال زکوٰۃ ہے اور وہ اپنی طرف سے اس کا اہتمام کرلیں کہ یہ روپیہ مصرف پر خرچ ہو تو مضائقہ نہیں ہے زکوٰۃ ادا

على الدرالمختار، كتاب الزكاة،باب المصرف، ج:۳،ص: ۲۹۱، ط، دار عالم الكتب رياض)

(۱۶):في التاتارخانية: والحيلة لمن أراد ذلك أن يتصدق ينوى الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في المسائل المتعلقة بمن توضع فيه الزكاة، ج: ۳، ص: ۲۰۸، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(وكذا في رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۳، ص: ۲۹۳، ط، دار عالم الكتب رياض)

ہوجائے گی (۱۷)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



زکوۃ وصدقات کی ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل بنانا

﴿سوال﴾:

اگر کسی کو زکوۃ ودیگر صدقہ واجبہ ونافلہ کا وکیل کردیوے کہ اس کو اپنے انتظام سے صرف کردینا پھر اگر وکیل خود بھی کہ وہ بھی اہل حاجت ہے اس میں سے سب یا بعض لیوے تو درست ہے یا خیانت میں داخل ہے؟

﴿جواب﴾:

اگر زکوۃ دینے والے نے وکیل کو عموماً اجازت دی کہ جہاں چاہے محل پر صرف کردے تو بشرط مصرف ہونے کے وکیل خود بھی لے سکتا ہے اور جو مراد دینا غیروں کو ہے تو خود لینا درست نہیں (۱۸)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم کذا فی کتب الفقہ۔



(۱۷):فی ملتقی الأبحر: فیصح توکیل الحر البالغ....بکل ما یعقده هو بنفسه.

وفی مجمع الانهر تحته: (یعقده هو) أی الموکل (بنفسه) أی مستبداً بنفسه أو بولایة نفسه عن الغیر کالبیع، والهبة والصدقة والودیعة وغیرها، لأن الانسان قد یعجز عن المباشرة بنفسه فیحتاج الی توکیل غیره فلابد من جوازه دفعاً لحاجته. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الأبحر، کتاب الوکالة، ج: ۳، ص: ۳۰۷، ۳۰۸، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الوکالة، ج: ۲، ص: ۱۵۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(۱۸):فی البحر: وفی الظهیریة: رجل دفع زکاة ماله الی رجل وأمره بالأداء

صدقہ کے زیادہ مستحق ہم وطن ہیں کہ عرب

﴿سوال﴾:

اہل عرب کا ہم پر کوئی حق ہے یا نہیں اور کچھ صدقہ کہ جو ہم کو میسر ہو اہل عرب کو دینا بہتر ہے یا اپنے ہم وطن کو کہ جن کا ہم پر حق ہے؟

﴿جواب﴾:

اپنے ہم وطن کو دینا بہتر ہے عرب کے دینے سے جو مانگتے پھرتے ہیں مگر وہاں جب زیادہ حاجت ہو اور یہاں کم حاجت ہو تو پھر عرب کو دینا چاہیے(۱۹) احبوا العرب رسول

فأعطى الوكيل ولد نفسه الكبير أو الصغير أو امراته وهم محاويج جاز ولا يمسک لنفسه شيئاً، ولو أن صاحب المال قال له ضعه حيث شئت له أن يمسک لنفسه اهـ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۲، ص: ۴۲۶، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

وفى الجامع الأصغر: سئل الشيخ الامام أبو حفص عمن دفع زكاة ماله الى رجل و أمر أن يتصدق بها فأعطى ولد نفسه الكبير والصغير، أو امرأته وهم محاويج، وفى الخانية: ولايمسک لنفسه شيئا جاز. وفى الظهيرية: ولو أن صاحب المال قال له "ضع حيث شئت" له أن يمسک لنفسه، هذا اذا كان المأمور فقيراً، فأما اذا كان غنيا يجب أن تكون المسألة على الخلاف كما اذا أدى صاحب المال بنفسه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل التاسع فى المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، ج: ۳، ص: ۲۲۷، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

(۱۹):فى التبيين: قال رحمه اللّٰه (وكره نقلها الى بلد آخر لغير قريب وأحوج) أى كره نقل الزكاة الى بلد آخر لغير قريب ولغير كونهم أحوج فان نقلها الى قرابته أو الى قوم هم اليها أحوج من أهل بلده لايكره. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف، ج: ۱، ص: ۳۰۵، ط، مكتبه امداديه ملتان)

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (۲۰)۔فقط



(وکذا فی الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثامن فی المسائل المتعلقة بمن توضع فیه الزکاة، ج: ۳، ص: ۲۲۳، ط، مکتبه زکریا دیوبند)

(۲۰):فی کشف الخفاء: أحبوا العرب لثلاث: لأنی عربی والقرآن عربی، وکلام أهل الجنة عربی. وفی لفظ: وکلام أهل الجنة فی الجنة عربی، قال فی الأصل: رواه الطبرانی والحاکم والبیهقی وآخرون عن ابن عباس مرفوعاً بسند فیه ضعیف جداً، ورواه الطبرانی أیضاً عن أبی هریرة مرفوعاً بلفظ: أنا عربی والقرآن عربی وکلام أهل الجنة عربی، وهو مع ضعفه أقوی من حدیث ابن عباس، وأخرجه أبو الشیخ بسند ضعیف أیضاً، عن أبی هریرة مرفوعاً بلفظ: أحبوا العرب وبقاء هم، فان بقاء هم نور فی الاسلام، وان فناء هم ظلمة فی الاسلام، ورواه الدار قطنی عن ابن عمر بلفظ: حب العرب ایمان وبغضهم نفاق....وقد وردت أخبار کثیرة فی حب العرب یصیر الحدیث بمجموعها حسناً. (کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس، ج: ۱، ص: ۶۹، ۷۰، رقم: ۱۳۳، ط، مکتبة العلم الحدیث)

وفی فیض القدیر: وأما قول السلفی هذ الحدیث حسن فمراده کما قال ابن تیمیة حسن متنه علی الاصطلاح العام لاحسن اسناده علی طریقة المحدیثین. (فیض القدیر، شرح الجامع الصغیر، ج: ۱، ص: ۱۷۹، رقم: ۲۲۵، ط، دار المعرفة بیروت لبنان/ ومجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل العرب، ج: ۱۰، ص: ۵۲، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان/ والتنویر شرح الجامع الصغیر، ج: ۱، ص: ۴۰۱، ۴۰۲، ط، مکتبة الملک فهد الوطنیة ریاض/ والجامع لشعب الایمان، فصل فی خلق رسول الله رسول الله صلی الله علیه وسلم وخلقه، ج: ۳، ص: ۳۴، ۳۵، رقم: ۱۳۶۴، ط، مکتبة الرشد ریاض/ والمستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، فضل کافة العرب، ج: ۴، ص: ۹۷، ۹۸، رقم:

حجاز ریلوے میں زکوٰۃ کی رقم دینا

﴿سوال﴾:

حجاز ریلوے کے واسطے جو چندہ وصول کیا جاتا ہے اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چندہ زکوٰۃ واضحیٰ کا بھی دیدیں لہٰذا گذارش ہے کہ اس میں مال زکوٰۃ کا جائز ہے یانہیں اوران میں شخص معین شرط ہے یانہیں اوراس چندہ میں تملیک ہے یانہیں؟

﴿جواب﴾:

چندہ حجاز ریلوے کے لیے کوئی صدقہ واجبہ ادانہ ہوگا زکوۃ صدقہ فطروغیرہ (۲۱) ہاں نفل صدقہ جتنا چاہے دے۔فقط



۶۹۹۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان/ والمعجم الکبیر للطبرانی، ج: ۱۱، ص: ۱۸۵، رقم: ۱۱۴۴۱، ط، مکتبه ابن تیمیة القاهرة/ ومجمع البحرین فی زوائد المعجمین، کتاب المناقب، باب فضل العرب، ج: ۷، ص: ۳۶، رقم: ۳۹۹۰، ط، مکتبة الرشد ریاض/ والمقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة، ص: ۶۳، ۶۴، رقم: ۳۱، ط، دار الکتاب العربی بیروت لبنان/ واللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة، بقیة المناقب، ج: ۱، ص: ۴۴۲، ۴۴۳، ط، دار المعرفة بیروت لبنان)

(۲۱): فی الدر المختار: ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لااباحة کما مر لایصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه.

وفی الشامیة تحته: قوله: (نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لاتملیک فیه. زیلعی. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، ج: ۳، ص: ۲۹۱، ط، دار عالم الکتب ریاض)

زکوۃ کا روپیہ مسجد میں لگانا

﴿سوال﴾:
زکوۃ کا روپیہ مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:
زکوۃ کا روپیہ مسجد میں لگانا درست نہیں ہے بلکہ کسی کی ملک کرنا ضروری ہے اس لیے کسی ایسی جگہ خرچ کرنا درست ہے نہ ہوگا جس میں تملیک نہیں ہوتی پس نہ زکوۃ کا روپیہ چندہ تعمیر مسجد میں دینا درست ہے اور نہ کسی مدرس وغیرہ کی تنخواہ میں دینا درست ہے اور نہ کتب ورسائل خرید کر وقف کرنا درست ہے اور نہ محصول میں دینا درست ہے(۲۲)۔



(۲۲):اخرج عبدالرزاق عن الثوری قال: الرجل لایعطی زکاة ماله من یحبس علی النفقة من ذوی أرحامه، ولایعطیها فی کفن میت، ولادین میت، ولابناء مسجد، ولاشراء مصحف، ولایحج بها، ولاتعطیها مکاتبک، ولاتبتاع بها نسمة تحررها، ولاتعطیها فی الیهود ولا النصاری، ولاتستأجر علیها منها من یحملها، لیحملها من مکان الی مکان. (المصنف لعبدالرزاق، کتاب الزکاة، باب لمن الزکاة، ج: ۴، ص: ۱۱۳، ۱۱۴، رقم: ۷۱۷۰، ط، المجلس العلمی)

فی البنایة: ولایبنی بها مسجد. أی لایبنی بالزکاة مسجد، لأن الرکن فی الزکاة التملیک من الفقیر ولم یوجد....وکذا لاتبنی بها القناطر والسقایات، ولایحفر بها الآبار، ولاتصرف فی اصلاح الطرقات وسد الثغور والحج والجهاد ونحو ذلک مما لایملک فیه. (البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات الیه، ج: ۳، ص: ۴۶۲، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

زکوٰۃ کی رقم سید کو دینا

﴿سوال﴾:

زکوٰۃ اپنے عزیز واقارب کو جو کہ نہایت محتاج اور غریب ہیں اور سوائے اس موقع کے اور کوئی صورت دینے کی نہیں ہوتی لیکن سید مشہور ہیں ایسی صورت میں درست ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

سید کو زکوٰۃ دینی درست نہیں (۲۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲۳): ولا یدفعها الی ذمی....ولا الی هاشمی.

وقال العلامة الموصلیؒ تحته: قال (ولا الی هاشمی) لقولهﷺ: "یابنی هاشم ان اللّٰه حرم علیکم أوساخ الناس وعوضکم عنها بخمس الخمس" وهم: آل عباس، وآل علی، وآل عقیل، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبدالمطلب، لأنهم ینتسبون الی هاشم بن عبدمناف. (الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الزکاة، باب المصارف، ج: ۱، ص: ۱۲۰، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

(وکذا فی البنایة شرح الهدایة، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات الیه، ج: ۳، ص: ۴۷۱، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ملفوظ

زوجین میں سے کسی کو آپس میں زکوٰۃ دینا

﴿۱﴾ اگر زوجہ صاحب نصاب اور شوہر فقیر یا شوہر نصاب والا ہو اور زوجہ فقیرہ تو ان سے ہر ایک کو اپنے مال کی زکوٰۃ دوسرے کو دینی درست نہیں ہے (۲۴) اگر شوہر کا مکان سکونت کا ہے مگر وہ زوجہ کے مکان میں رہتا ہے تو اس سے اس پر زکوٰۃ اس مکان واجب ہوگی اور اگر کوئی اس کو زکوٰۃ دے تو لینا بھی درست ہے مگر زوجہ کی زکوٰۃ لینا خاوند فقیر کو درست نہیں ہے اور اس مکان میں سکونت کی وجہ سے اس پر صدقہ فطر و اضحیہ بھی واجب نہیں ہے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم



(۲۴):فی البحر: لایجوز الدفع لزوجته ولا دفع المرأة لزوجها لما قدمناه من عدم قطع المنفعة عنه من کل وجه وفی دفعها له خلافهما لقوله علیه الصلاة والسلام "لک أجران أجر الصدقة وأجر الصلة" قاله لامرأة ابن مسعود وقد سألته عن التصدق علیه. قلنا: هو محمول علی النافلة. کذا فی الهدایة. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف، ج: ۲، ص: ۴۲۵، ۴۲۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وفی الدرر: لایعطی زوج زوجته ولازوجة زوجها للاشتراک فی المنافع عادة. (الدرر الحکام فی شرح غرر الأحکام، کتاب الزکاة، باب المصارف، ج: ۱، ص: ۱۸۹، ط، میر محمد کتب خانه کراچی)

باب صدقہ فطر کا بیان

صدقہ فطر صاحب نصاب کن کن کا ادا کرے

﴿سوال﴾:

ایک شخص صاحب نصاب ہے اور اس کی ایک عورت اور ایک لڑکا بالغ ہے اور تمام خرچ عورت اور لڑکے کا ذمہ اس شخص کے ہے اور عورت اور لڑکے کو کوئی اختیار نہیں ہے صدقہ عیدالفطر کا ہے عورت اور لڑکے کیطرف سے اس شخص کو دینا واجب ہے یا نہیں ہے؟

﴿جواب﴾:

زوجہ کا صدقہ فطر خاوند پر واجب نہیں اور پسر و دختر بالغ کا بھی واجب نہیں اگر ان سے پوچھ کر دے دیوے تو ثواب ہوگا جائز ہوگا مگر واجب نہیں اور دختر اور پسر صغیر کا واجب ہے اگرچہ روزہ نہ رکھے۔ اگرچہ ایک دن کا بچہ ہو(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



صاحب نصاب کن کن کا صدقہ فطر نکالے

﴿سوال﴾:

---

(۱):فی ملتقی الأبحر: هی واجبة علی الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلیة....عن نفسه وولده الصغیر والفقیر وعبده للخدمة ولو کافراً لا عن زوجته وولده الکبیر.

وفی مجمع الانهر تحته: (لاعن زوجته) عطف علی نفسه خلافاً للشافعی، (و ولده الکبیر)، ولو فی عیاله فی ظاهر الروایة، لکن لو أدی لهما بغیر أمرهما جاز. (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، ج: ۱، ص: ۳۳۴، ۳۳۵، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

ایک شخص کے یہاں ایک عورت اور ایک لڑکا بالغ ہے اور سب ایک جگہ ہیں عورت اورلڑکے کو اس کے مال میں کچھ نہیں ہے یہ کچھ صدقہ عید الفطر ان کی طرف سے دے یا نہ دے؟

﴿جواب﴾:
اس شخص پر ان دونوں کی طرف سے صدقہ عید الفطر دینا واجب نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



صاحب نصاب شخص کو کن کن کا فطرہ ادا کرنا لازم ہے

﴿سوال﴾:
ایک شخص صاحب نصاب ہے یعنی ایک ہی نصاب تک اس کے پاس مال ہے اس کی ایک زوجہ اور ایک لڑکا بالغ ہے اور ایک نابالغ اور وہ سب ایک جگہ شریک ہیں یعنی زوجہ وطفلان اس کے ذمہ کھاتے ہیں اور وہ ایک شخص ہے کچھ کاروبار کرتا ہے۔ اس کے ذمہ صدقہ فطر واجب ہے وہ اپنی طرف سے ادا کرے یا سب کی طرف سے دیوے؟ فقط

﴿جواب﴾:
صدقہ فطر اپنی اولاد کی طرف سے ادا کرے زوجہ کی طرف سے اس کے ذمہ واجب

---

(۲): فی الهدیة العلائیة: تجب موسعا فی العمر علی کل حر مسلم....فیخرج عن نفسه وطفله الفقیر....لاعن زوجته وولده الکبیر العاقل، ولو أدی عنهما بلا اذن أجزا لو فی عیاله. (الهدیة العلائیة لتلامیذ المکاتب الابتدائیة، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر، ص: ١٦١، ط، دار ابن حزم بیروت لبنان)
(وکذا فی محیط البرهانی، کتاب الصوم، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر، ج: ٣، ص: ٣٨٦، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی)

نہیں (۳)۔فقط



قربانی وصدقہ فطر واجب ہونے کا نصاب

سوال:

جس شخص کے پاس پچاس روپیہ موجود ہوں اس کو قربانی کرنا اور صدقہ عید الفطر دینا واجب ہے یا نہیں؟

جواب:

جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہے اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہے (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



---

(۳):فی الهندية: وهی واجبة علی الحر المسلم المالک لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الاصلية كذا فی الاختيار شرح المختار....وتجب عن نفسه وطفله الفقير كذا فی الكافی....ولايؤدی عن زوجته ولاعن أولاده الكبار وان كانوا فی عياله ولو أدی عنهم أو عن زوجته بغير أمرهم أجزأهم استحسانا كذا فی الهداية. وعليه الفتوی كذا فی فتاوی قاضيخان. (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب الثامن فی صدقة الفطر، ج: ۱، ص: ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳)

(وكذا فی الفتاوی الخانية علی هامش الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل فی صدقة الفطر، ج: ۱، ص: ۲۲۸)

(۴):فی النوازل: وهی واجبة علی الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب ولايشترط فيه النماء حتی ان من ملک مالا وقيمته مائتا درهم وهو يفضل عن الحاجة الاصلية غير معتد للتجارة فانه لايجب عليه الزكاة وحرمت عليه الصدقة وتجب عليه صدقة الفطر والاضحية. (فاوی النوازل، كتاب الزكاة، فصل

صدقہ فطر واجب ہونے کا نصاب

﴿سوال﴾:

صدقہ عید الفطر کا کس قدر مال پر چاہیے؟

﴿جواب﴾:

اگر پچاس روپیہ نقد یا اس قیمت کا مال حاجات اصلیہ سے زائد ہو۔ تب صدقہ فطر واجب ہوتا ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



عید الفطر کے صدقہ کے لیے ہندوستانی وزن

﴿سوال﴾:

عید الفطر کا صدقہ ایک شخص کو سہارن پور کے وزن سے جنس گیہوں کا کس قدر ادا کرنا چاہیے؟

﴿جواب﴾:

صدقہ فطر ایک شخص کی طرف سے موافق سہارن پور کی تول کے ڈیڑھ ثار پختہ گیہوں دے جائیں (۶)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



فی صدقة الفطر، ص: ۹۳، ۹۴، ط، میر محمد کتب خانه کراتشی)

(۵):فی تحفة الملوک: صدقة الفطر تجب علی کل مسلم مالک نصاباً فاضلاً عن حاجته الأصلية.

وفی منحة السلوک تحته: وهو أن يكون مالكاً لمقدار النصاب، فاضلاً عن مسكنه وثيابه وأثاثه وفرسه وسلاحه وعبيده. (منحة السلوک فی شرح تحفة الملوک، کتاب الزکاة، ص: ۲۴۵، ۲۴۶)

(۶):الفطرة نصف صاع من بر أو دقيق، أو برغل أو ما طحن من القمح، أو

صاع اور مد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں

﴿سوال﴾:

تحدید صاع و مد بوزن ہندوستان سورو پیہ کے سیر سے معتبر کیا ہے اور یہ جو ترجمہ اغاثہ میں مولوی محمد احسن صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ مُد و مشقی رطل کی تہائی کے برابر ہے یعنی سو روپیہ بھر کے سیر سے قریب ڈیڑھ پاؤ کے ہوتا ہے اور صاع ایک رطل وتہائی رطل کے قریب یا ڈیڑھ سیر کے قریب ہوتا ہے قول مذکور صحیح ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

بانوے کے سیر سے یعنی چہرہ شاہی بانوے روپیہ کی برابر کے سیر سے ایک صاع تین سیر کا ہوتا ہے اور مُد اس کی چوتھائی ہے اور یہ مُد و صاع بمذہب حنفی ہیں۔اس کے موافق آپ حساب کرلیں اور تولہ دو تولہ کی کمی وزیادتی شرعاً مضر نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم



زبيب أو صاع من تمر أو شعير عند أبی حنيفة رحمه الله تعالی، وهی رواية الجامع الصغير.....والصاع ألف وأربعون درهماً شرعياً، وزنة الدرهم الشرعی غرامان وتسعة أجزاء من العشرة. فزنة الصاع ثلاثة كيلو غرامات وستة عشر من الألف من الغرم. وزنة نصف النصاع كيلو غرام ونصف، وثمانية أجزاء من الألف من الغرام. والله أعلم. (الفقه الحنفی وأدلته، فقه العبادات، ص: ۳۶۳، ۳۶۴، ط، دار الفيحاء بيروت)

انگریزی سیر کے وزن سے یعنی جو سیر کے اسی تولہ کا ہوتا ہے اور ہندوستان و پاکستان میں رائج ہے اس کے حساب سے ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے یہی مفتی بہ ہے۔(عمدۃ الفقہ، ج:۳،ص:۱۷۰،ط، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی دار العلوم زکریا، ج:۳،ص: ۲۲۹ تا ۲۳۲، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

ملفوظ

رطل بنانے کا طریقہ اور مد بنانے کا طریقہ

﴿۱﴾ چونکہ ہر جگہ حساب مختلف اور وزن مختلف ہے پس ستر جو دم بریدہ غیر مقشر کا ایک درم پس اس حساب سے رطل بنالیں اور آٹھ رطل کا ایک صاع بنالیں اور کسی کی تحریر کا اعتبار نہ کریں اور یہ حساب تقریبی ہے اور ایک لپ یعنی دو ہاتھ بھر کے کف دست بہم کر کے یہ ایک مد ہوتا ہے۔



باب عشر وخراج کے احکام کا بیان

بٹائی میں عشر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

آسامیوں کو زمین بٹائی پر جو دی جاتی ہے اس میں عشر واجب ہے یا نہیں اسامی مسلمان ہوں تو کیا حکم ہے اور کافر ہوں تو کیا حکم ہے کل عشر زمین کے مالک پر ہی واجب ہے یا مشترک مابین مالک واسامی کون سا قول مفتی بہ ہے نیز اگر اسامی کافر ہوں تو کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾:

مزارعۃ کے مسئلہ میں عشر حصہ دار ہوتا ہے مالک ومزراع پر اگر کوئی کافر ہوگا وہ ماخوذ نہ ہوگا مسلمان اپنے حصہ سے دیوے گا(١)۔ یہی ایک مسئلہ ہے دوسرا قول مقابل اس کے مجھ کو یاد نہیں آتا۔ فقط



(١):ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، كتب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية، ج: ٢، ص: ٥٦، ط، دار الكتب العلمية بيروت/ و كذا فى رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة،باب العشر،مطلب هل يجب العشر على المزارعين فى الأراضى السلطانية، ج: ٣، ص: ٢٧٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

عشری زمین کی شناخت کا طریقہ

﴿سوال﴾:

اس طرف کی زمین عشری کی کیا شناخت ہے؟ فقط

﴿جواب﴾:

زمین عشری وہ ہے جو اول سے مسلمان کے پاس ہو اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم



عشر مالگذاری ادا کرنے کے بعد دیا جائے یا پہلے

﴿سوال﴾:

آمدنی یعنی جو کہ مالک کو کاشتکاروں سے وصول ہوئی مثلاً پانچ سو روپیہ ہے اور سرکاری مالگذاری تین سو روپیہ تو اب عشر کل پانچ سو کا مالک پر واجب ہے یا مابقی دوسو پر۔

---

(۲):في الهداية: قال: وكل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر. (الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب السير، باب العشر والخراج، المجلد الثانى، جزء ۴، ص: ۳۰۴، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشى)

وفي التاتارخانية: وكذلك كل أرض اسلم عليها أهلها طوعا، وفي الحجة: سبلا قتال ولادعوة الى الاسلام: فانها تكون عشرية، وكذلك كل أرض فتحت الغانمين فهي عشرية، وكذلك أرض من أراضي العرب اذا فتحت عنوة وقهرا وأهلها من عبدة الأوثان وأسلموا بعد الفتح وترك الامام الأراضي عليهم فهي عشرية.الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب العشر، الفصل الخامس في معرفة أرض العشر ومائه، ج: ۳، ص: ۲۸۷، ط، مكتبه زكريا ديوبند)

فقط

﴿جواب﴾:

جب مالگذار مالک ہے جو وصول اس کو ہوا جملہ محصول سے عشر دیوے گا حسب رائے امام صاحب اور جو سرکار نے لیا وہ ظلم ہے وہ محسوب نہ ہوگا مجموعہ محصول سے دیوے گا یہ ہی ظاہر ہے(۳)۔



ہندوستانی زمینات عشری ہیں کہ خراجی

﴿سوال﴾:

ہمارے یہاں کی اراضیات عشری ہیں یا خراجی ہیں اور عملداری جائز ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

(۳):فی البحر: قوله: (ولاترفع المؤن) أی لاتحسب أجرة العمال ونفقة البقر وکری الأنهار و أجرة الحافظ وغیر ذلک لأن النبی ﷺ حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعها. أطلقه فشمل ما فیه العشر ومافیه نصفه فیجب اخراج الواجب من جمیع ما أخرجته الأرض عشراً أو نصفاً. (البحر الرائق، کتاب الزکاة، ج: ۲، ص: ۴۱۶، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

فی الدرالمختار: أخذ البغاة والسلاطین الجائرة زکاة الأموال الظاهرة کسوائم والعشر والخراج لا اعادة علی أربابها ان صرف المأخوذ فی محله الآتی ذکره والا یصرف فیه فعلیهم فیما بینهم وبین الله اعادة غیر الخراج لأنهم مصارفه.

وفی الشامیة: قوله: (فعلیهم الخ) أی دیانة کما فی بعض النسخ. قال فی الهدایة: وأفتوا بأن یعیدوها دون الخراج. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، ج: ۳، ص: ۲۱۵، ط، دار عالم الکتب ریاض)

اراضیات ہند بعض عشری ہیں بعض خراجی (۴)۔فقط



سرکاری جمع اور معافی شدہ زمین کے متعلق عشر کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

یہاں زمینوں میں سرکاری جمع ہے اور معافی بھی ہیں لہذا ایسی زمینوں میں عشر ہے یا نہیں؟

﴿جواب﴾:

زمین معافی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں ہوسکتا۔ پس اگر زمین عشری ہے تو عشر ادا کرنا جدا چاہیے اور اگر خراجی ہے تو خراج اس کا مالگذاری سرکاری میں محسوب ہوسکتا ہے (۵)۔فقط



(۴): تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (قاموس الفقہ، عشر کا بیان، ہندوستان کی اراضی کا حکم، ج: ۴، ص: ۳۹۵، ۳۹۶، ط، زمزم پبلشرز کراچی)

(۵): فی المبسوط: فأما ما یأخذ سلاطین زماننا هؤلاء الظلمة من الصدقات والعشور والخراج والجزیة فلم یتعرض له محمد رحمه الله تعالی فی الکتاب وکثیر من أئمة بلخ یفتون بالاداء ثانیاً فیما بینه وبین الله تعالی کما فی حق أهل البغی لعلمنا أنهم لایصرفون المأخوذ مصارف الصدقة وکان أبو بکر الأعمش یقول فی الصدقات یفتون بالاعادة فأما فی الخراج فلا. (المبسوط السرخسی، کتاب الزکاة، قبیل زکاة الغنم، ج: ۲، ص: ۱۸۰، ط، دار المعرفة بیروت لبنان)

(وکذا فی بحر الرائق، کتاب الزکاة، فصل فی الغنم، ج: ۲، ص: ۳۸۹، ط، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

آم کا عشر کس طرح ادا کیا جائے

سوال:
انبہ کتنی مقدار سے لائق عشر کے ہیں اگر انبہ کا عشر دیا جاوے تو برابر تول کر دیا جاوے یا شمار سے خواہ کم وزائد ہو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:
جب جس قدر توڑے جاویں اس قدر کا عشر دینا چاہیے اگر چھوٹے بڑے ہوں تو وزن سے دینا چاہیے اور برابر ہوں تو شمار سے (٦) فقط۔



نقد کرایہ کی زمین پر عشر کا مسئلہ

سوال:
نقشی زمین یعنی جو کہ بکرایہ نقد دی جاتی ہے اس میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

جواب:
زمین جو نقد پر کرایہ دیا اس کے عشر میں خلاف ہوگا امام صاحب مالک سے سب

(٦): فی رد المحتار: قال فی الجوهرة: واختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع. فقال أبو حنيفة وزفر: يجب عند ظهور الثمرة والأمن عليها من الفساد، وان لم يستحق الحصاد اذا بلغت حداً ينتفع بها. وقال أبو يوسف: عند استحقاق الحصاد. وقال محمد: اذا حصدت وصارت فی الجرين. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العشر، ج: ٣، ص: ٢٧٣، ط، دار عالم الكتب رياض)
(وكذا فی المحيط البرهانی، كتاب العشر، الفصل الرابع فی معرفة وجوب العشر، ج: ٣، ص: ٢٨٤، ط، ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی)

دلادیں گے۔صاحبین مستاجر سے سب دلاویں گے یہ ظاہر ہے(۷)۔فقط



زمانہ گزشتہ کی واجب الاداز کوٰۃ وعشر کا حکم

﴿سوال﴾:

زمانہ گذشتہ کی زکوٰۃ وعشر واجب الادا ہے یانہیں اوراگراب روپیہ نہ ہوتو کہاں سے دے یا کیا کرے یازمین یامکان فروخت کرنا ضرور ہے کہ ادا کرے؟

﴿جواب﴾:

جوعشروزکوٰۃ اس کے ذمہ ایک دفعہ واجب ہوچکی ہیں وہ ساقط نہیں ہوتی البتہ اگروہ

---

(۷):فی الدرالمختار: والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا: علی المستأجر کمستعیر مسلم. وفی الحاوی: وبقولهما نأخذ.

وفی الشامیة تحته: قوله: (وبقولهما نأخذ) قلت: لکن أفتی یقول الامام جماعة من المتأخرین.........لکن فی زماننا عامة الأوقاف من القری والمزارع لبرضا المستأجر بتحمل غراماتها ومؤنها یستأجرها بدون أجر المثل بحیث لاتفی الأجرة، ولا أضعافها بالعشر أو خراج المقاسمة، فلاینبغی العدول عن الافتاء بقولهما فی ذلک لأنهم فی زماننا یقدرون أجرة المثل بناء علی أن الأجرة سالمة لجهة الوقف ولاشیء علیه من عشر وغیره، أما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وأن المستاجر لیس علیه سوی الأجرة فان أجرة المثل تزید أضعافاً کثیرة کما لایخفی، فان أمکن أخذ الأجرة کاملة یفتی یقول الامام، والا فبقولهما لمایلزم علیه من الضرر الواضح الذی لایقول به أحد، واللّٰه تعالی أعلم. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الزکاة، باب العشر، قبیل مطلب هل یجب علی المزارعین فی الأراضی السلطانیة، ج: ۳، ص: ۲۷۷، ۲۷۸، ط، دار عالم الکتب ریاض)

مال تلف ہوجاوے تو ساقط ہوجائیں گی (۸)۔فقط



جس باغ کو پانی نہ دیا جاتا ہو اس کا حکم

سوال:

جس باغ کو پانی نہ دیا جاتا ہو اس پر عشر ہے یا نہیں؟

جواب:

اس پر عشر ہے (۹)۔فقط



(۸):فی التاتارخانية: قال أصحابنا: اذا هلک مال الزكاة بعد حولان الحول من غير تعدى منه بالاستهلاک سقطت عنه الزكاة سواء هلک بعد التمكن من الأداء، أو قبل التمكن منه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الحادى عشر فى الأسباب المسقطه للزكاة فمن جملة ذلک هلاک مال الزكاة، ج: ٣، ص: ٢٣٧،ط،زكريا ديوبند)

وفى البدائع: اذا كان لرجل مائتادرهم أو عشرون مثقال ذهب فلم يؤد زكاته سنتين يزكى الاولى وليس عليه للسنة الثانية شئ عندأصحابنا الثلاثة وعند زفر يؤدى زكاة سنتين. وكذا فى مال التجارة وكذا فى السوائم. (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، كتاب الزكاة، فصل وأما شرائط الفرضية فأنواع، ج: ٢، ص: ٧، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(۹):عن سالم بن عبدالله، عن ابيه قال: قال رسول الله ﷺ: فيما سقت السماء والأنهار والعيون، أو كان بعلا: العشر، وفيما سقى بالسوانى أو النضح: نصف العشر. وفى البذل تحت هذا الحديث: (قال رسول الله ﷺ: فيما سقت السماء)، أى فى الزرع الذى سقته السماء أى المطر (والأنهار والعيون، أو كان

مواضعات مالگذاری کا مسئلہ

﴿سوال﴾:

ملکات معافی پر عشر واجب ہی ہے لیکن مواضعات مالگذاری میں تردد ہے کیونکہ ہم لوگ ان کے مالک واقعی نہیں سرکاری مالگذاری دیں تو ہماری ورنہ جو چاہے سرکار وہ کرے؟

﴿جواب﴾:

عشر میں امام صاحب وصاحبین کا خلاف ہے اور درمختار نے طحاوی سے فتوی صاحبین کے قول پر لکھا ہے مگر ردمحتار نے بہت سے متاخرین کا فتویٰ امام صاحب کی رائے پر لکھا ہے اور قوی کہا ہے(۱۰) تو اب چند علماء کے مقابلہ میں ضعیف بندہ کو کیوں کرتے ہو میرا بولنا

بعلا) وهو مالايحتاج الى السقى لما يتشرب الماء بعروفه. (بذل المجهود فى حل سنن أبى داؤد، كتاب الزكاة، باب صدقة الزرع، ج: ٦، ص: ٤٠٧، رقم: ١٥٩٦، ط، دار البشائر الاسلامية بيروت لبنان)

فى ملتقى الأبحر: فيما سقته السماء أو سقى سيحاً أو أخذ من ثمر جبل العشر. (ملتقى الابحر ومعه مجمع الانهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، ج: ١، ص: ٣١٧، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(١٠):فى الدرالمختار: والعشر على المؤجر كخراج موظف وقالا: على المستأجر كمستعير مسلم. وفى الخاوى: وبقولهما نأخذ.

وفى الشامية تحته: قوله: (وبقولهما نأخذ) قلت: لكن أفتى بقول الامام جماعة من المتأخرين كالخيرالرملى فى فتاواه، وكذا تلميذ الشارح اسماعيل الحائك مفتى دمشق وقال: حتى تفسد الاجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستأجر كما فى الأشباه، وكذا حامد أفندى العمادى، وقال فى فتاواه قلت: عبارة الحاوى القدسى لاتعارض عبارة غيره، فان قاضيخان من أهل الترجيح، فان من عادته تقديم الأظهر والأشهر وقد قدم قول الامام فكان هو المعتمد، وأفتى به غير

فضول ہے جس پر جمہور کا فتویٰ ہو بندہ کیا بولے اگر چہ دل میں خلش ہوتی ہو پس بعد اس کے کہ رائے امام صاحب پر فتویٰ رہا تو مالگذاری کی زمین اگر آپ کے نزدیک ملک سرکار ہے تو مالگذاری پر عشر نہ ہوگا سرکار کافر ہے وہ ماخوذ نہیں اور جو رائے صاحبین پر عمل ہو تو مالگذار عشر دیوے گا فیصلہ ہوگیا۔ مگر یہ سنو کہ اگر سرکار مالک ہے تو بیع شراء مالگذار کرتا ہے سرکار گاہے مانع نہیں یہ دلیل ملک مالگذار کی ہے اور اگر زمین مالگذاری سرکار اپنی سڑک یا مکان میں لیوے تو قیمت زمین کی رقبہ کی مالگذار کو دیتی ہے یہ دلیل مالگذاری کی بدیہی ہے اگر ملک سرکار ہوتی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہوویں گے پس جب ملک مالگذار محقق ہوئی تو مسئلہ قلب ہو جاوے گا رائے امام وصاحبین پر بظاہر آپ کو کوئی دلیل ملک سرکار کی نہیں ملی گی کیونکہ یہ لکھنا کہ مالگذاری کی عدم ادا میں سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دینا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے ہے نہ اپنی زمین کا لینا جیسا وقت عدم اداء خراج کے شرع میں زمین خراجی دوسرے کو دیدیتے ہیں حالانکہ صاحب خراج مالک زمین کا ہوتا ہے لہٰذا یہ دلیل ملک سرکار کی نہیں۔ فقط



واحد منهم زكريا أفندى شيخ الاسلام وعطاء الله أفندى شيخ الاسلام، وقد اقتصر عليه في الاسعاف والخصاف. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العشر، قبيل مطلب هل يجب على المزارعين في الأراضي السلطانية، ج: ٣، ص: ٢٧٦، ٢٧٧، ٢٧٨، ط، دار عالم الكتب رياض)

ملفوظ

بینڈ اور پولے کے مسائل

﴿۱﴾ اگر بینڈ اور پولا خودرو ہے تو اس میں عشر بھی نہیں ہے اور وہ ملک بھی نہیں ہے اور اگر پرورش کیا ہے اور لگایا ہے تو اس میں عشر بھی ہے(۱۱) اور وہ ملک بھی ہے۔ غیر شخص کو اس کا کاٹنا درست نہیں ہے۔



(۱۱):فی مجمع الانهر: ولاشيء فی حطب وقصب فارسی وحشيش لأنه لاتقصد بهما استغلال الأرض غالباً فلو اتخذها مشجرة أو مقصية أو منبتاً للحشيش ففيه العشر. (مجمع الانهر فی شرح ملتقى الأبحر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج، ج: ۱، ص: ۳۱۹، ط، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی رد المحتار على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب العشر، ج: ۳، ص: ۲٦۷، ط، دار عالم الكتب رياض)

مصادر ومراجع

١) **كتاب الله.**

٢) **الجامع لأحكام القرآن.** للعلامة أبى عبدالله محمد بن أحمد بن أبى بكر القرطبىؒ۔

٣) **الدر المنثورفى التفسير بالمأثور.** للعلامة جلال الدين السيوطىؒ۔

٤) **تفسير مظهرى.** للعلامة قاضى ثناء الله پانى پتىؒ۔

٥) **تفسير البغوى.** للعلامة محى السنة أبى محمد الحسين بن مسعود البغوى رحمه الله تعالىٰ۔

٦) **تفسير السمرقندى.** للعلامة أبى الليث نصر بن محمد بن احمد بن ابراهيم السرقندىؒ۔

٧) **الكشف والبيان المعروف بتفسير الثعلبى.** للعلامة أبى اسحاق أحمد المعروف بالامام الثعلبىؒ۔

٨) **فتح البيان فى مقاصد القرآن.** للعلامة أبى الطيب صديق خان بن حسن على بن لطف الله الحسينى البخارى الهندى۔

٩) **جواهر الحسان فى تفسير القرآن.** للعلامة عبدالرحمٰن بن محمد بن مخلوف المالكىؒ۔

١٠) **الاتقان فى علوم القرآن.**للعلامة جلال الدين السيوطىؒ۔

١١) **صحيح البخارى.** للامام أبى عبدالله محمد بن اسماعيل البخارى الجعفىؒ۔

١٢) **صحيح مسلم.** للامام أبى الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيرى النيسابورىؒ۔

۱۳) **سنن نسائی.** للامام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائیؒ۔

۱۴) **سنن أبی داؤد.** للامام أبی داؤد سلیمان بن الأشعث بن اسحاق الازدی السجستانیؒ۔

۱۵) **جامع الترمذی.** للامام أبی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ۔

۱۶) **سنن ابن ماجة.** للامام أبی عبداللّٰہ محمد بن یزید ابن ماجه القزوینیؒ۔

۱۷) **موطأ امام مالک.** للامام مالك بن أنسؒ۔

۱۸) **مسند احمد.** للامام احمد بن حنبلؒ۔

۱۹) **المعجم الکبیر للطبرانی.** للحافظ أبی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ۔

۲۰) **سنن الدارمی.** للعلامة أبی محمد عبداللّٰہ بن عبدالرحمٰن التمیمی الدارمیؒ۔

۲۱) **سنن الدار قطنی.** للحافظ الکبیر علی بن عمر الدارقطنی رحمه اللّٰہ تعالی۔

۲۲) **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد.** للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ۔

۲۳) **مجمع البحرین فی زوائد المعجمین.** للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ۔

۲۴) **المستدرک علی الصحیحین.** للحافظ أبی عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ الحاکم النیسابوریؒ۔

۲۵) **الجامع لشعب الایمان.** للحافظ أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقیؒ۔

۲۶) **مسند أبی عوانة.** للامام أبی عوانة یعقوب بن اسحاق الأسرائنیؒ۔

۲۷) **المصنف لعبدالرزاق**. للحافظ الكبير أبى بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانیؒ۔

۲۸) **المصنف لابن أبى شيبة**. للحافظ أبى بكر عبدالله بن محمد بن ابراهيم ابن أبى شيبةؒ۔

۲۹) **المعجم الكبير للطبرانى**. للحافظ أبى القاسم سليمان بن احمد الطبرانیؒ۔

۳۰) **مشكوة المصابيح**. للعلامة محمد بن عبدالله الخطيب التبريزیؒ۔

۳۱) **عمدة القارى**. للعلامة بدرالدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى الحنفیؒ۔

۳۲) **فتح البارى**. للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانیؒ۔

۳۳) **الفجر الساطع على الصحيح الجامع**. للعلامة الفضيل بن الفاطمى الشبيهى المالكیؒ۔

۳۴) **ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى**. للعلامة شهاب الدين أحمد بن محمد الخطيب القسطلانى رحمه الله تعالى۔

۳۵) **فتح البارى**. للحافظ زين الدين أبى الفرج ابن رجب الحنبلى رحمه الله تعالى۔

۳۶) **منحة الملك الجليل شرح صحيح محمد بن اسماعيل**. للعلامة عبدالعزيز بن عبدالله الراجحى۔

۳۷) **فيض البارى على صحيح البخارى**. للامام العصر العلامة محمد انور الكشميریؒ۔

۳۸) **شرح صحيح البخارى لابن بطال**. للعلامة أبى الحسن على بن خلف بن عبدالملك بن بطال البكرى القرطبیؒ۔

٣٩) **تحفة القارى شرح صحيح البحارى**. لشيخ الحديث العلامة سعيد احمد پالنپوریؒ۔

٤٠) **الخير الجارى شرح صحيح البخارى**. للعلامة محمد ادريس الكاندهلویؒ۔

٤١) **موسوعة فتح الملهم**.لشيخ الاسلام العلامة شبير احمد العثمانیؒ۔

٤٢) **تكلمة فتح الملهم**. لشيخ الاسلام العلامة محمد تقى العثمانى۔

٤٣) **اكمال المعلم بفوائد مسلم**. للحافظ أبى الفضل عياض بن موسى بن عياضؒ۔

٤٤) **فتح المنعم شرح صحيح مسلم**. للعلامة موسیٰ شاهين لاشين۔

٤٥) **ذخيرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ**. للعلامة محمد ابن الشيخ على بن آدم الولوى۔

٤٦) **بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد**. للعلامة خليل احمد السهانفوریؒ۔

٤٧) **عون المعبود شرح سنن أبى داؤد**. للعلامة أبى الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادیؒ

٤٨) **شرح سنن أبى داؤد للعينى**. للعلامة بدرالدين أبى محمد محمود بن أحمد العينى الحنفیؒ۔

٤٩) **المنهل العذب المورود شرح سنن أبى داؤد**. للعلامة محمود محمد خطاب السبكیؒ۔

٥٠) **الكوكب الدرى على جامع الترمذى**.للعلامة رشيد أحمد الكنكوهیؒ۔

٥١) **العرف الشذى شرح سنن الترمذى**. للامام العصر العلامة محمد انور الكشميریؒ۔

۵۲) **معارف السنن شرح جامع الترمذی.** للعلامة السید محمد یوسف البنوریؒ۔

۵۳) **تحفة الأحوذی بشرح الترمذی.** للعلامة أبی العلی محمد عبدالرحمٰن بن عبدالحیم المبارکفوریؒ۔

۵٤) **تحفة الالمعی شرح سنن الترمذی.** لشیخ الحدیث العلامة سعید احمد پالنپوریؒ۔

۵۵) **اهداء الدیباجة بشرح سنن ابن ماجة.** للعلامة أبو صهیب صفاء الضوی العدوی۔

۵٦) **کفایة الحاجة فی شرح سنن ابن ماجة.** للعلامة أبی الحسن بن عبدالهادی السندیؒ۔

۵۷) **مصباح الزجاجة فی زوائد ابن ماجة.** للعلامة جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی رحمه اللّٰه تعالی۔

۵۸) **اوجز المسالک الیٰ مؤطا امام مالک.** لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا الکاندهلویؒ

۵۹) **شرح زرقانی علی المؤطا.** للعلامة محمد الزرقانیؒ۔

٦۰) **الاستذکار.** للحافظ أبی عمر یوسف بن عبداللّٰه ابن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسیؒ۔

٦۱) **کشف المغطی عن وجه الموطا.** للعلامة محمد أشفاق الرحمٰن الکاندهلویؒ۔

٦۲) **فتح المنان شرح المسند الجامع.** للعلامة أبی عاصم نبیل بن هاشم الغمریؒ۔

٦۳) **مرقاة المفاتیح.** للعلامة الشیخ علی بن سلطان محمد القاریؒ۔

٦٤) **شرح معانی الآثار.** للامام ابی جعفر بن محمد الازدی المصری الطحاوی رحمه اللّٰه تعالی۔

٦٥) **نخب الأفكار فی تنقيح مبانی الأخبار فی شرح معانی الآثار.** للعلامة بدر الدين العينی رحمه اللّٰه تعالی۔

٦٦) **الترغيب والترهيب من الحديث الشريف.** للعلامة عبدالعظيم بن عبدالقوی المنذریؒ۔

٦٧) **اعلاء السنن.** للعلامة ظفر احمد العثمانی التهانویؒ۔

٦٨) **امانی الاحبار فی شرح معانی الآثار.** للعلامة محمد يوسف الكاندهلویؒ۔

٦٩) **الشافی فی شرح مسند الشافعی.** للعلامة مجد الدين أبی السعادات المبارك بن محمد بن عبدالكريم الجزریؒ۔

٧٠) **الفتح الربانی لترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيبانی.** للعلامة احمد بن عبدالرحمٰن الشهير بالساعاتی۔

٧١) **المدخل لابن الحاج.** للعلامة أبی عبداللّٰه محمد بن محمد بن محمد العبدری المالكیؒ۔

٧٢) **احياء علوم الدين.** للعلامة أبی حامد محمد بن محمد الغزالیؒ۔

٧٣) **كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس.** للعلامة اسماعيل بن محمد العجلونی الجراحیؒ۔

٧٤) **اتحاف السادة المتقين بشرح احياء علوم الدين.** للعلامة السيد محمد بن محمد الحسينی الزبيدیؒ۔

٧٥) **فقه الاسلام شرح بلوغ المرام.** للحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ۔

۷۶) **سبل السلام الموصلة الى بلوغ المرام**. للعلامة محمد بن اسماعيل الامير الصنعانیؒ۔ چ

۷۸) **التنوير شرح الجامع الصغير**. للعلامة محمد بن اسماعيل الامير الصنعانیؒ۔

۷۹) **فيض القدير شرح الجامع الصغير**. للعلامة محمد عبدالرؤف المناویؒ۔

۸۰) **نيل الاوطار من أسرار منتقى الأخبار**. للعلامة محمد بن على الشوكانیؒ۔

۸۱) **السنن الكبير**. للحافظ أبى بكر أحمد بن الحسين البيهقیؒ۔

۸۲) **الفوائد المجموعة فى الاحاديث الموضوعة**. للعلامة محمد بن على الشوكانیؒ۔

۸۳) **كتاب الاعتبار فى بيان الناسخ والمنسوخ من الاثار**. للعلامة ابى بكر محمد بن موسى بن عثمان بن حازم الهمدانى رحمه اللّٰه تعالى۔

۸۴) **طبقات ابن سعد**. للعلامة أبى عبداللّٰه محمد بن سعد البصریؒ۔

۸۵) **تاريخ الطبرى**. للعلامة أبى جعفر محمد بن جرير الطبریؒ۔

۸۶) **البداية والنهاية**. للحافظ أبى الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقیؒ۔

۸۷) **سير أعلام النبلاء**. للعلامة شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبیؒ۔

۸۸) **اسد الغابة فى معرفة الصحابة**. للعلامة عز الدين ابن الأثير أبى الحسن على بن محمد الجزریؒ۔

۸۹) **تهذيب التهذيب**. للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانیؒ۔

۹۰) **تذهيب تقريب التهذيب**. للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانیؒ۔

۹۱) **جمهرة أنساب العرب.** للعلامة أبی محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم بن غالب الأندلسیؒ۔

۹۲) **تهذیب الكمال فی أسماء الرجال.** للحافظ المتقن جمال الدین أبی الحجاج یوسف المزیؒ۔

۹۳) **المقاصد الحسنة فی بیان كثیر من الأحادیث المشتهرةعلی الألسنة.** للعلامة محمد عبدالرحمٰن السخاویؒ۔

۹۴) **اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة.** للحافظ أبی الفضل عبدالرحمٰن بن أبی بكر جلال الدین السیوطیؒ۔

۹۵) **چند معروف لیكن غیر مستند احادیث.** للمفتی صداقت علی دامت بركاتهم۔

۹۶) **المبسوط السرخسی.** للعلامة شمس الدین أبی بكر محمد بن أبی سهل السرخسیؒ۔

۹۷) **مختصر قدوری.** للعلامة أبی الحسین أحمد بن محمد أحمد البغدادیؒ۔

۹۸) **الفتاوی الخانیة.** للامام فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانیؒ۔

۹۹) **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع.** للعلامة علاء الدین أبی بكر بن مسعود الكاسانی الحنفیؒ۔

۱۰۰) **الفتاوی التاتارخانیة.** للعلامة فرید الدین عالم بن العلاء الدهلوی الهندیؒ۔

۱۰۱) **الفتاوی الحدیثیة.** للعلامة أحمد بن شهاب الدین بن حجر الهیثمی المكیؒ۔

۱۰۲) **الفتاوی البزازیة.** للعلامة حافظ الدین محمد بن محمدبن شهاب

المعروف بابن البزاز الکردری الحنفیؒ۔

۱۰۳) **الفتاوی العالمکیریه**. للجنة من علماء الھند۔

۱۰۴) **الاختیارلتعلیل المختار**. للعلامة عبداللّٰه بن محمود بن مودود الموصلی الحنفیؒ۔

۱۰۵) **ردالمحتار**. للعلامة محمد امین بن عمر عابدین الشھیر بابن عابدینؒ۔

۱۰۶) **الدر المختار**. للعلامة محمد بن علی الحصکفیؒ۔

۱۰۷) **غایت الاوطار**. للمولانا محمد احسن الصدیقی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۰۸) **تقریرات الرافعی**. للعلامة عبدالقادر الرافعی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۰۹) **فتح القدیر**. للعلامة کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الھمام الحنفیؒ۔

۱۱۰) **المحیط البرھانی**. للعلامة ابی المعالی محمود بن احمد بن مازةؒ۔

۱۱۱) **خلاصة الفتاوی**. للعلامة طاھر بن عبدالرشید البخاری رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۱۲) **خلاصة الدلائل فی تنقیح المسائل**. للعلامة حسام الدین علی بن مکی الرازیؒ۔

۱۱۳) **مجمع الانھرفی شرح ملتقی الابحر**. للعلامة عبدالرحمٰن بن محمد الکلیبولیؒ۔

۱۱۴) **الدر المنتقٰی**. للعلامة محمد بن علی الحصکفیؒ۔

۱۱۵) **الھدایة**. للامام برھان الدین أبی الحسن علی بن أبی بکر المرغینانیؒ۔

۱۱۶) **التنبیه علی مشکلات الھدایة**. للعلامة صدرالدین علی بن علی أبی العز الحنفیؒ۔

۱۱۷) **البنایه شرح الھدایة**. للعلامة بدرالدین أبی محمد محمود بن أحمد

العینی الحنفیؒ۔

۱۱۸) **ملتقی الابحر.** للعلامة ابراهیم بن محمد بن ابراهیم الحلبیؒ۔

۱۱۹) **مختصر الطحاوی.** للامام أبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی الحنفیؒ۔

۱۲۰) **فتاوی النوازل.** للعلامة أبی اللیث نصر بن محمد السمرقندی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۲۱) **تحفة الملوک.** للعلامة زین الدین محمد بن أبی بکر الرازی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۲۲) **الفقه الحنفی وأدلته.** لشیخ اسعد محمد الصاغرجیؒ۔

۱۲۳) **البحر الرائق.** للعلامة زین العابدین ابراهیم الشیهر بابن نجیم المصریؒ۔

۱۲۴) **کنز الدقائق.** للشیخ أبی البرکات عبداللّٰه بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۲۵) **منحة الخالق علی البحر الرائق.** للعلامة محمد امین بن عمر عابدین الشهیر بابن عابدینؒ۔

۱۲۶) **تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق.** للعلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفیؒ۔

۱۲۷) **حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق.** للعلامة احمد بن یونس الشلبی الحنفیؒ۔

۱۲۸) **النهر الفائق.** للعلامة سراج الدین عمر بن ابراهیم ابن نجیمؒ۔

۱۲۹) **منحة السلوک فی شرح تحفة الملوک.** للعلامة بدرالدین أبی محمد محمود بن أحمد العینی الحنفیؒ۔

۱۳۰) **مراقی الفلاح شرح نور الایضاح**. للعلامة حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۳۱) **امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الارواح**. للعلامة ابی الاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالیؒ۔

۱۳۲) **نور الایضاح**. للعلامة ابی الاخلاص حسن بن عمار رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۳۳) **عمدة الرعایة فی حل شرح الوقایة**. للعلامة محمد عبدالحی اللکنویؒ۔

۱۳۴) **القول الصواب فی مسائل الکتاب**. للمفتی محمد عبدالقادر الجیلانی۔

۱۳۵) **الجوهرة النیرة**. للامام أبی بکر بن علی بن محمد الحداد الزبیدی رحمه اللّٰه تعالی۔

۱۳۶) **حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح**. للعلامة سید احمد الطحطاویؒ.

۱۳۷) **امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاة الارواح**. للعلامة ابی الاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالیؒ۔

۱۳۸) **الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام**.للقاضی ملا خسرو الحنفیؒ۔

۱۳۹) **غنیة ذوی الاحکام فی بغیة درر الاحکام**.للعلامة ابی الاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالیؒ۔

۱۴۰) **شرح الوقایة**.للعلامة صدر الشریعة عبیداللّٰه بن مسعودؒ۔

۱۴۱) **اللباب فی شرح الکتاب**. للعلامة عبدالغنی الغنیمی المیدانی الدمشقی الحنفیؒ۔

۱۴۲) **مجموعة الفتاوی**. للعلامة محمد عبدالحی اللکنویؒ۔

١٤٣) **الأشباه والنظائر**. للعلامة زين العابدين ابراهيم الشيهر بابن نجيم المصريؒ۔
١٤٤) **حلبى كبير**.للعلامة ابراهيم بن محمد بن ابراهيم الحلبيؒ۔
١٤٥) **التسهيل الضرورى لمسائل القدورى**. للعلامة محمد عاشق الٰهى البرنيؒ۔
١٤٦) **الهدية العلائية لتلامذ المكاتب الابتدائية**. للعلامة علاء الدين بن محمد أمين عابدين الدمشقى الحنفيؒ۔
١٤٧) **احكام القنطرة فى احكام البسملة**. للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٤٨) **امام الكلام فى ما يتعلق بالقراة خلف الامام**. للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٤٩) **تحفة الاخيار فى احياء سنة سيد الابرار**. للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٥٠) **نفع المفتى والسائل**.للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٥١) **آكام النفائس فى أداء الأذكار بلسان الفارس**. للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٥٢) **غاية المقال فيما يتعلق بالنعال**. للعلامة محمد عبدالحى اللكنویؒ۔
١٥٣) **قمرالاقمار حاشية على نور الانوار**.
١٥٤) **اصول الافتاء وآدابه**. لشيخ الاسلام محمد تقى العثمانى۔
١٥٥) **الفقه الاسلامى وادلته**. للدكتور وهبة الزحيلى رحمه اللّٰه تعالى۔
١٥٦) **الاعتصام**. للعلامة أبى اسحاق ابراهيم بن موسى بن محمد الشاطبیؒ۔
١٥٧) **روضةالطالبين وعمدة المفتين**. للعلامة أبى زكريا محى الدين بن

شرف النووی ؒ۔

۱۵۸) **العزيز شرح الوجيز**. للعلامة أبى القاسم عبدالكريم بن محمد بن عبدالكريم الرافعى القزوينى الشافعیؒ۔

۱۵۹) **الفقه المنهجى على مذهب الامام الشافعى**. للعلامة مصطفى الخن۔

۱۶۰) **النجم الوهاج فى شرح المنهاج**. للعلامة كمال الدين أبى البقاء محمد بن موسى الدميرى رحمه الله۔

۱۶۱) **البيان فى مذهب الشافعى. للعلامة أبى الحسين يحيى بن أبى الخير بن سالم الشافعى رحمه الله تعالى.**

۱۶۲) **المهذب**. للعلامة أبى اسحاق الشيرازیؒ۔

۱۶۳) **كفاية النبيه شرح التنبيه**. للعلامة أبى العباس نجم الدين الرفعه رحمه الله تعالى۔

۱۶۴) **الشرح الكبير**. للعلامة شمس الدين ابى الفرج احمد بن قدامةؒ۔

۱۶۵) **كفاية المفتى**. للمفتى كفايت الله الدهلویؒ۔

۱۶۶) **جواهر الفقه**. للمفتى محمد شفيعؒ۔

۱۶۷) **امداد الفتاوى**. لحكيم الامت محمد اشرف على التهانویؒ۔

۱۶۸) **فتاوى عزيزى**. للعلامة الشاه عبدالعزيز الدهلویؒ۔

۱۶۹) **فتاوى محموديه**. للمفتى محمود حسن الكنكوهیؒ۔

۱۷۰) **فتاوى مفتى محمودؒ**. للمفتى محمودؒ۔

۱۷۱) **فتاوى قاسمية**. للمفتى محمد شبير القاسمى۔

۱۷۲) **فتاوى حقانيه**. لشيخ الحديث عبدالحق الحقانیؒ۔

۱۷۳) **فتاوى دار العلوم زكريا**. للمفتى رضاء الحق۔

۱۷۴) **فتاوى رحيميه**. للمفتى عبدالرحيم اللاجفوریؒ۔

١٧٥) **فتاوی دار العلوم دیوبند**. للمفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندیؒ۔

١٧٦) **نجم الفتاوی**. لشیخ الحدیث نجم الحسن الامروهوی۔

١٧٧) **خیر الفتاوی**. لشیخ الحدیث خیر محمد الجالندهریؒ۔

١٧٨) **فتاوی فریدیه**. للمفتی محمد فریدؒ۔

١٧٩) **فتاوی عثمانی**. للمفتی محمد تقی العثمانی۔

١٨٠) **فتاوای منبع العلوم**. للمولانا محمد عمر السربازیؒ۔

١٨١) **آپ کے مسائل اور ان کاحل**. للمولانا محمد یوسف الدهیانویؒ۔

١٨٢) **فقهی مقالات**. للمفتی محمد تقی العثمانی۔

١٨٣) **عمدة الفقه**. للمولانا السید زوار حسینؒ۔

١٨٤) **کتاب النوازل**. للمفتی محمد سلمان المنصورفوری۔

١٨٥) **فقه حنفی قرآن وسنت کی روشنی میں**. لجنة المصنفین منهم مولانا خالد محمودؒ۔

١٨٦) **کتاب المسائل**. للمفتی محمد سلمان المنصورفوری۔

١٨٧) **قاموس الفقه**. للمولانا خالد سیف الرحمانی۔

١٨٨) **اجرت تراویح کا شرعی حکم**. لاحقر العباد محمد خالد الحنفی۔

١٨٩) **کتاب الروح**. للعلامة أبی عبدالله محمد بن أبی بکر أیوب ابن قیم الجوزیةؒ۔

١٩٠) **کتاب شرح الصدور بشرح حال موتٰی والقبور**. للعلامة جلال الدین السیوطیؒ۔

١٩١) **شرح العقائد النسفیة**.للعلامة سعد الدین التفتازنیؒ۔

١٩٢) **شرح فقه الاکبر**.للعلامة الشیخ علی بن سلطان محمد القاریؒ۔

١٩٣) **المهند علی المفند**. للعلامة خلیل احمد السهانفوریؒ۔

١٩٤) **بتزيين العبارة لتحسين الاشارة**. للعلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ۔

١٩٥) **منهج الحياة الايمانية والتربية الدينية في ضوء الكتاب والسنة**. لشيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلویؒ۔

١٩٦) **اختلاف امت اور صراط مستقیم**. للمولانا محمد یوسف الدهیانوی رحمہ اللہ تعالی۔

١٩٧) **فيروز اللغات. للمولانا فيروز الدين رحمه الله تعالى.**

(محشی کی دیگر کتب ورسائل)

(۱) فتاوی ناموس انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ۴ مجلدات۔

(۲) فتاوی دینیہ پر ۸ جلدوں میں تحقیق وتخریج۔

(۳) **مسائل جمعه للحنفی.**

(٤) پھلوں کی خرید وفروخت کے شرعی احکام۔

(٥) **ردالهماهم علی حسن العمائم کطلوع الغمائم.**

(٦) سید البشر محمد رسول اللہ ﷺ کی سلسلۂ نسب کی مدلل تحقیق۔

(۷) **الرسالة العالية فی تحقیق الجماعة الثانية.**

(۸) **القول التمام فی رد من قال خلاف الامام.**

(۹) تبلیغی جماعت علمائے عرب وعجم کے آئینہ میں۔

(۱۰) معدنیات کا شرعی حکم۔

(۱۱) اجرت تراویح کا شرعی حکم۔

(۱۲) نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟

(۱۳) روزہ کی حالت میں انجکشن لگانے کا شرعی حکم۔

(١٤) بالوں کے شرعی احکام۔

(١٥) آلات موسیقی کے حرمت پر فقہائے احناف کے دلائل۔